نوائے غزوۂ ہند

برِّ صغیر اور پوری دنیا میں غلبۂ دین کا داعی

ذوالحجہ ۱۴۴۱ھ — اگست ۲۰۲۰ء

بانی مُدیر: حافِظ طیّب نواز شہید رحمۃ اللہ علیہ
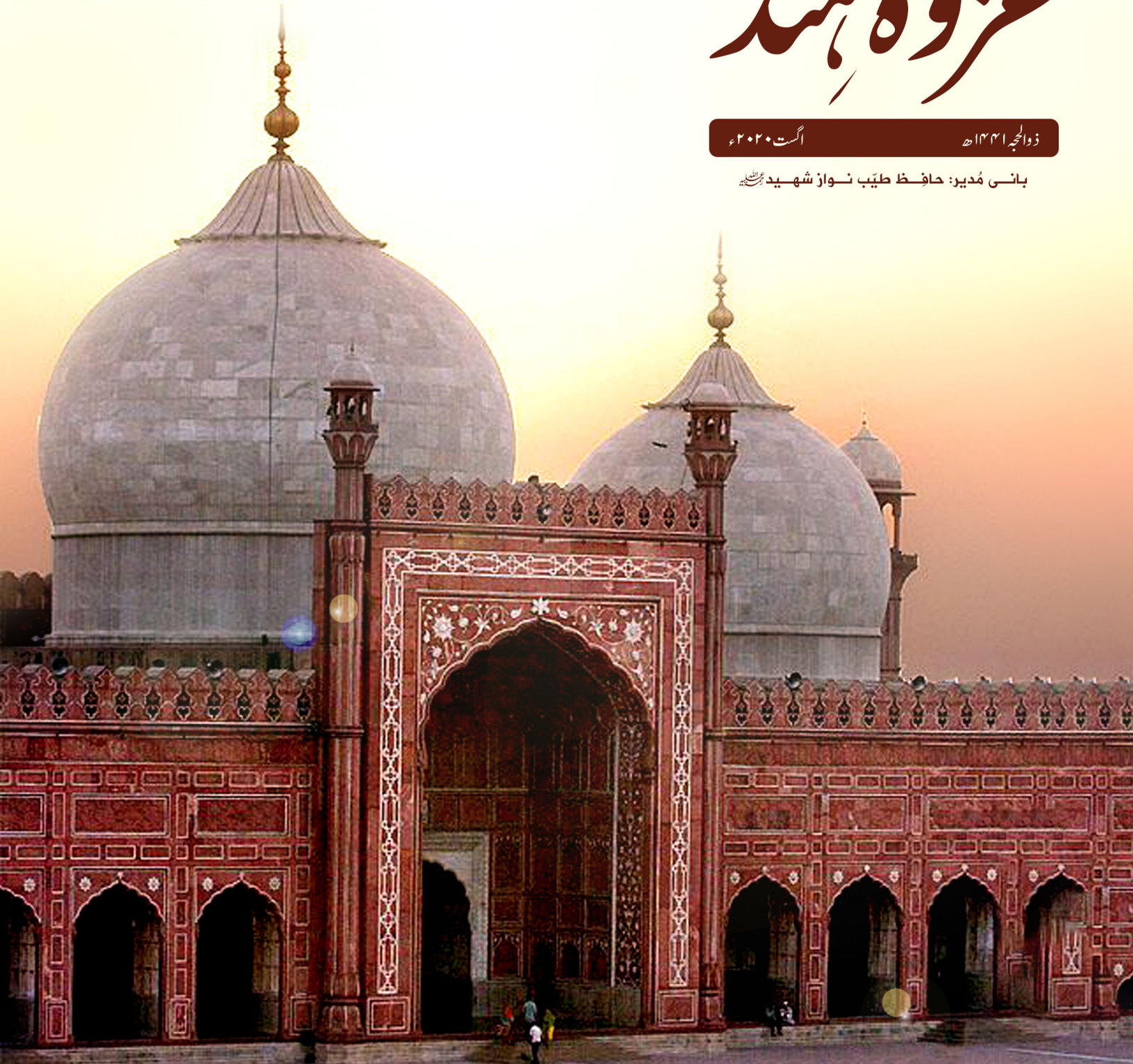
حصولِ تھا جس کا دِیں کی خاطر، تھی انتہا لا الٰہ جس کی!

غزوۂ بدر سے پہلے سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جاں نثارانہ تقریر

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی ہے اور اس امر کی گواہی دی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ لائے ہیں وہی حق ہے۔ اطاعت اور جاں نثاری کے بارے میں ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پختہ عہد و میثاق دے چکے ہیں۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مدینہ سے کسی اور ارادے سے نکلے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے دوسری صورت پیدا فرمادی، جو منشا مبارک ہو اس پر چلیے اور جس سے چاہیں تعلقات قائم فرمائیں اور جس سے چاہیں قطع کریں...... جس سے چاہیں صلح کریں اور جس سے چاہیں دشمنی کریں۔ ہم ہر حال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں...... ہمارے مال میں سے جس قدر چاہیں لیں اور جس قدر چاہیں ہم کو عطا فرمائیں...... مال کا جو حصّہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لیں گے وہ ہمارے لیے اُس حصّہ سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہوگا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس چھوڑیں گے...... اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو برق الغماد جانے کا حکم دیں گے تو بضرور ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جائیں گے...... قسم ہے اُس ذات پاک کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دے کر بھیجا ہے! اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سمندر میں کود پڑنے کا حکم دیں گے تو ہم اُسی وقت سمندر میں کود پڑیں گے اور ہم میں کا ایک شخص بھی پیچھے نہ رہے گا۔ ہم دشمنوں سے مقابلہ کرنے کو مکروہ نہیں سمجھتے البتہ تحقیق ہم لڑائی کے وقت بڑے صابر اور مقابلے میں سچّے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ ہم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ چیز دکھائے گا جس کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ پس اللہ کے نام پر ہم کو لے کر چلیے۔''

سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم: مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سابقہ نوائے افغان جہاد

نوائے غزوۂ ہند

جلد نمبر: ۱۳، شمارہ نمبر: ۸

ذوالحجہ ۱۴۴۱ھ — اگست ۲۰۲۰ء

بحمد اللہ...... مسلسل اشاعت کا تیرہواں (۱۳) سال!

سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

’’میرے جگری دوست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے بیان کیا اور فرمایا: ’اس امت میں سندھ و ہند کی طرف (لشکروں کی) روانگی ہوگی‘، اگر مجھے ایسی کسی مہم میں شرکت کا موقع ملا اور میں (اس میں شریک ہو کر) شہید ہو گیا تو ٹھیک، اگر (غازی بن کر) واپس لوٹ آیا تو میں ایک آزاد ابو ہریرہ ہوں گا جسے اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ سے آزاد کر دیا ہوگا۔‘‘ (مسندِ احمد)

اس شمارے میں

افغانستان — کشمیر — پاکستان — بنگلہ دیش — برما — ہندوستان

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

تجاویز، تبصروں اور تحریروں کے لیے اس برقی پتے (Email) پر رابطہ کیجیے: editor@nawaighazwaehind.com

www.nawaighazwaehind.co

www.nawai.io/Twitter

www.nawai.io/Channel

www.nawai.io/Bot

قیمت: اس مجلّے کی قیمت آپ کی دعا......
اور اس دعوت کو فی اللہ آگے پھیلانا ہے!

قارئینِ کرام!

’غزوۂ ہند‘ تمام اہلِ ایمان کا قضیہ ہے اور اس ’غزوے‘ کی حمایت و نصرت تمام اہلِ ایمان بالخصوص برِّصغیر میں بستے اہلِ ایمان کا فریضہ ہے۔ ’غزوۂ ہند‘ کی دعوت کو پھیلانے اور مضبوط کرنے کی ایک کوشش کا نام ’نوائے غزوۂ ہند‘ ہے۔

نوائے غزوۂ ہند:

- اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کفر سے معرکہ آرا مجاہدین فی سبیل اللہ کا موقف مخلصین اور محبّین مجاہدین تک پہنچاتا ہے۔
- برِّصغیر، افغانستان اور ساری دنیا کے جہاد کی تفصیلات، خبریں اور محاذوں کی صورتِ حال آپ تک پہنچانے کی کوشش ہے۔
- امریکہ، بھارت، اسرائیل اور اس کے حواریوں کے منصوبوں کو طشت از بام کرنے، اُن کی شکست کے احوال بیان کرنے اور اُن کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کی ایک سعی ہے۔

اس لیے...... اسے بہتر سے بہترین بنانے اور دوسروں تک پہنچانے میں ہمارا ساتھ دیجیے!

حصول تھا جس کا دِیں کی خاطر، تھی انتہالا الٰہ جس کی!

تاریخ کے اوراق، سینہ در سینہ چلتی روایات اور چشم دید گواہان کے بیان کردہ قصے ہمارے سامنے ہیں۔ آج سے تہتّر برس پہلے، لگ بھگ دس لاکھ جانیں رائفلوں کی گولیوں، نیزوں کی انیوں، برچھیوں، کرپانوں، تلواروں اور کلہاڑوں کی نذر ہو گئیں۔ خدیجہؓ و فاطمہؓ کی کتنی ہی بیٹیاں، اندھے کنوؤں، مٹی کے تیل سے بھڑکتے محبس خانوں اور بیاس و ستلج و راوی کے پانیوں میں دھکیل دی گئیں۔ کتنی ہماری بہنیں، بہوئیں اور بیٹیاں، 'عائشہ' سے 'آشا' ہو کر، نجس ہندوؤں اور سکھوں کی ہَوَس کا نشانہ بن کر، ان 'ہنومان' اور 'گرو' کے پجاریوں کی اولادوں کا بوجھ گھسیٹتی گھسیٹتی شمشان گھاٹوں میں جلتی چِتائیں بن گئیں۔ لاکھوں یتیم ہوئے، لاکھوں سہاگ اجڑے۔ شاید اصحاب الاخدود پر بیتنے والے ظلم سے بڑھ کر ظلم، برِّ صغیر کی تقسیم کے وقت چشمِ فلک نے دیکھا۔ بغداد کے دریاؤں کے بعد پنجاب و سندھ کے دریاؤں کا رنگ بھی لہو رنگ ہو گیا۔ یوپی، بِہار، دِلّی، راجستھان، پنجاب، دکّن، گجرات، بنگال...... ہندوستان کا کوئی کونا ایسا نہیں جہاں سے کوئی لٹا اور کٹا قافلہ خونی لکیر پار کر کے نہ پہنچا ہو۔

دل دہلاتا اور رونگٹے کھڑے کرتا یہ تذکرہ آسان ہو جاتا ہے، جب راوی یہ بتاتے ہیں کہ بہن بیٹیوں نے عزتیں، بوڑھی ماؤں، باپوں اور کڑیل جوانوں نے جانیں اور بچوں نے بیسویں صدی کے کربلا میں پیاس سے جانیں اس وطن کے لیے واری تھیں جس کی اساس 'لا الٰہ الا اللّٰہ' اور جس کا قانون شریعتِ 'محمد رسول اللّٰہ' ہونا تھا! (علیٰ صاحبہا اَلف صلاۃ و سلام)

کہتے ہیں کہ تقسیمِ ہند سے قبل، بانیٔ پاکستان لکھنؤ میں کسی مقام پر ایک جلسے میں موجود تھے۔ وہاں ایک لکھنوی نعرے لگانے لگا 'پاکستان زندہ باد'، یہ سن کر بانیٔ پاکستان نے اس لکھنوی نوجوان سے پوچھا کہ 'تم کیوں بڑھ چڑھ کر پاکستان کے حق میں نعرے بازی کر رہے ہو۔ تمہارا علاقہ تو پاکستان میں شامل نہیں ہونا؟'۔ سوال سنتے ہی اس نوجوان نے معاً جواب دیا 'اس لیے کہ پاکستان کا وجود میرے (مسلمانوں کے) تحفظ کا ضامن ہے!'۔

لیکن قلم یہ لکھتے ہوئے لرزتا ہے اور آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں کہ جس پاکستان کو مدینۂ ثانی بن کر برِّ صغیر ہی کے نہیں بلکہ 'نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر' مسلمانوں کی بھی دادرسی کرنا تھی وہ خود 'پاکستان' نہ بن سکا۔ کسی نے کہا تھا:

> ''قیامت کے دن سب مسلمان اللّٰہ کے سامنے پیش ہوں گے اور اپنی اپنی پیشی بھگتائیں گے۔ لیکن پاکستانی مسلمان ان دس لاکھ شہیدوں کے سامنے بھی پیش ہوں گے جنھوں نے اس وطن کو حاصل کرنے کے لیے جانوں کی قربانیاں دی تھیں۔ وہ دس لاکھ شہید، پاکستانی مسلمانوں کا گریبان پکڑیں گے اور پوچھیں گے کہ 'غیر اللّٰہ کا نظام نافذ کرنے کے لیے یہ ملک بنایا تھا؟'۔ وہ کٹنے والی مائیں پوچھیں گی کہ 'ہماری بیٹیوں کے جسم عریاں آنکھوں کے سامنے، رات کی تاریکیوں میں تھرکتے رہیں، کیا اس لیے ہم نے عزتیں اور جانیں گنوا کر یہ ملک بنایا تھا؟'۔ سوال کیا جائے گا کہ 'سینما گھروں اور تھیٹروں، تفریح گاہوں، جم خانوں کی سہولت تو ہندوستان میں زیادہ میسر تھی، کیوں یہ ملک بنایا تھا؟'۔ جو تاجر و زمیندار لاکھوں کروڑوں کے کاروبار اور سونا اگلتی زمینیں چھوڑ کر آئے تھے پوچھیں گے کہ 'سودی معیشت پروان چڑھانے کے لیے پاکستان بنایا تھا؟'۔ سوچو، سوچو...... کیا جواب دو گے؟ سوچو! یہ مسلمان تمہیں میدانِ حشر سے جواب حاصل کیے بغیر پار نہ ہونے دیں گے!''

نجانے یہ ہر سال منایا جانے والا یومِ آزادی لائقِ جشن ہے یا لائقِ ماتم؟ پاکستان نہ تو کسی بے وردی حکمران کی جائے حکمرانی کے طور پر بنا تھا اور نہ ہی کسی وردی والے کے تشریح کردہ 'قومی مفاد' کی خاطر۔ یہ ملک انگریز کی غلامی سے نکل کر کالے انگریزوں کی سرپرستی میں چلنے والے، گورے انگریزوں کے وضع کردہ کالے نظامِ جمہوریت و سرمایہ داری کے لیے نہیں بنا تھا۔ یہ پاکستان تو اس 'عظیم تر پاکستان' کی ابتدا ہونا تھی جس کا صحیح نام و عنوان 'خلافت علیٰ منہاج النبوۃ' ہے۔

اس بار آنے والے یومِ آزادی کو جشن منائیے، لیکن اپنے عزم کا جشن۔ یہ عزم کہ اس پاکستان کو ہم صحیح معنوں میں پاکستان بنائیں گے۔ وہ پاکستان جہاں کوئی ظلم نہ دیکھے، کوئی عزت نہ لٹے، کوئی جان ناحق نہ جائے اور سب سے بڑا ظلم اللہ کے ساتھ شرک ہے؛ اس کی زمین پر اس کی شریعت نافذ نہ کرنا ہے، اور عزت؛ العزۃ للّٰہ ولرسولہ وللمؤمنین، اور جان وہ قیمتی ہے؛ جو لا الٰہ الا اللہ پڑھتی اور اس کلمۂ طیبہ پر جان وارتی ہے۔ اس پاکستان کو بنانے کا عزم کیجیے جو سچ میں مدینۂ ثانی ہو، کبھی امریکہ کا فرنٹ لائن اتحادی اور کبھی بھارت کو Most Favourite Nation قرار نہ دیتا ہو۔ وہ پاکستان جہاں سے غزوۂ ہند کو لڑنے اور ہند کے برہمنوں، راجوں اور مہاراجوں کو زنجیروں میں کسنے کے لیے لشکر روانہ ہوں۔ وہ پاکستان جہاں سے کشمیر و برما اور اندلس و اقصیٰ کی جانب قافلے نکلیں۔

تلاشنا ہے اسی وطن کو اساس تھی لا الٰہ جس کی
حصول تھا جس کا دیں کی خاطر، تھی انتہا لا الٰہ جس کی

اگر ہم نے اس وطن کو تلاش لیا اور اس پاکستان کو سچا پاکستان بنالیا تو دنیا کی عزت اور آخرت کی کامرانی ہمارا مقدر ہو گی اور ہم قیامت کے دن ان دس لاکھ مسلمانوں کے سامنے بھی سر اٹھانے کے قابل ہوں گے جن کی لٹی عصمتیں اور کٹی گردنیں ہمارے خلاف عدالتِ ایزدی میں عارضہ کیے ہوئے ہیں!

أللهم انصر من نصر دين محمد صلى الله عليه وسلم واجعلنا منهم واخذل من خذل دين محمد صلى الله عليه وسلم ولا تجعلنا منهم، آمين يا ربّ العالمين!

◆◆◆◆◆

دِل کے چین کے تین قصے

علامہ ظفر احمد عثمانی نوّر اللہ مرقدہٗ

حضرت حکیم الامت نے فرمایا بھوپال میں ایک قاری صاحب تھے، ان کو حج کا شوق ہوا اور اتنا تقاضا ہوا کہ بے چین ہو گئے۔ جیب میں ایک ہی روپیہ تھا اسی پر ارادہ کر لیا۔ بارہ آنے کا تھیلا سلوایا، چار آنے کے بھنے ہوئے چنے تھیلے میں بھر کر، پانی کے لیے لوٹا اور گلاس لے کر بھوپال سے بمبئی کو پیادہ روانہ ہو گئے۔ راستے میں کسی نے دعوت کر دی تو قبول کر لی، ورنہ چنے کھا کر پانی پی لیا، اس طرح بمبئی پہنچ گئے۔ جہاز جدّہ کے لیے تیار تھا۔ ان کے پاس ٹکٹ کے دام نہ تھے۔ کپتان کے پاس پہنچے اور کہا کہ مجھے حج کا شوق ہے، مگر ٹکٹ کے دام نہیں، اگر کوئی نوکری جہاز میں مل جائے تو میں مکہ پہنچ جاؤں گا۔ کپتان نے کہا نوکری تو ہے، مگر آپ کے لائق نہیں، آپ مقدس آدمی ہیں، نوکری گندی ہے۔ فرمایا، اس کی پروا نہیں، جیسی بھی نوکری ہو، مجھے منظور ہے۔ اس نے کہا کام مشقت کا ہے، آپ سے نہ ہو گا۔ فرمایا، کیسی ہی مشقت ہو، میں کر لوں گا۔ کہا، اچھا یہ بوری غلہ کی بھری ہوئی ہے، آپ اس کو اٹھا لیں تو نوکری دے دوں گا۔ قاری صاحب نے دعا کی کہ ”اے اللہ! یہاں تک تو میرا کام تھا، آگے آپ کا کام ہے کہ اس بوری کو مجھ سے اٹھوا دیجیے“۔ یہ دعا کر کے بسم اللہ پڑھ کے بوری کو اٹھایا اور سر سے اوپر لے گئے۔ کپتان کو حیرت ہوئی، خوش ہو کر پیٹھ تھپکی اور کہا کام یہ ہے کہ روزانہ نل سے سمندر کا پانی عرشہ پر بہا دیا جائے اور پاخانوں میں بھی پانی بہا دیا جائے۔ قاری صاحب نے یہ کام منظور کیا اور لنگی باندھ کر روزانہ یہ کام کرتے اور نماز کے وقت غسل کر کے دوسرے کپڑے پہن لیتے۔ رات کو تہجد میں قرأت سے قرآن پڑھتے، خوش الحان تھے۔ ایک رات کپتان عرشے پر دیکھ بھال کے لیے آیا تو قاری صاحب کو نماز میں قرآن پڑھتے ہوئے سنا تو کھڑا ہو کر سننے لگا، اس کے دل پر بہت اثر ہوا۔ نماز کے بعد قاری صاحب سے پوچھا کہ آپ یہ کیا پڑھ رہے تھے؟ فرمایا ”یہ قرآن ہے، اللہ کا کلام ہے“۔ کہا: ہم کو بھی پڑھاؤ۔ فرمایا اس کے لیے شرط یہ ہے کہ آپ غسل کر کے پاک کپڑے پہن کر آئیں۔ کپتان غسل کر کے پاک کپڑے پہن کر آیا قاری صاحب نے اسے کلمہ طیبہ ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ پڑھایا، پھر ”قل ھو اللہ احد“ پڑھائی، کپتان بہت خوش ہوا، چلتے پھرتے قل ھو اللہ احد پڑھتا تھا۔ دوسرے انگریزوں نے اس سے کہا کہ کیا تم مسلمان ہو گئے ہو؟ کہا نہیں ہم نے اپنے خلاصی سے یہ سبق سیکھا ہے۔ لوگوں نے کہا تم مسلمان ہو گئے ہو۔ کپتان قاری صاحب کے پاس آیا اور پوچھا کیا میں مسلمان ہو گیا ہوں؟ فرمایا تم تو کئی دن پہلے مسلمان ہو گئے ہو۔ کپتان یہ سن کر پہلے تو چونکا، پھر کہا اچھا ہم مسلمان ہو گئے ہیں تو مسلمان ہی رہیں گے۔ اس کے بعد اپنی بیوی سے کہا ہم مسلمان ہو گئے ہیں، اگر تم مسلمان ہونا چاہتی ہو تو ہمارے ساتھ رہو، ورنہ الگ ہو جاؤ۔ اس نے انکار کیا تو اس کو الگ کر دیا۔ جب جہاز جدّہ پہنچا اور قاری صاحب جہاز سے اترنے لگے تو کپتان نے استعفیٰ لکھ کر اپنے نائب کو دیا کہ اب تم میری جگہ کام کرو، حکومت کو میرا استعفیٰ بھیج دو، میں بھی مکہ جا رہا ہوں، حج کروں گا۔ پھر وہ قاری صاحب کے ساتھ ہو گیا اور مکہ پہنچ کر قاری صاحب کے ساتھ حج ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے قدم قدم پر قاری صاحب کی مدد کی اور یہ کپتان بھی ان کے ساتھ ساتھ آرام سے کھاتا پیتا رہا، دونوں مدینہ منورہ پہنچے۔

دوسرا واقعہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے کسی اخبار کے حوالہ سے بیان فرمایا تھا کہ امریکہ میں ایک فلم کمپنی کے مالک کو نماز کی فلم لینے کا شوق ہوا تو اس نے چند عرب لوگوں سے، جو امریکہ میں تھے، اپنا خیال ظاہر کیا اور کہا کہ آپ لوگوں میں سے جو خوش الحان مؤذن ہو اور خوش الحان قاری ہو اس کو لائیے اور دس پندرہ مقتدی بھی ساتھ ہوں، میں نماز کی فلم لوں گا۔ چناں چہ عشاء کے وقت یہ سب فلم کمپنی میں آئے۔ موذن نے اذان دی تو کمپنی کے مالک پر اس کا بڑا اثر ہوا۔ پھر نماز شروع ہوئی۔ قاری کی قرأت سن کر وہ زار زار رونے لگا۔ نماز ختم ہوئی تو فلم کمپنی کے مالک نے امام صاحب سے کہا مجھے مسلمان کر لو۔ انہوں نے غسل کرا کر اس کو کلمہ پڑھوایا اور مسلمان کر لیا۔ اس نے کہا آپ ایک دو گھڑی روزانہ مجھے قرآن اور تعلیمات اسلام کا سبق دے دیا کیجیے، آپ کی خدمت کروں گا۔ امام نے کہا اس کی ضرورت نہیں، یہ تو میرا اسلامی فرض ہے۔ کہا آپ اپنا فرائض ادا کریں، میں اپنا فرض ادا کروں گا۔

اس کے بعد فلم کمپنی بند کر دی یا فروخت کر دی، اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو گیا۔ دوستوں نے ٹیلی فون پر اس سے پوچھا کہ تم کو اسلام سے کیا ملا؟ بظاہر تو نقصان ہی ہوا کہ اتنا بڑا کاروبار چھوڑنا پڑا، جس سے لاکھوں کی آمدنی تھی۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے اسلام سے سکون قلب اور راحت قلب حاصل ہوئی، جو کسی چیز سے حاصل نہیں ہوتی تھی۔ میں نے پہلے کپڑے کی دکان کی جس میں بہت فائدہ ہوا، مگر سکون قلب حاصل نہ ہوا۔ پھر سائیکلوں اور موٹروں کا کاروبار کیا، اس میں بھی بہت آمدنی ہوئی مگر سکون قلب نصیب نہ ہوا پھر فلم کمپنی کھولی، اس سے بھی بہت آمدنی ہوئی، مگر سکون قلب نصیب نہ ہوا۔

اسلام قبول کر کے کلمہ پڑھا تو دل کو سکون اطمینان اور ٹھنڈک حاصل ہوئی، اب مجھے کسی کاروبار کی ضرورت نہیں، میرے پاس اتنی دولت ہے کہ میری اولاد سات پشتوں تک آرام کر سکتی ہے، اب جو دولت مجھے اسلام سے حاصل ہوئی ہے، میں اس میں ترقی کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت حکیم الامت نے یہ واقعہ بیان کر کے فرمایا کہ واللہ! کفار کے قلوب کو سکون اور اطمینان نصیب نہیں، گو ظاہر میں سامان راحت ہزار ہوں۔ یہ دولت صرف اسلام ہی سے حاصل ہوتی ہے۔

(باقی صفحہ نمبر 12 پر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں دنیا کی حقیقت

حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر نوّر اللہ مرقدہٗ

143۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ شِرَّةً وَّلِكُلِّ شِرَّةٍ فَتَرَةً فَاِنْ صَاحِبُهَا سَدَّدَ وَقَارَبَ فَارْجُوْهُ وَاِنْ اُشِيْرَ اِلَيْهِ بِالْاَصَابِعِ فَلَا تَعُدُّوْهُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر چیز میں حرص ونشاط ہے (یعنی زیادتی وانہماک) اور ہر زیادتی میں سستی ہے (یعنی ہر اس فعل میں جو زیادتی کے ساتھ کیا جائے سستی پیدا ہو جاتی ہے) پس اگر عمل کرنے والے نے میانہ روی سے کام لیا اور میانہ روی کے قریب رہا (یعنی افراط و تفریط سے بچا رہا) تو اس کے نجات پا جانے کی اُمید ہے (یعنی اس کی کامیابی کی اُمید ہے) اور اگر اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا گیا (یعنی مشہور ہونے کے لیے اس نے عبادت میں زیادتی اور مبالغہ کیا اور وہ مشہور ہو گیا) تو تم اس کو (صالح اور عابد) شمار نہ کرو۔

تشریح: شِرَّۃٌ میں ش پر زیر ہے اور را پر تشدید وزبر ہے جس کا ترجمہ حرص ورغبتِ شدیدہ ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بعض عابد شروع میں عبادت میں اس قدر مبالغہ اور انہماک کرتا ہے کہ کچھ ہی دن میں تھک کر سست ہو کر بیٹھ جاتا ہے پس یہ زیادتی سبب کمی ہی نہیں بلکہ سبب ترکِ عبادت کا بن جاتی ہے۔ اسی لیے دوسری حدیث میں وارد ہے: خَيْرُ الْعَمَلِ اَدْوَمُهٗ وَاِنْ قَلَّ سب سے بہتر وہ عمل ہے جو تھوڑا ہو مگر ہمیشہ ہوتا رہے۔ پس عبادت میں میانہ روی اور اعتدال رکھے تاکہ ہمیشہ اس عمل کا نباہ ہو سکے، اور بہت مبالغہ کرنے والا کچھ دن میں صراطِ مستقیم سے ہٹ جاتا ہے۔ اور بزرگوں کا تجربہ ہے کہ اعمال میں میانہ روی اور اعتدال اہل اللہ اور کاملین کی صحبت اور ان کی مجلس میں حاضری کی برکات سے حاصل ہوتا ہے اور استقامت کی نعمت اہل اللہ کے تعلق اور مصاحبت ہی سے عطا ہوتی ہے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ترجمہ: صادقین کے ساتھ رہو۔ مراد صادقین سے مشائخ وبزرگانِ دین ہیں۔

144۔ وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بِحَسْبِ امْرِئٍ مِّنَ الشَّرِّ اَنْ يُّشَارَ اِلَيْهِ بِالْاَصَابِعِ فِيْ دِيْنٍ اَوْ دُنْيَا اِلَّا مَنْ عَصَمَهُ اللّٰهُ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان کی بُرائی کے لیے اتنا کافی ہے کہ دین یا دنیا میں اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جائے مگر وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

تشریح: مشائخ نے فرمایا ہے: اٰخِرُ مَايَخْرُجُ مِنْ رَّاْسِ الصِّدِّيْقِيْنَ حُبُّ الْجَاهِ سب سے آخر میں صدیقین اولیائے کرام کے سر سے جو نکلتی ہے وہ حُبِّ جاہ ہے۔ پس گوشہ نشینی اور گم نامی ہر حالت میں مفید اور سلامتی کا راستہ ہے۔ اور یہ حدیث ان لوگوں کے لیے ہے جو مخلوق میں دنیا کے لیے حبِّ جاہ اور شہرت اور قبولیت کے طالب ہیں، اور جو محفوظ اور مقبول اور مخلص بندے ہیں وہ مستثنیٰ ہیں۔ چناں چہ اللہ ربّ العزت اپنے کلام میں فرماتے ہیں: وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا خاص بندوں کے لیے اس حالت کو بیان فرمایا۔ حضرت حکیم الاُمت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر یوں نقل فرمائی ہے کہ اے اللہ! ہمارے ازواج وذرّیات کو متقی بنا دیجیے تاکہ مجھے جو آپ نے ان کا امام اور بڑا بنایا ہے تو میں امام المتقین بنوں۔ نقل ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ تو لوگوں میں مشہور ہے یعنی انگشت نمائی تیری طرف ہوتی ہے تو فرمایا کہ اس حدیث سے مراد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہے کہ دین میں بدعتی ہو اور اس کی بدعت کے سبب انگشت نمائی اس کی طرف کی جاتی ہو یا دنیا میں فاسق ہو اس کے سبب ایسا ہو، اور جو دنیا میں غنی ہو اور مال داری کے ساتھ مشہور ہو لیکن فسق وفجور میں نہ پڑے اور دین میں سنت کے طریقے کی اتباع کرتا ہو وہ اس کلیہ میں داخل نہیں، وباللہ التوفیق۔ اور معلوم ہو کہ بدون طلبِ جاہ اور شہرت کے بعض اہل اللہ بہت مشہور ہو جاتے ہیں ان کے لیے یہ شہرت مضر نہیں بلکہ یہ شہرت دین کی اشاعت کے لیے مفید ہوتی ہے اور کثیر مخلوق ان سے فیض حاصل کرتی ہے اور ایسے مخلص بندے حق تعالیٰ کی خاص حفاظت میں ہوتے ہیں اور یہ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (الآیۃ) کا ظہور ہوتا ہے۔ ترجمہ: اللہ تعالیٰ عن قریب ان کے لیے (صالحین کے لیے) محبت پیدا فرماویں گے۔ یہ شہرت من جانب اللہ ہوتی ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے

میں تو نام و نشاں مٹا بیٹھا
میرا شہرہ اُڑا دیا کس نے

ایسی شہرت مضر نہیں۔

فصل سوم

145۔ وَعَنْ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ اَنَّهٗ خَرَجَ يَوْمًا اِلٰى مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ مُعَاذَ ابْنَ جَبَلٍ قَاعِدًا عِنْدَ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْكِيْ فَقَالَ مَايُبْكِيْكَ؟ قَالَ يُبْكِيْنِيْ شَيْءٌ سَمِعْتُهٗ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: اِنَّ يَسِيْرَ الرِّيَاءِ شِرْكٌ وَمَنْ عَادٰى لِلّٰهِ وَلِيًّا فَقَدْ بَارَزَ اللّٰهَ بِالْمُحَارَبَةِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْاَبْرَارَ الْاَتْقِيَاءَ الْاَخْفِيَاءَ الَّذِيْنَ اِذَا غَابُوْا لَمْ يُتَفَقَّدُوْا وَاِنْ حَضَرُوْا لَمْ يُدْعَوْا وَلَمْ يُقَرَّبُوْا قُلُوْبُهُمْ مَصَابِيْحُ الْهُدٰى يَخْرُجُوْنَ مِنْ كُلِّ غَبْرَاءَ مُظْلِمَةٍ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک روز مسجدِ نبوی کی طرف گئے تو دیکھا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس بیٹھے ہوئے رو

رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: معاذ! کون سی چیز تم کو رُلا رہی ہے؟ معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: مجھ کو وہ بات رلا رہی ہے جس کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ تھوڑی سی ریا بھی شرک ہے اور یہ کہ جو شخص اللہ کے دوست سے دشمنی رکھے (یعنی اپنے قول وفعل سے اس کو اذیت پہنچائے) اس نے گویا اللہ سے جنگ کی اور مقابلہ کیا (اور جو شخص اللہ سے مقابلہ کرے گا تباہ ورسوا ہوگا)۔ اللہ نیکوکاروں، پرہیزگاروں اور ان مخفی حال کے (گم نام) لوگوں کو پسند کرتا ہے کہ جب وہ نظروں سے غائب ہوں تو ان کو پوچھا نہ جائے اور جب موجود ہوں تو ان کو بلایا نہ جائے اور (بلایا جائے تو) پاس نہ بٹھایا جائے ان لوگوں کے دل چراغِ ہدایت ہیں (کہ اس کے نور سے راہِ راست پائی جاتی ہے) اور یہ لوگ ہر تاریک زمین سے ظاہر وپیدا ہوتے ہیں۔

تشریح: ”شرک ہے“ سے مراد شرکِ عظیم ہے یا ایک نوعِ شرک سے ہے یعنی وہ نہایت پوشیدہ ہے اور بہت کم لوگ اس سے سالم رہتے ہیں یعنی اقویا بھی چہ جائیکہ ضعفا، پس یہ من جملہ اسبابِ کبریہ سے ہے۔ اور سببِ کبریہ دوسرا اولیا کو ایذا دینا ہے، اور اکثر اولیا پوشیدہ ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اَوْلِیَائِیْ تَحْتَ اَقْبَائِیْ لَایَعْرِفُھُمْ غَیْرِیْ: اولیا میرے عرش کے صحن کے درمیان ہیں ان کو میرے علاوہ نہیں پہچانتے ہیں دوسرے۔ اور انسان بدزبانی سے خالی نہیں۔ تو ہوسکتا ہے کہ بدون ارادہ بعض اولیا کی شان میں گستاخی ہوئی ہو اور ان کو اذیت ہوئی ہو اور مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا کا وبال آپڑے، اور بزرگوں نے فرمایا ہے کہ دین دار وہ ہے جو حق تعالیٰ کے احکام کی عظمت کو پہچانے اور خلقِ خدا پر شفقت کرے اور شرکِ جلی وخفی اور تمام ممنوعات سے پرہیز کرے۔ بعض مقبول بندے ایسے پوشیدہ ہیں کہ وہ پریشان بال وحال ہیں، روایت ہے: رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ لَایُعْبَأُ بِہٖ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ؛ بعضے بندے پراگندہ بال غبار آلود ہیں اور لوگ ان کی پروا بھی نہیں کرتے (یعنی مخلوق میں بے قدر ومنزلت ہوتے ہیں مگر وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسے درجے کے مقبول ہوتے ہیں کہ) اگر وہ قسم کھالیں کسی بات پر تو اللہ تعالیٰ اس کو سچا کردیتے ہیں۔

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر
تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

ترجمہ: دنیا کے خاکساروں کو حقارت کی نظر سے مت دیکھو تجھے کیا خبر کہ اس گرد وغبار میں دُرِّ شہسوار پوشیدہ ہو۔ ان کو چراغِ ہدایت فرما کر اس حدیث سے یہ بتادیا گیا کہ خالی خاکساری اور فقیری اور خواری بے اختیاری میں یہ فضیلت نہیں جب تک کہ تقویٰ اور نورانیت باطن میں نہ ہو۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: اِنْ اَوْلِیَآؤُہٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ اور نہیں ہیں ولی اس کے مگر پرہیزگار بندے۔ پس غیر متقی ہرگز ولی نہیں ہوسکتا۔

146۔وَعَنْ شَدَّادِ ابْنِ اَوْسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: مَنْ صَلّٰی یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ وَمَنْ صَامَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ وَمَنْ تَصَدَّقَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ۔ رَوَاہُ اَحْمَدُ

ترجمہ: شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ جس نے نماز پڑھی دکھانے کے لیے اس نے شرک کیا اور جس نے روزہ رکھا دکھانے کے لیے اس نے شرک کیا اور جس نے خیرات کی دکھانے کے لیے اس نے شرک کیا۔

تشریح: یعنی جو عمل دکھانے کے لیے کیا جاوے وہ شرکِ خفی ہے، اور شرکِ جلی بت پرستی کرنا ہے۔ مشائخ سے منقول ہے: مَا مَنَعَکَ مِنَ اللّٰہِ فَھُوَ وَثَنُکَ جو چیز تجھ کو روک دے اللہ سے (یعنی اللہ کی اطاعت سے) وہ تیرا بت ہے۔

147۔ وَعَنْ مُعَاذِ ابْنِ جَبَلٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: یَکُوْنُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ اَقْوَامٌ اِخْوَانُ الْعَلَانِیَۃِ اَعْدَاءُ السَّرِیْرَۃِ، فَقِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! وَکَیْفَ یَکُوْنُ ذٰلِکَ؟ قَالَ: ذٰلِکَ بِرَغْبَۃِ بَعْضِھِمْ اِلٰی بَعْضٍ وَّرَھْبَۃِ بَعْضِھِمْ مِّنْ بَعْضٍ۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخری زمانے میں چند قومیں ایسی پیدا ہوں گی جو ظاہر میں دوست ہوں گی لیکن باطن میں دشمن۔ پوچھا گیا: یارسول اللہ! یہ کیوں کر ہوگا؟ فرمایا: یہ اس طرح ہوگا کہ ان میں سے بعض بعض سے غرض ولالچ رکھیں گے اور بعض بعض سے خوفزدہ ہوں گے۔

تشریح: یعنی اغراضِ دنیویہ کے سبب دوستی رکھیں گے، جب غرض نہ ہوگی بیگانہ ہوں گے اور غرض متوقع نہ پوری ہونے سے دشمن ہوجاویں گے۔ خلاصہ یہ کہ نہ ان کی محبت اللہ کے لیے ہوگی نہ ان کا بغض اللہ کے لیے ہوگا۔ پس اس زمانے میں نہ مخلوق کی محبت کا اعتبار ہوگا نہ مخلوق کی عداوت کا اعتبار ہوگا کیوں کہ ان کی محبت وعداوت کا تعلق اغراضِ فاسدہ اور مقاصدِ کاسدہ سے ہوگا۔

148۔وَعَنْ شَدَّادِ ابْنِ اَوْسٍ اَنَّہٗ بَکٰی فَقِیْلَ لَہٗ مَا یُبْکِیْکَ؟ قَالَ شَیْءٌ سَمِعْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فَذَکَرْتُہٗ فَاَبْکَانِیْ، سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: اَتَخَوَّفُ عَلٰی اُمَّتِی الشِّرْکَ وَالشَّھْوَۃَ الْخَفِیَّۃَ. قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اَتُشْرِکُ اُمَّتُکَ مِنْ بَعْدِکَ؟ قَالَ: نَعَمْ! اَمَا اِنَّھُمْ لَا یَعْبُدُوْنَ شَمْسًا وَّلَا قَمَرًا وَّلَا حَجَرًا وَّلَا وَثَنًا وَّلٰکِنْ یُّرَاءُوْنَ بِاَعْمَالِھِمْ، وَالشَّھْوَۃُ الْخَفِیَّۃُ اَنْ یُّصْبِحَ اَحَدُھُمْ صَائِمًا فَتَعْرِضُ لَہٗ شَھْوَۃٌ مِّنْ شَھَوَاتِہٖ فَیَتْرُکَ صَوْمَہٗ۔ رَوَاہُ اَحْمَدُ

ترجمہ: حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک روز) وہ روئے۔ پوچھا گیا: کیوں روتے ہو؟ انہوں نے کہا: مجھے اس بات نے رلایا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ میں اپنی اُمت پر شرکِ مخفی اور مخفی خواہشات سے ڈرتا ہوں۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ کی اُمت آپ کے بعد شرک کرے گی؟ فرمایا: ہاں، خبردار! میری اُمت سورج کو نہ پوجے گی، چاند کی عبادت نہ کرے گی، پتھر کی پرستش نہ کرے گی اور نہ بتوں کے آگے سجدہ کرے گی لیکن اپنے اعمالِ خیر لوگوں کو دکھائے گی۔ اور مخفی شہوت یہ ہے کہ مثلاً ان میں سے کوئی شخص

صبح کو روزہ دار اٹھے گا پھر کوئی خواہش نفسانی خواہشات میں سے پیش آئے گی (مثلاً کھانے پینے کی خواہش یا جماع کی خواہش) اور وہ روزے کو توڑ دے گا۔

تشریح: کسی نیک عمل کو دکھانے کے لیے کرنا شرکِ خفی کہلاتا ہے، اور یہ ارشاد کہ روزے کو توڑ دے گا یعنی لَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ کا لحاظ نہ کرے گا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: لَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ اور نہ باطل کرو اپنے اعمال کو۔

149۔ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَتَذَاكَرُ الْمَسِیْحَ الدَّجَّالَ فَقَالَ: اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِمَا هُوَ اَخْوَفُ عَلَیْكُمْ عِنْدِیْ مِنَ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ؟ فَقُلْنَا بَلٰى یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ اَلشِّرْكُ الْخَفِیُّ اَنْ یَّقُوْمَ الرَّجُلُ فَیُصَلِّیْ فَیَزِیْدُ صَلٰوتَهٗ لِمَا یَرٰی مِنْ نَّظَرِ رَجُلٍ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ

ترجمہ: حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم مسیح دجال کا ذکر کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور فرمایا: خبر دار! کیا تم کو میں ایک اور بات نہ بتلاؤں جو میرے نزدیک تمہارے لیے مسیح دجال سے زیادہ خطرناک ہے؟ ہم نے کہا: ہاں! خبر دیجیے یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (وہ خطرناک چیز) شرکِ خفی ہے، اور شرکِ خفی یہ ہے کہ مثلاً آدمی نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے اور نماز پڑھتا ہے اور زیادتی کرتا ہے نماز میں (یعنی لمبے چوڑے ارکان ادا کرتا ہے) محض اس لیے کہ کوئی شخص اس کو نماز پڑھتے دیکھ رہا ہے۔

تشریح: دجال سے ریا کا خطرہ زیادہ معلوم ہوتا ہے کیوں کہ دجال کے جھوٹے ہونے کی علامات ظاہر ہوں گی اور مقدمۂ ریا دل میں پوشیدہ ہوتا ہے۔

کلیدِ درِ دوزخ است آں نماز
کہ در چشمِ مردم گزاری دراز

ترجمہ: وہ نماز دوزخ کی کنجی ہے جو لوگوں کو دکھانے کے لیے لمبی چوڑی پڑھی جائے۔

150۔ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ اَنَّ رَجُلًا عَمِلَ عَمَلًا فِیْ صَخْرَةٍ لَّا بَابَ لَهَا وَلَا كُوَّةَ خَرَجَ عَمَلُهٗ اِلَى النَّاسِ كَائِنًا مَّا كَانَ

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کوئی شخص کسی ایسے بڑے پتھر کے اندر کوئی عمل کرے جس میں نہ تو دروازہ ہو اور نہ کوئی روشن دان، اس کے عمل کی خبر لوگوں کو ہو جائے گی خواہ وہ عمل کسی قسم کا ہو۔

تشریح: مراد یہ ہے کہ اگر کوئی مخلص بندہ اپنے اخلاص کے سبب اپنے نیک اعمال کو بہت ہی مبالغہ کے ساتھ پوشیدہ کرے اور ایسی جگہ چھپ کر ذکر و نوافل ادا کرے جہاں سے مخلوق کو پتا چلنا نہایت مشکل ہو تب بھی حق تعالیٰ اس کے اعمالِ صالحہ کی اطلاع مخلوق تک پہنچا دیں گے یعنی بندے کو خود اپنے اعمال کے اظہار کی حاجت نہیں اور دکھانے کی نیت سے اعمال کو ضائع کرنے اور ثواب سے خود کو محروم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں جب کہ اخلاص کے ساتھ صرف رضائے حق کے لیے عبادت کرنے کی خوشبو کو خود حق تعالیٰ پھیلا دیتے ہیں۔ پس بندے کو چاہیے کہ اپنے مولیٰ کی رضا کے لیے اپنے اعمالِ صالحہ وطاعات کو مخفی کرنے میں کامل احتیاط سے کام لے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا قول حضرت حکیم الاُمت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا ہے کہ جس طرح مخلوق کو دکھانے کے لیے نیکی اور عبادت کرنا ریا ہے اسی طرح مخلوق کے خوف سے یعنی ریا کے خوف سے ترکِ عبادت بھی ریا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ مخلوق کو نظر سے ہٹا دے اور عظمت و کبریائی حق تعالیٰ کی سامنے رکھے جیسا کہ آفتاب کے ہوتے ستارے نظر نہیں آتے۔ مگر یہ مقام منتہی اور کامل کا ہے۔ مبتدی کے لیے طاعات و معمولاتِ نافلہ کا اخفا ہی مناسب بلکہ ضروری ہے۔ اور بعضے جاہل صوفیا جو جماعت سے مسجد میں نماز نہیں ادا کرتے اور ریا کا خوف ظاہر کر کے فرائض بھی گھروں میں ادا کرتے ہیں تو یہ ان کی سخت نادانی اور جہالت ہے۔ صرف نوافل اور طاعاتِ نافلہ کے لیے یہ حکم سمجھے۔ حدیث ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جس شخص کے اندر کوئی اچھی یا بُری خصلت چھپی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ایک علامت اس سے ظاہر فرماتے ہیں جس کے سبب وہ صورت سے پہچان لیا جاتا ہے۔

151۔ وَعَنْ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنَّمَا اَخَافُ عَلٰى هٰذِهِ الْاُمَّةِ كُلَّ مُنَافِقٍ یَّتَكَلَّمُ بِالْحِكْمَةِ وَیَعْمَلُ بِالْجَوْرِ۔ رَوَى الْبَیْهَقِیُّ الْاَحَادِیْثَ الثَّلَاثَةَ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا: میں اس اُمت پر (یعنی اپنی اُمت پر) ہر منافق کے شر سے ڈرتا ہوں جو علم و حکمت کی تو باتیں کرتا ہے اور ظلم کے کام کرتا ہے۔

تشریح: یعنی وعظ کہتا ہے لوگوں کو معتقد بنا کر ان سے دنیا کا کوئی فائدہ حاصل کرنے کے لیے اور خود اس پر عمل نہیں کرتا کہ اس کا دل تقویٰ کے نور سے خالی ہوتا ہے اور یہی صفت منافقوں کی ہے۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کے وجود سے اپنی اُمت پر خوف فرمایا۔ اللہ تعالیٰ جملہ خدامِ دین کی اس فتنے سے حفاظت فرمائیں، آمین۔ اور سب کے صدقہ میں اس عبدِ ناکارہ کی حفاظت فرمائیں، آمین۔

152۔ وَعَنِ الْمُهَاجِرِ ابْنِ حَبِیْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنِّیْ لَسْتُ كُلَّ كَلَامِ الْحَكِیْمِ اَتَقَبَّلُ وَلٰكِنِّیْ اَتَقَبَّلُ هَمَّهٗ وَهَوَاهُ فَاِنْ كَانَ هَمُّهٗ وَهَوَاهُ فِیْ طَاعَتِیْ جَعَلْتُ صَمْتَهٗ حَمْدًا لِّیْ وَوَقَارًا وَّاِنْ لَّمْ یَتَكَلَّمْ

ترجمہ: حضرت مہاجر بن حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں حکیم کے ہر کلام کو قبول نہیں کر لیتا لیکن میں اس کے ارادہ اور نیت کو قبول کرتا ہوں۔ اگر اس کی نیت اور محبت میری اطاعت میں ہے تو میں اس کی خاموشی کو اپنی تعریف قرار دیتا ہوں اور وقار، اگرچہ وہ کلام نہ کرے۔

تشریح: یعنی اگر کلام کرے دین کا اور نیت دنیا ہو تو وہ دنیا ہی ہے اور اگر خاموشی اختیار کرے اللہ تعالیٰ کی محبت و اطاعت کے لیے تو وہ خاموشی محمود اور حمد و ثنا کے رتبے میں مقبول ہے اور مایۂ وقارِ علم کا ہے۔ اسی سبب سے مشائخ سے منقول ہے کہ اللہ والوں کی خاموشی بھی ہادی ہے،

جس طرح سے ان کا نطق درجۂ قال سے ہادی ہے ان کا سکوت بھی درجۂ حال سے ہادی ہے ۔
مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

خامش اند و نعرۂ تکرارِ شاں
می رود تا یار و تختِ یار شاں

ترجمہ: اولیاء اللہ خاموش بھی ہوتے ہیں اس وقت بھی ان کے باطن سے حق تعالیٰ تک مناجاتِ خاصہ و فریادِ خاص کا رابطہ قائم رہتا ہے۔

رونے اور ڈرنے کا بیان

فصلِ اوّل

153۔عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَبَكَیْتُمْ كَثِیْرًا وَّلَضَحِكْتُمْ قَلِیْلًا۔ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر تم اس چیز کو جان لو جس کو میں جانتا ہوں تو تم زیادہ روؤ اور بہت کم ہنسو۔

تشریح: اس حدیث میں تنبیہ فرمائی گئی ہے اُمت کو کہ جاہلوں اور غافلوں کے طریقۂ حیات سے اجتناب کرے یعنی زیادہ ہنسنے اور زیادہ راحت و عیش سے زندگی کو بچائے اور اُمید پر خوف کو غالب رکھے مگر بڑھاپے میں خوف پر اُمید کو غالب رکھے بالخصوص دنیا سے رخصت ہونے کے قریب ایام میں عفو و رحمت کا مراقبہ زیادہ رکھے۔

154۔ وَعَنْ اُمِّ الْعَلَاءِ الْاَنْصَارِیَّةِ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: وَاللّٰهِ لَا اَدْرِیْ وَاللّٰهِ لَا اَدْرِیْ وَاَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ

ترجمہ: حضرت ام العلاء انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اگرچہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں لیکن اللہ کی قسم! یہ نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا (معاملہ) کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا (معاملہ کیا جائے گا)۔

تشریح: یہ حدیث اس وقت وارد ہوئی جب حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا جو کبائر مہاجرین صحابہ میں سے تھے، انتقال ہوا اور جنّت البقیع میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی موت کے بعد ان کی پیشانی کا بوسہ دیا اور آنسو بہائے اور بہت عنایات فرمائیں۔ ایک عورت نے، جو وہاں حاضر تھی کہا کہ اے ابنِ مظعون! بہشت تجھ کو مبارک ہو کہ عاقبت تیری بخیر ہے۔ پس آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو زجر و تنبیہ فرمائی کہ غیب کے فیصلوں پر ایسے یقین کے ساتھ دعویٰ کرنا اور پھر رُو برو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ایسی جرأت سے بولنا بے ادبی اور نادانی ہے۔ اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے متعلق یہ فرمانا کہ میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہو گا یہ دراصل آپ کا غلبۂ استحضارِ عظمت و کبریائی حق سے راہِ ادب اختیار کرنا ہے اور حقیقت کلام کی مراد نہیں، یا یہ مراد ہو کہ عاقبت کا حال تفصیل کے ساتھ معلوم نہیں اگرچہ مجملاً آپ کو علم تھا کہ عاقبت جملہ انبیا علیہم السلام کی بخیر ہے، یا مراد یہ ہو کہ میں نہیں جانتا موت سے مروں گا یا قتل سے، اور نہیں جانتا میں کہ تم پر اگلی اُمتوں کی طرح سے عذاب نازل ہو گا یا نہیں۔ اور حق یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اس آیت کے نزول سے قبل ہے: لِیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ اس آیت کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین ہوا کہ عاقبت بخیر ہے۔ كَذَا قِیْلَ.

155۔ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: عُرِضَتْ عَلَیَّ النَّارُ فَرَاَیْتُ فِیْهَا امْرَاَةً مِّنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ تُعَذَّبُ فِیْ هِرَّةٍ لَهَا رَبَطَتْهَا فَلَمْ تُطْعِمْهَا وَلَمْ تَدَعْهَا تَاْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْاَرْضِ حَتّٰى مَاتَتْ جُوْعًا وَّرَاَیْتُ عَمْرَو ابْنَ عَامِرِنِ الْخُزَاعِیَّ یَجُرُّ قُصْبَهٗ فِی النَّارِ وَكَانَ اَوَّلَ مَنْ سَیَّبَ السَّوَائِبَ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پیش کی گئی میرے سامنے دوزخ کی آگ (یعنی شب معراج میں یا خواب میں یا بیداری میں) میں نے اس میں بنی اسرائیل کی ایک عورت کو دیکھا جس کو ایک بلی کے معاملے میں عذاب کیا جارہا ہے جس کو اس نے باندھ کر رکھا تھا؛ نہ تو وہ اس کو کھانے کو دیتی تھی اور نہ اس کی رسی کھولتی تھی کہ وہ حشرات الارض میں سے (چل پھر کر) کچھ کھالے یہاں تک کہ وہ بلی بھوک سے مر گئی، اور میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو دیکھا جو اپنی آنتوں کو دوزخ کی آگ میں کھینچ رہا تھا اور یہ سب سے پہلا شخص تھا جس نے سانڈ چھوڑنے کی رسم نکالی تھی۔

تشریح: پہلے زمانۂ جاہلیت میں رواج تھا کہ جو اونٹنی ہمیشہ مادّہ جنتی یا کوئی مسافر دور دراز سے آتا یا کوئی بیمار شفا پاتا تو اونٹنی آزاد کرتے اور اس کو چھوڑ دیتے، اس پر سواری نہ کرتے، جہاں سے وہ چاہتی چرتی، پانی پیتی اور اس عمل کو بت کے تقرب کا ذریعہ سمجھا جاتا۔ اس رسم کی ابتدا کرنے والا اور بنیاد رکھنے والا یہی عمرو بن عامر خزاعی ہے۔ اور علما نے لکھا ہے کہ بتوں کی پرستش کی ایجاد کرنے والا بھی یہی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض آدمی ابھی سے دوزخ میں ہیں۔ اور بعض علما نے کہا ہے کہ قیامت کے دن جو اس پر ہونے والا ہے وہ حالت آپ پر منکشف کی گئی اور صورت اس کی دکھادی گئی۔ واللہ اعلم۔

156۔ وَعَنْ اَبِیْ عَامِرٍ اَوْ اَبِیْ مَالِكِنِ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: لَیَكُوْنَنَّ مِنْ اُمَّتِیْ اَقْوَامٌ یَّسْتَحِلُّوْنَ الْخَزَّ وَالْحَرِیْرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ وَلَیَنْزِلَنَّ اَقْوَامٌ اِلٰى جَنْبِ عَلَمٍ یَّرُوْحُ عَلَیْهِمْ بِسَارِحَةٍ لَّهُمْ یَاتِیْهِمْ رَجُلٌ لِّحَاجَةٍ فَیَقُوْلُوْنَ ارْجِعْ اِلَیْنَا غَدًا فَیُبَیِّتُهُمُ اللّٰهُ وَیَضَعُ الْعَلَمَ وَیَمْسَخُ اٰخَرِیْنَ قِرَدَةً وَّخَنَازِیْرَ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ۔

ترجمہ: حضرت ابو عامر یا ابو مالک اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ میری اُمت میں کچھ قومیں ایسی ہوں گی جو خز اور ریشم کو اور شراب کو اور باجوں کو حلال و جائز کر لیں گی اور ان میں سے کچھ قومیں اونچے پہاڑوں کے پہلو میں قیام اختیار کریں گی یعنی ان کی جائے قیام مشہور اور نمایاں جگہ ہو گی کہ گدا اور محتاج سب ان کو دیکھنے آئیں گے اور حاجتیں طلب کریں گے۔ رات کے وقت ان کے مویشی (جو چرنے کو گئے تھے) واپس آئیں گے (پیٹ بھرے ہوئے اور تھنوں میں دودھ بھرا ہوا) اور

ایک سائل ان کے پاس حاجت کے سبب آئے گا (تاکہ مویشی کے دودھ سے محظوظ ہو) وہ اس سے کہہ دیں گے کہ کل ہمارے پاس آنا، پھر رات ہی کو اللہ تعالیٰ ان پر اپنا عذاب نازل فرمائے گا اور پہاڑ کو ان کے بعض آدمیوں پر گرا دے گا اور بعض کی صورتوں کو مسخ کر دے گا اور بندر اور سؤر بنادے گا جو قیامت تک اسی شکل وصورت میں رہیں گے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خسف اور مسخ کا عذاب اس اُمت پر بھی ہو گا جیسا کہ اگلی اُمتوں پر ہوا۔ پس حدیثوں میں جو اس کی نفی آتی ہے وہ یا تو محمول ہے اس معنیٰ پر کہ اس اُمت کے اوّل زمانہ میں ایسا نہ ہو گا، اور یا محمول ہے کہ تمام اُمت پر خسف و مسخ نہ ہو گا پس بعض پر ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

157۔وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِذَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ عَذَابًا اَصَابَ الْعَذَابُ مَنْ كَانَ فِيْهِمْ ثُمَّ بُعِثُوْا عَلٰى اَعْمَالِهِمْ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جب کسی قوم پر عذاب نازل فرماتا ہے تو یہ عذاب ہر اس شخص کو گھیر لیتا ہے جو اس قوم میں ہوتا ہے (یعنی صالح اور غیر صالح) پھر (آخرت میں) لوگوں کو مع ان کے اعمال کے اٹھایا جائے گا۔

تشریح: یعنی دُنیا میں عذاب کے اندر نیک اور بُرے سب شامل ہوں گے لیکن آخرت میں ہر ایک اپنے عمل کے موافق جزا دیا جاوے گا، اگر نیک ہے اچھا بدلہ دیا جاوے گا اور بُرا ہے تو بُرا بدلہ پائے گا۔

158۔ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُبْعَثُ كُلُّ عَبْدٍ عَلٰى مَا مَاتَ عَلَيْهِ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ہر بندہ اس حال میں اُٹھایا جائے گا جس حال پر کہ وہ مرا ہے۔

تشریح: یعنی ایمان پر یا کفر پر، طاعت پر یا معصیت پر، ذکر پر یا غفلت پر جس حالت میں مرے گا اسی حالت میں قیامت کے دن اُٹھایا جاوے گا۔ پس اعتبار خاتمہ کا ہے کہ دیکھیے آخری حالت کس کی کیا ہوتی ہے۔ اسی سبب سے حق تعالیٰ کے مقبول بندے یعنی اولیائے کرام اپنے خاتمہ کے خوف سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں اور جاہل فقیر اور وہ اہلِ علم جو اہل اللہ کی محبت سے خود بینی کے سبب دور رہتے ہیں وہ دعویٰ اور پندار اور تکبر کی باتیں کرنے میں دلیر ہوتے ہیں۔ حق تعالیٰ اس بیماری سے اُمتِ مسلمہ کی حفاظت فرمائیں۔ آمین۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

ایماں چو سلامت بہ لبِ گور بریم
احسنت بریں چستی و چالاکی ما

ترجمہ: جب ایمان کو سلامتی کے ساتھ ہم قبر میں لے جائیں گے تو اس وقت ہم اپنی موجودہ چالاکی اور چستی پر تحسین و تعریف کریں گے۔ کیوں کہ اعتبار خاتمہ کا ہے اور ابھی اس کا علم ہم کو نہیں۔

فصلِ دوم

159۔عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا رَاَيْتُ مِثْلَ النَّارِ نَامَ هَارِبُهَا وَلَا مِثْلَ الْجَنَّةِ نَامَ طَالِبُهَا۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے دوزخ کی آگ کی مانند نہیں دیکھا (یعنی ایسی شدید وہولناک چیز نہیں دیکھی) کہ اس سے بھاگنے والا سوتا ہے اور جنّت کی مانند نہیں دیکھا کہ اس کا طلب کرنے والا سوتا ہے۔

تشریح: یعنی دوزخ کے عذاب سے جیسا کہ بھاگنا چاہیے اس طرح لوگوں کا عمل نہیں بلکہ بھاگنے کے بجائے سوتے ہیں۔ اور دوزخ سے بھاگنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے کو گناہوں سے بچایا جاوے اور نیک اعمال میں سستی نہ کرے۔ اسی طرح جنّت کی نعمتوں کی طرف جس طرح رغبت کے ساتھ دوڑنا چاہیے اس طرح عمل نہیں بلکہ دوڑنے کے بجائے سوتا ہے۔ اور جنّت کی طرف بھاگنے کا مطلب یہ ہے کہ نیک اعمال کا اہتمام کیا جاوے اور گناہوں سے بچا جاوے۔

160۔وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنِّيْ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُوْنَ اَطَّتِ السَّمَاءُ وَحُقَّ لَهَا اَنْ تَأَطَّ، وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا فِيْهَا مَوْضِعُ اَرْبَعِ اَصَابِعَ اِلَّا وَمَلَكٌ وَّاضِعٌ جَبْهَتَهٗ سَاجِدًا لِلّٰهِ وَاللّٰهِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَّلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا وَّمَا تَلَذَّذْتُمْ بِالنِّسَاءِ عَلَى الْفُرُشَاتِ وَلَخَرَجْتُمْ اِلَى الصُّعُدَاتِ تَجْاَرُوْنَ اِلَى اللّٰهِ، قَالَ اَبُوْ ذَرٍّ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ شَجَرَةً تُعْضَدُ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ

ترجمہ: حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں جس چیز کو دیکھتا ہوں تم نہیں دیکھتے (یعنی علاماتِ قیامت اور حق تعالیٰ کی صفاتِ قہریہ) اور جس بات کو میں سنتا ہوں تم نہیں سنتے (یعنی احوالِ آخرت کے اسرار اور قیامت کی ہولناکیاں اور عذابِ دوزخ کی شدت)، آسمان آواز بلند کرتا ہے اور اس کو آواز کرنے کا حق ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! آسمان میں چار انگشت جگہ بھی ایسی نہیں جہاں فرشتے اللہ تعالیٰ کے لیے اپنا سر رکھے سجدہ میں نہ پڑے ہوں۔ اگر تم کو اس بات کا علم ہو جائے جس کو میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنسو اور زیادہ روؤ اور نہ عورتوں سے بستروں پر لذت حاصل کرو اور جنگلوں کی طرف اللہ تعالیٰ سے نالہ وفریاد کرتے ہوئے نکل جاؤ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد غلبۂ خوف سے فرمایا: کاش! میں کوئی درخت ہوتا جس کو کاٹ ڈالا جاتا۔

تشریح: بعض فرشتے قیام میں ہیں اور بعض رکوع میں ہیں بعض سجدہ میں ہیں۔ اور اس حدیث میں صرف سجدہ کا تذکرہ ہے تو ممکن ہے کہ یہ صورت ایک آسمان کے ساتھ ہو۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول کہ کاش میں درخت ہوتا اسی طرح کے اقوال اور بھی اکابر اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کاش میں بکری ہوتا اور ذبح کر کے مجھے کھا جاتے، دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا کاش کہ میں پرندہ ہوتا جہاں چاہتا چلا جاتا اور کچھ احکامِ شریعت اس پر نہیں۔ اور یہ حضرات وہ ہیں جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بشارت جنّت کی دی گئی تھی پھر اوروں کو کیا کہیے۔ اگرچہ وعدہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، لیکن خوفِ درگاہِ بے نیازی کمر توڑے ڈالتا ہے۔ آسمان آواز بلند کرتا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ اژدہام و ہجوم ملائکہ سے آسمان چرچر بولتا ہے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

بقیہ: دل کے چین کے تین قصے

اس ارشاد کی وضاحت میں یہ واقعہ سنایا کہ ہمارے قصبہ میں حاجی عبد الرحیم نومسلم موجود ہیں، وہ کہتے تھے کہ جب ہم نے سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا تو ہندوؤں سے چھپ کر نمازیں پڑھتے تھے، ابھی ہم نے اپنا اسلام ظاہر نہیں کیا تھا، صرف استاد کو علم تھا، جن سے ہم اردو فارسی پڑھتے تھے۔ انہی کے ہاتھ پر اسلام لائے تھے، وہ کہتے تھے کہ ان نمازوں کی کیفیت اور حلاوت کو نہ پوچھو، جو ہم چھپ کر پڑھتے تھے۔ پھر فرمایا ایک دفعہ میں سہارنپور سے لکھنؤ کا ارادہ کر کے ریل میں سوار ہوا۔ مجھے دیکھ کر منشی حبیب احمد تھانوی بھی میرے ڈبے میں آ گئے۔ جب ریل چھوٹ گئی (چل پڑی) تو باتیں کرنے لگے۔ میں نے پوچھا آپ کہاں جا رہے ہیں؟ کہا میرٹھ جا رہا ہوں۔ میں نے کہا ممکن ہے آپ میرٹھ پہنچ جائیں، لیکن یہ ریل گاڑی لکھنؤ جا رہی ہے۔ میرا ٹکٹ لکھنؤ کا ہے۔ یہ سن کر وہ بڑے پریشان ہوئے، میں نے کہا اب پریشانی بے کار ہے، یہ گاڑی رڑکی سے پہلے نہیں ٹھہرے گی، اطمینان سے باتیں کرو، جب گاڑی رکے گی تو اتر جانا اور دوسری ٹرین سے میرٹھ چلے جانا، مگر میں نے دیکھا کہ ان کی پریشانی کم نہ ہوئی، بڑھتی ہی جاتی تھی۔ اس وقت میں نے سوچا کہ میرا اطمینان و سکون اور ان کی پریشانی کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں سیدھے راستہ پر تھا اور وہ غلط راستہ پر تھے۔ مسلمان کے دل کو سکون اور اطمینان اسی واسطے ہوتا ہے کہ وہ جانتا ہے سیدھے راستہ پر ہوں، کبھی نہ کبھی منزل مقصود (یعنی جنت) پر پہنچ جاؤں گا۔ کفار کو سیدھے راستہ پر ہونے کا یقین نہیں، اس لیے ان کو اطمینان و سکون راحت قلب نہیں، گو ظاہر میں کیسا ہی سامان راحت جمع کر لیں۔

★★★★★

بقیہ: امیر المومنین کی ہدایات

کرنا ہے وہ تم لوگ اپنی خواہش سے منتخب کرو۔ سب مسلمانوں نے ایک آواز میں کہا: ہم نے خلافت کے لیے آپ کو منتخب کیا ہے اور ہم سب کو آپ کی خلافت پسند ہے۔

جب لوگوں کے نعرے ختم ہو گئے تو آپؓ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اے لوگو! میں تمہیں تقویٰ کی نصیحت کرتا ہوں۔ تقویٰ ہر چیز کا متبادل ہے، لیکن کوئی چیز تقویٰ کا متبادل نہیں۔ موت کو زیادہ یاد رکھا کرو، کیونکہ موت کی یاد لذتوں کو بھلا دیتی ہے۔ اس سے پہلے کہ موت آگھیرے اس کی تیاری کرو۔ یہ امت نہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں اختلاف کرتی ہے، نہ پیغمبر کے بارے میں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بارے میں، بلکہ یہ امت جس چیز میں اختلاف کا شکار ہے وہ درہم و دینار ہیں۔

مجھے اپنے رب کی قسم، نہ میں کسی کو ناجائز حق دوں گا اور نہ ہی حق دار سے اس کا حق روکوں گا۔

پھر آپؓ نے اونچی آواز میں فرمایا: اے لوگو! جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے تو اس کی بات ماننا واجب ہے، لہٰذا جب تک میں اللہ رب العزت کی اطاعت کرتا ہوں اس وقت تک تم بھی میری اطاعت کیا کرو اور جب میں اللہ تعالیٰ کے اوامر کی خلاف ورزی کروں تو اس وقت تم پر میری اطاعت واجب نہیں۔

(وما علينا إلّا البلاغ المبين!)

بقیہ: نظریاتی جنگیں

کیے جا رہے ہیں: (۱) گمراہ کن مفکرین کی تیاری: ایسے مفکرین کو کھڑا کیا جا رہا ہے جن کے ذریعے اسلام کی روح کو ختم کر دیا جائے۔ جو دین کے نام پر دین سے دور لے کر جائیں۔

(۲) استعمار کی اطاعت کی تلقین: یہی نام نہاد اسلامی مفکرین و مجتہدین اپنی تحقیقات اور فتاویٰ میں استعماری طاقتوں کی اطاعت کا درس دیتے ہیں۔

(۳) فاسد اور غلط تاویلات کے ذریعے جہاد کے تصور کو ختم کرنا: جہاد استعمار کے زہر کے لیے تریاق کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے استعمار کے علمی و فکری ایجنٹ جہاد کے تصور کو مٹانے کی پوری کوشش کر رہے ہیں۔

(۴) اسلامی عقائد کو بدل کر استعمار کی اغراض کے مطابق بنانا: اسلام کی حقیقی شکل کو مسخ کر کے اسے استعماری اغراض کے مطابق شکل دی جا رہی ہے۔

(۵) جمہوری نظریے کا فروغ: اسلامی قوانین کے خاتمے اور بے دینی و الحاد کے فروغ کے اہداف جمہوریت پسندوں ہی کے ذریعے حاصل کیے گئے ہیں۔

(۶) مسلمانوں کی ثقافت کو مجروح کرنا: استعماریوں نے مسلمانوں کا تشخص مجروح کرنے کے لیے ان کی تہذیب و ثقافت اور بود و باش سمیت ہر چیز کو تبدیل کر دیا۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

امیر المومنین
شیخ هبة الله اخوندزاده نصره الله
کی ہدایات...... مجاہدین کے نام

مسلمانوں کی نصرت و کامیابی کے عوامل [۲]

حضرت زہیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

”عدل کرنے والے حاکم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دائیں طرف نور کے منبروں پر بیٹھے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے دونوں اطراف دائیں ہیں، یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنی حکومت میں، اپنے اہل و عیال اور رعیت کے معاملے میں عدل سے کام لیا۔“

قاضی عیاض رحمہ اللہ اس حدیث کے ذیل میں بیان کرتے ہیں:

یعنی وہ لوگ جن کے ذمے ان کے اہل و عیال اور وہ افراد ہوں جن پر اس کو مسئول بنادیا گیا ہو، ان کے ساتھ عدل کرے تو یہ حدیث اس کے اس عمل پر دلالت کرتی ہے کہ اس کی افضلیت اور رتبہ ہر اس بندے کے لیے ہے جو ہر اس عمل میں عدل قائم کرے جو اس کے ذمے لگادیا گیا ہو چاہے وہ خلافت ہو یا امارت، ولایت ہو یا یتیم کا مال و صدقات۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت چیزیں جو اس پر لازم ہیں یعنی اس کے اہل و عیال کے حقوق اور اس کے علاوہ وہ چیزیں جو اس کے اختیار میں دی گئی ہوں۔

”علی منابر من نور“ سے مراد حقیقی منابر یا وہ اونچی جگہ جس کا حدیث میں بھی تذکرہ ہوا ہے۔”يجيء يوم القيامة على ...... يمين الرحمن“ اللہ تعالیٰ کے دائیں طرف سے مراد یہ ہے کہ وہ اچھی حالت میں ہوں گے اور اعلیٰ مرتبے سے نوازے جائیں گے، ابن عرفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں، جب کوئی شخص اچھی جگہ سے ہو کر آجائے، تو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اچھی جگہ سے ہو کر آگیا، عرب ہر اس چیز کو دایاں کہتے ہیں، جو کامیاب و فائدہ مند ہو۔ یمین یُمن سے نکلا ہے جو مبارک کو کہا جاتا ہے۔

معین الحکام میں آیا ہے کہ عبداللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا: میں جب کسی دن قضا یعنی فیصلہ کرتا ہوں تو یہ میرے لیے ستّر سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ اس سے مراد ہر قسم کی قضا نہیں بلکہ وہ قضا ہے جو حق پر مبنی ہو۔

اسی طرح لوگوں کے درمیان عدل کرنا بھی بڑی نیکیوں میں سے ہے جس کے عوض اللہ تعالیٰ اس کو بڑے درجات سے نوازیں گے، جیسا کہ سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ (سورۃ المائدہ: ۴۲)

”اور اگر فیصلہ کرنا ہو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔ یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے“۔ پس اللہ تعالیٰ کے ہاں کون سا عمل لائقِ محبت ہے؟

کسی بھی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ امیر بننے کا مطالبہ کرے یا اپنے دل میں اس کی خواہش رکھے کہ کاش میں امیر بن جاؤں، کیونکہ اس خواہش کی شریعت میں ممانعت ہے، لیکن اگر کوئی شخص امارت اس لیے چاہتا ہے کہ لوگوں کی اصلاح کرے یا عدل قائم کرے، تو پھر جائز ہے۔ لیکن اس دور میں یوسف علیہ السلام کی مانند کسی کا پیدا ہونا شاذونادر ہی ہوگا، لہٰذا اس طرح کی خواہش سے اپنے آپ کو دور رکھے۔ یوسف علیہ السلام نے جب اپنی خواہش پر امارت کا مطالبہ کیا تھا تو وہ جانتے تھے کہ یہ مسئولیت احسن طریقے سے میرے علاوہ کوئی ادا نہیں کرسکتا، وہ لوگوں کی اصلاح کرنا اور عدل کو قائم کرنا جانتے تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: اے عبدالرحمٰن! امارت کی خواہش نہ کرو، کیونکہ جو امارت تمہارے مطالبے پر دی جائے گی تو تم اس امارت کے سپرد ہو جاؤ گے اور اگر بغیر مطالبے کے تم کو امارت دی جائے تو اس کے کرنے میں اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔

اسی طرح حضرت ابو بکر صدیقؓ فرماتے ہیں: مجھے اپنے رب کی قسم میں ایک رات یا ایک دن کے لیے بھی امیر بننے (کہ مسئول بن جاؤں) کی حرص نہیں رکھتا، اور نہ ہی اس کے ساتھ محبت کرتا ہوں، نہ ہی میں نے اللہ تعالیٰ سے خفیہ یا پوشیدہ حالت میں اس کی طلب کی، لیکن اس امارت کو صرف فتنے کے خوف کی وجہ سے قبول کیا۔ مجھے امیر بننے اور امارت میں کسی بھی قسم کی راحت و آسانی نہیں، لیکن ایک ایسے بڑے کام پر مقرر ہوا ہوں جس پر میرا قبضۂ قدرت اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر کچھ نہیں، اسی طرح کی ایک روایت حضرت عمرؓ سے منقول ہے۔

البدایہ والنہایہ میں ہے: جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ بنے تو حفاظتی افواج کا افسر ان کے پاس آگیا اور وہ یہ چاہ رہا تھا کہ ان کو بھی ایک حفاظتی دستہ دے دیا جائے جیسا کہ باقی خلفا کو دیا جاتا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس کو کہا میرا اس کام سے کیا لینا؟ مجھ سے دور ہو جاؤ! میں بھی مسلمانوں میں سے ایک فرد ہوں! پھر آپ مسجد کی طرف چل پڑے، منبر پر بیٹھ گئے، لوگ آپ کے گرد جمع ہوئے اور آپؒ نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

اے لوگو! مجھ پر یہ ابتلا ایسی حالت میں ڈالی گئی ہے جس پر مجھ سے رائے نہیں لی گئی، نہ میں نے اس ابتلا کا مطالبہ کیا ہے اور نہ ہی اس معاملے میں مسلمانوں کے ساتھ مشورہ ہوا ہے، لہٰذا تم سب کی گردنوں میں جو میری بیعت ہے اس سے تم سب آزاد ہو، جس کسی کو بھی خلیفہ منتخب

(باقی صفحہ نمبر 12 پر)

مُجاھِد کا زادِ راہ

15 آخری قسط

شیخ عبد اللہ عزام رحمۃ اللہ علیہ

باب نہم: محبت مجھے ان جوانوں سے ہے

الحمد لله ثم الحمد لله وبعد!

صبر کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کبھی کبھی مجھے سعود البحری اور سعد الرشید وغیرہ کا خیال آتا ہے۔ سعود...... جو پورے سولہ (۱۶) مہینے مسلسل افغانستان میں رہا۔ وہ گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ کر پورا افغانستان گھومتا رہا۔ وہ جہاں بھی کہیں حملے یا سرگرمی کی خبر سنتا دوڑ کر وہاں پہنچتا۔ وہ موت کی تلاش میں رہتا تھا۔ میں نے کہا:

''سعود! کہو تو تمہارے گھر والوں کو یہاں بلالیں؟''

کہا: ''نہیں نہیں! اُن کو یہی جہاد کرنے دیجیے کہ وہ صبر سے ہماری واپسی کا انتظار کریں۔''

پھر کہا: ''میں اپنی تینوں بیٹیوں کی شکلیں بھول چکا ہوں۔''

''ایک رات میں نے اپنی ایک بیٹی کو دیکھا کہ وہ میرے ساتھ کھیل رہی ہے اور اُس کی محبت سے میرا دل بھر آیا ہے۔

میں ہڑبڑا کر خواب سے بیدار ہوا...... تو مجھے سمجھ میں آئی کہ یہ شیطانی خیالات ہیں جو میری بیٹی کا روپ دھار کر میری ہمدردیاں حاصل کر کے مجھے جہاد سے لوٹانے آئے ہیں۔ میں نے بائیں طرف تین بار تھوکا...... اور پھر سو گیا۔''

یہ لوگ تھے صابر!

میں نے کہا: سعود! 'جوز جان' جاؤ گے؟

کہا: جیسے حکم ہو! اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ مجھے جانا چاہیے تو میں جاؤں گا۔ مجھے آپ جہاں بھیجیں گے، جاؤں گا۔

پھر سعود چلا گیا اور چھ مہینے کے لیے افغانستان کے شمالی برفستانوں اور دریائے آمو کے کناروں کے درمیان کہیں کھویا رہا۔

میں ان لوگوں پر حیران ہوتا ہوں، ان کے ادب پر...... اُن کی تربیت پر...... اُن کے صبر پر...... اُن کی اطاعت پر۔

یہ لوگ کسی اسلامی جماعت کے ساتھ نہیں رہے۔ انہوں نے مربیوں کے ہاتھوں لمبی لمبی تربیتیں نہیں پائیں۔

ان کے پاس صرف اخلاص تھا جس کی وجہ سے اللہ نے ان کے دلوں پر بیش بہا نعمتوں کے دروازے کھول دیے اور اُن کے اعضا و جوارح کو سلوک کے مراحل طے کرا دیے۔

برادران کرام! یقین کیجیے کہ اس قسم کے نوجوانوں کا ذکر کرتے وقت میں خود کو گم کردہ راہ...... ٹھگنا...... چھوٹا، حقیر اور ان عالی شان مسلمانوں کے سامنے ضعیف اور مسکین محسوس کرتا ہوں۔

یہ کیسا نوجوان تھا جو خاموشی سے اپنے رب کے رستے کی طرف گامزن رہا۔ وہ اجنبیوں کی طرح آیا، اجنبیوں کی طرح رہا اور اجنبیوں کی طرح جنت کو سدھار گیا۔

ان اجنبیوں پر رحمت ہو۔ جو ہلکے پھلکے، متقی، معصوم اور سادہ تھے۔ جو محفل میں ہوتے تو کوئی انہیں نہ پہچانتا اور نہ ہوتے تو کوئی اُن کی تلاش میں نہ نکلتا۔ کتنے ہیں جن کی کسی کو کوئی تلاش نہیں۔ کتنے ہیں جن کو کوئی جانتا تک نہیں۔ اور میں جانتا ہوں کہ آپ میں سے اکثر لوگوں نے سعود کی صورت تک نہیں دیکھی اور نہ کبھی اس کا تذکرہ سنا یا گیا۔

لیکن اس سے سعود کو کیا......؟

عبد الوہاب کو کیا......؟

ابو حمزہ کو کیا......؟

ابو عثمان کو کیا......؟

اگر ''مکتب الخدمات'' کے بیٹے تمہیں نہیں جانتے تو کیا ہوا اور بقول عمر رضی اللہ عنہ ''اگر عمر انہیں نہیں جانتا تو کیا ہوا...... عمر کا رب تو انہیں جانتا ہے نا!''

یہ لوگ اللہ کی طرف سدھار گئے لیکن رب العزت نے انہیں تنہا نہیں چھوڑا، ہمیں اُن کی کرامات دکھائیں...... اُن کی موت کے بعد اُن کی صفات ہم پر کھلیں۔ آپ کے سامنے ابو داؤد بیٹھا ہے...... اس سے پوچھیے۔

اس نے مجھے بتایا کہ اس نے پیر کے روز ان کی قبروں سے نور پھوٹتا اور آسمان کی طرف جاتا دیکھا...... یہ نور کمان کی شکل میں اوپر جاتا اور پھر اسی حالت میں واپس لوٹتا۔

یہ ان لوگوں کے حصے کا نور ہے جو دنیا میں بھی ان کے ساتھ تھا، برزخ میں بھی ان کے ساتھ ہے اور آخرت میں پل صراط پر بھی ان کے ساتھ رہے گا۔

اور امید ہے کہ یہ لوگ فردوس بریں میں اپنے رب کے نور سے بھی محروم نہ رہیں گے۔ اُن سے ضرور کہا جائے گا:

سلام عليكم يا أهل الجنة!

''اے اہل جنت! تم پر سلامتی ہو۔'' یہ لوگ یقیناً سلامتی کے مستحق ہیں۔

برادران عزیز!

صبر! صبر...... جہاد کے رستے میں صبر کی ضرورت ہے۔

ساتھیوں سے اچھا سلوک کیجیے۔

ساتھیوں سے محبت کیجیے۔

مشقت پر صبر کیجیے۔

ساتھیوں کی غلطیوں پر صبر کیجیے۔

امیر کے احکام پر صبر کیجیے۔

بد ذائقہ کھانے پر صبر کیجیے۔

جہاد کے رستے میں صبر سے کام لینا سیکھیے۔

غیض و غضب کے عالم میں صبر کا مظاہرہ کرنا سیکھیے۔

سردی میں صبر کیجیے۔

دوستوں، رشتہ داروں، پڑوسیوں اور اہل خانہ سے دوری پر صبر کیجیے۔

یہی جہاد کا راستہ ہے۔

یہی وہ رستہ ہے جس پر چل کر حوض کوثر پر رسول اللہ صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے ملاقات کی جاسکتی ہے۔

يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اصْبِرُواْ وَصَابِرُواْ وَرَابِطُواْ وَاتَّقُواْ اللّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ○(سورة آلِ عمران: ۲۰۰)

"اے ایمان والو! صبر کرو...... صبر کی تلقین کرو...... آپس میں بندھے اور جڑے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ فلاح پاسکو۔"

یاد رکھیے کہ اللہ نے خود آپ پر صلاۃ والتسلیم بھیجی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور وہ علیم و خبیر و بصیر آج بھی فرما رہا ہے؛ وہ حکیم قائد...... آپ کو تعلیم دیتے ہوئے متوجہ کرتا ہے اور اپنے نبی کی تعظیم اور قدر و منزلت کے باب میں فرماتا ہے کہ

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيماً○(سورة الاحزاب: ۵۶)

"اللہ اور اُس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں، تو اے ایمان والو! تم بھی اُس پر درود بھیجو اور اُس پر پوری پوری سلامتی کی دعا مانگو!"

لبیک أللّٰھم لبیک!

حاضر! اے اللہ ہم حاضر!

اللّٰھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم وبارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم فی العالمین انک حمید مجید۔

"اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج، اور اُن کے اہل خانہ پر درود بھیج، جیسا کہ تو نے ابراہیم علیہ السلام پر اور اُن کی آل پر درود بھیجا۔

اے اللہ! محمد صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پر برکت نازل فرما اور اسی طرح اُن کی آل پر بھی رحمت کر جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام اور آل ابراہیم پر رحمت کی بارش کی۔

اے اللہ! ان پر دونوں جہانوں میں رحمت فرما! بے شک تو حمید اور مجید ہے۔"

اے اللہ! صحابہ سے راضی ہو جا! تابعین سے راضی ہو جا! اور تبع تابعین سے راضی ہو جا! اور اُن کے ساتھ باحسان راضی رہ! قیامت کے دن تک!

اے اللہ! مومنین کو زمین میں اقتدار اور تمکنت عطا فرما۔

اے اللہ! اُن کے لیے تمکنت کی راہیں کھول دے۔

اے اللہ! ہم تجھ سے فردوس بریں کی خواہش رکھتے ہیں۔

اے اللہ! اپنے ذکر پر ہماری مدد فرما!

اپنے شکر کی توفیق دے۔ اپنی بہترین عبادت کی توفیق دے۔

اے اللہ! جب تک زندہ رکھ سعادت کی زندگی دے اور جب موت دے تو شہادت کی موت دے۔

اے اللہ! قیامت کے روز ہمیں مصطفیٰ صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے گروہ میں سے اُٹھا۔

اے اللہ! دنیا میں ہماری معاش کی اصلاح فرما۔ یہ ہمارے لیے بڑا نازک معاملہ ہے اور اے اللہ! ہماری آخرت درست فرما جہاں ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔

اے اللہ! زندگی کو بھلائی سمیٹنے والی زندگی بنا دے۔

اور اے اللہ! موت کو ہمارے لیے ہر برائی سے بچاؤ کا ذریعہ بنا دے۔

اے اللہ! ہمارا خاتمہ اچھے اور نیک لوگوں کے ساتھ فرما۔

اے اللہ! مجاہدین کی مدد و نصرت فرما اور اُن کے دلوں کو آپس کی محبت سے بھر دے۔

اے اللہ! اُن کے احوال کی اصلاح فرما دے۔

اُن کو درست راستے کی طرف ہدایت دے۔

اے اللہ! افغانستان کے مجاہدین کی مدد فرما، فلسطین، لبنان، فلپائن، شام، یمن اور ہر جگہ پر حق کی جنگ لڑنے والے مجاہدین پر اپنا کرم فرما!

اور محمد صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پر درود بھیج اُن کی آل پر درود بھیج، اُن کے ساتھیوں پر درود اور سلامتی ہو۔ اے اللہ کے بندو!

إِنَّ اللّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ وَإِيتَاء ذِي الْقُرْبَى وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاء وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ○(سورة النحل: ۹۰)

"بے شک اللہ عدل و انصاف اور احسان (نیکی) کرنے اور رشتہ داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور فحاشی اور برائیوں اور بغاوت سے روکتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑنے والے بن سکو!"

اللہ کا ذکر کرو...... وہ تمہارا ذکر کرے گا۔

اس سے توبہ واستغفار کرو...... وہ تمہیں معاف کر دے گا۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله ربّ العالمین!

تَمَّت بِالخَیر

علاماتِ قیامت 7

نــزولِ عیســیٰ علیہ السلام

مولانا مسعود کوثر

قیامت سے پہلے کچھ حالات و معاملات ایسے برپا ہونے ہیں جن سے اہلِ ایمان کی جنت و جہنم وابستہ ہے۔ مخبرِ صادق، نبیِ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ مبارک کا مفہوم ہے کہ 'آخری زمانے میں دنیا دو خیموں میں بٹ جائے گی، ایک خیمہ اہلِ ایمان کا ہو گا جس میں نفاق نہ ہو گا اور ایک خیمہ اہلِ نفاق کا ہو گا جس میں ایمان نہ ہو گا'۔ مولانا مسعود کوثر صاحب مدظلہ' کے یہ دروس اسی کامیابی یا ناکامی سے متعلق ہیں اور ان میں اہلِ ایمان کو لائحۂ فکر و عمل فراہم کرنے کا سامان ہے۔ مولانا موصوف نے یہ دروس ایک عوامی مجلس میں ارشاد فرمائے تھے، جہاں برادرِ عزیز حافظ شہزاد (محب اللہ) شہید رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے، برادر حافظ شہزاد شہید نے ہی بڑے اہتمام سے ان دروس کو ریکارڈ کیا تھا۔ بحمد اللہ، یہ دروس قسط وار، مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' میں نشر کیے جا رہے ہیں۔ (ادارہ)

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

فأعوذ بااللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس عالم میں کہ مسلمان بہت زیادہ پریشان ہوں گے اور حضرت امام مہدی مسلمانوں کو لے کر ملک شام کے شہر دمشق کی الغوطہ بستی میں پناہ لیے ہوئے ہوں گے اور دجال پوری دنیا سے گھوم پھر کر مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے شام کے علاقے کے قریب ہو گا۔ مسلمان بہت پریشان ہوں گے اور انتظار میں ہوں گے...... یہاں تک کہ صبح کے وقت فجر کی اذان ہو چکی ہو گی، تکبیر (اقامت) ہو چکی ہو گی اور نماز کھڑی ہونے کے قریب ہو گی کہ آسمان سے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام دو فرشتوں کا سہارا لیے، دو زرد رنگ کے کپڑوں میں آسمان سے زمین کی طرف نزول فرمائیں گے۔

دمشق شام کا علاقہ ہے اور اس کی جامع مسجد اموی، وہاں حضرت مہدی موجود ہوں گے۔ عیسیٰ علیہ السلام کہاں نازل ہوں گے اس کی مختلف روایات ہیں اور عموماً یہ مشہور ہے کہ جامع مسجد اموی کے مشرقی مینار پر وہ نازل ہوں گے۔ ایسا جو ہے وہ ثابت نہیں ہے۔ حالانکہ یہ مشہور بات ہے لیکن ایسا ہے نہیں۔ کسی بھی حدیث میں مسجد کے مینار کا نام نہیں ہے، ہاں یہ آیا ہے کہ دمشق کی بستی کے مشرقی مینار پر، تو مسجد کا مشرقی مینار جو ہے وہ الگ ہے اور دمشق کی بستی کا مینار جو ہے وہ اور ہے۔ دمشق کی مسجد کا مشرقی مینار جو ہے وہاں عیسیٰ علیہ السلام نے نازل نہیں ہونا اور بالکل بستی کے قریب ہی ایک اکیلا مینار ہے جس کو نورالدین زنگی نے مسلم مجاہدین کی یاد میں تعمیر کروایا تھا وہ آج بھی اسی حالت میں قائم ہے، اس مینار پر عیسیٰؑ نزول فرمائیں گے۔ حدیث میں جہاں بھی الفاظ آئے ہیں وہ دمشق کی بستی کے مشرقی مینار کے آئے ہیں کہیں بھی مسجد کا نام نہیں آیا، یہ غلط جو ہے وہ ہمارے ہاں مشہور ہے۔ اور اس بات کی تحقیق ہمارے ہاں علما کے فتاوی کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے۔ مفتی رفیع عثمانی صاحب اس کو خود جا کر دیکھ کر آئے ہیں اور آ کر انہوں نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ وہ مسجد کا مینار نہیں بلکہ دمشق بستی کا مشرقی مینار ہے اور وہاں کے علما بھی یہی کہتے ہیں۔ تو عیسیٰ علیہ السلام وہاں نازل ہوں گے اور کنٹرول سنبھال لیں گے اور اسی دن مسلمانوں کی اور یہودیوں کی بڑی جنگ ہو گی جو تاریخ کی آخری جنگ ہے اور اس جنگ میں بھی کوئی خاص اسلحہ استعمال نہیں ہو گا، تھوڑا تھوڑا اسلحہ استعمال ہو گا۔ جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "عیسیٰ علیہ السلام دجال کا پیچھا کریں گے اور اس کا تعاقب کرتے ہوئے لُد بستی میں جا کر اس کو پالیں گے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اس علاقے میں آئے ہی نہیں کبھی اور لد بستی تو دنیا میں تھی ہی نہیں۔ یہ لد بستی کب بنی ہے اس کی بڑی جستجو اور تحقیق کے بعد یہاں تک پہنچے کہ اس کا نام لَید ا تھا اور ۱۹۴۸ء میں اس کی بنیاد رکھی گئی اور اس کے ساتھ ایک ایئرپورٹ بنایا گیا جو کہ اسرائیل کی فضائیہ کا بڑا ایئرپورٹ ہے، لد کے مقام پر۔ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو لد کے مقام پر قتل کریں گے، صحیح مسلم، ابو داوٗد، مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث موجود ہے۔ لد جو ہے وہ ایک بڑا شہر ہے اور تل ابیب سے، جو ان کا دار الحکومت ہے، اس سے آٹھ یا دس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ یہاں اس بستی کی ایک تو خصوصیت ہے ہی کہ دجال یہاں قتل ہو گا دوسری بات یہ ہے کہ یہ اسرائیلی لوگ لد کی حفاظت بہت زیادہ کرتے ہیں۔ اور اس پورے لد شہر میں یہ جو سٹریٹ لائٹیں ہوتی ہیں اس کے نیچے انہوں نے تبرک کے لیے ڈیوڈ اسٹار لگائے ہوئے ہیں جو اس بات کی نشانی ہے کہ یہ ہمارے مسیحا کا شہر ہے کہ وہ یہاں آئے گا، یہ اس کے مقامات ہیں اور یہ اس کے طیارے ہیں، یہ ہے اور فلاں ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ طے کیا ہوا ہے کہ وہی اس کے قتل ہونے کی جگہ بھی ہے۔ حدیث شریف میں واضح الفاظ کے ساتھ اور اسی نام کے ساتھ کہ باب اللد کے نام کے ساتھ اور اس کی چند شناختی چیزیں اس میں واضح ہیں حدیث کی کتاب میں۔

اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان ہے کہ اس جنگ میں جو یہود کے ساتھ ہو گی اس میں ہر درخت اور ہر پتھر پکارے گا کہ "اے مسلمان! میرے پیچھے ایک یہودی چھپا ہے آؤ اور اس کو قتل کرو"سوائے ایک جھاڑی ہوتی ہے "غرقد" کہ جس میں ایک انسان چھپ سکتا ہے یہ ایک جھاڑی نما ہے کہ ایک انسان اس میں چھپ سکتا ہے۔ اسرائیل ایک ریگستانی علاقے میں آباد ہوا اور ریگستان تقریباً ختم ہو گیا تو ان کو فکر ہوئی کہ یہ جھاڑی تو ختم ہو جائے گی۔ مسلمانوں کو علم نہیں لیکن یہودی اس پر ایمان لے آئے۔ انہوں نے انڈیا سے ۲۰۰۸ء سے لے کر

۲۰۱۲ءتک تقریباً چار سال میں بارہ ارب ڈالر کی کاشت کاری کروائی اسرائیل میں اور وہاں اس کی شجر کاری کی۔ جس طرح ہم درخت لگاتے ہیں اس طرح انہوں نے پورے اسرائیل میں غرقد لگائے کہ اگر جنگ ہوئی تو یہ ہمیں بچا سکتا ہے کیونکہ محمد ﷺ نے کہا ہے۔ یہ جو غرقد کی شجر کاری ہے کہ جو اس کو لگائے گا اور اس کی شجر کاری میں حصہ لے گا اس کو انعام دیا جائے گا، جس طرح ہمارے ہاں شجر کاری کی مہم عموماً کی جاتی ہے، بارہ ارب ڈالر کی شجر کاری کی انہوں نے انڈیا سے۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ اپنے تیاری کے کس مرحلے میں ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دجال کے فتنے سے کیسے بچ سکتے ہیں؟ ایمان (کے ساتھ)۔ اور یہ وہم کہ ہم بڑے ایمان والے ہیں!! نبی ﷺ نے منع فرمایا کہ دجال کا سامنا نہیں کرنا ہے، تو کیا کرنا چاہیے؟ رسول اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''ممکنہ طور پر کوئی مکہ میں رہائش اختیار کرلے یا مدینہ میں رہائش اختیار کرلے تو بچ جائے گا یا اس زمانے میں زندہ ہے تو وہ وہاں چلا جائے شام میں جہاں حضرت مہدی موجود ہوں گے''۔ رسول اقدس ﷺ نے فرمایا جو سورہ کہف کی پہلی دس آیات حفظ کرلے گا تو وہ دجال کے فتنے سے محفوظ ہو جائے گا دجال اس پر کوئی اپنا وار نہیں کر سکتا۔ اس کے ساتھ ساتھ ذکر ہے علما کی صحبت کا، علما کے ساتھ تعلق کا، ان کی مجلسوں میں شریک ہونا اور علم الفتن کا علم رکھنا اتنا ضروری ہے کہ جتنا ہر مسلمان کو علم ہونا چاہیے کہ کل ہمارے ساتھ کیا پیش آنے والا ہے، رسول اکرم ﷺ کی احادیث کی صورت میں۔

اس میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دجال کو عیسیٰ علیہ السلام لد کے مقام پر قتل کردیں گے۔ مسلمان جنگ جیت جائیں گے اور یہود کا قتل عام ہوگا۔ یعنی اسلام کا کلی طور پر غلبہ ہے کہ کوئی کافر بھی باقی نہیں رہے گا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہوتے ہی سارے عیسائی جو ہیں یعنی اہل کتاب جو ہیں وہ ایمان لے آئیں گے، یہودی جو رہ جائیں گے وہ عیسیٰ علیہ السلام اور مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو جائیں گے اور اسلام کو کلی غلبہ حاصل ہو جائے گا اور غلبہ اس صورت میں ہے کہ اسلام کے علاوہ نہ کوئی مذہب ہے اور نہ مسلمانوں کے علاوہ اور کوئی شخص جو ہے وہ دنیا میں پایا جاتا ہے اور انتہائی امن انتہائی انصاف وہی جو حضرت مہدی نے کچھ سال پہلے قائم کیا تھا وہ دوبارہ اسی طرح قائم ہو جائے گا بلکہ اس سے بھی بہتر قائم ہو جائے گا اور اس کے مدمقابل کوئی کافر نہیں ہوگا۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں رہیں گے، قبیلہ جذام میں ان کی شادی ہو گی، اس سے پہلے ان کی شادی نہیں ہوئی تھی جب وہ دنیا سے اٹھا لیے گئے تھے، تو ان کی شادی ہو گی اور ان کی اولاد ہو گی اور وہ دنیا میں رہیں گے، ان کا انتقال ہو گا اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ روضۂ رسول میں ان کو دفن کیا جائے گا۔ حضور ﷺ کے ایک طرف کے پاؤں میں ابو بکرؓ و عمرؓ ہیں اور ان کے پاؤں کی دوسری طرف کی جگہ ایک قبر کی ابھی باقی ہے جس میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام دفن ہوں گے، جس کا ہم نے یہ نقشہ بتایا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک، حضرت ابو بکرؓ کی قبر مبارک کے کندھے میں ہے اور حضرت ابو بکرؓ کے کندھے کے برابر حضرت عمرؓ کی قبر ہے اور یہ ایک چوتھی قبر کی جگہ جو ہے وہ باقی ہے، خالی ہے۔ ترمذی شریف کی حدیث ہے: ''ایک قبر کی جگہ باقی ہے جس میں عیسیٰ علیہ السلام دفن ہوں گے''۔ رسول ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن میں حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معیت میں اپنی قبر سے اٹھایا جاؤں گا''۔ یہاں قبر سے مراد جو ہے وہ مقبرہ ہے یعنی ایک مقبرے سے ایک حجرے سے ہم چاروں اٹھائے جائیں گے۔

آخری بات اس سلسلے کی یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بھی اسلام اس دنیا میں غالب رہے گا کافی عرصے تک۔ ان کے بعد ان کا جو نائب مقرر ہوگا رسول اکرم ﷺ نے اس کا نام ''المقعد'' بتایا، ان کے بعد جو ان کا خلیفہ بنے گا اور اس سلطنت کو اس خلافت کو جو باقی رکھے گا یہاں تک کہ مسلمانوں کی حالت پھر سے بگڑنا شروع ہو جائے گی۔ یہ مسلمان جو ان کے ساتھ ہوں گے وہ فوت ہوں گے، ان کی جو نسلیں ہوں گی وہ بگڑیں گی اور وہ کفر اختیار کریں گی اور بہت جلدی جلدی، یہ نہیں کہ اس کے لیے کوئی بہت لمبا عرصہ چاہیے، انہی پر قیامت قائم ہو گی اور انہی پہ قیامت کی بڑی علامات نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کی پوری ہوں گی۔ عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں وہ فتنہ ظاہر ہو جائے گا جس کو فتنۂ ''یاجوج ماجوج'' کہتے ہیں۔ اور جس طرح حضرت مہدی نے پوری دنیا کو لے کر مسلمانوں کو لے کر دمشق میں انہوں نے ٹھکانہ بنایا تھا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سارے مسلمانوں کو لے کر کوہ طور کے اس پہاڑی سلسلے میں چلے جائیں گے اور اللہ تبارک و تعالیٰ اس پہاڑی سلسلے کو اتنا وسیع کر دے گا کہ مسلمان اس میں پورے آجائیں گے اور کوئی مسلمان یاجوج ماجوج کے فتنے میں مبتلا نہیں کیا جائے گا۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام جو ہیں وہ ان کے خلاف بددعا کریں گے اور وہ پھر ایک الگ تفصیل ہے کہ وہ کیسے قتل کیے جائیں گے۔ تفصیل کا وقت نہیں ہے تو یاجوج ماجوج کا قتل جو ہے وہ حضرت عیسیٰؑ کی بد دعا کے نتیجے میں ہو گا۔ نبی کریم ﷺ سے ایک صحابی نے یہ سوال کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! جہنم میں کتنے لوگ جائیں گے؟ تو رسول اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ''تم ایک ہزار جہنم میں جاؤ گے اور ایک جنت میں جائے گا''۔ تو پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ! اتنی تعداد میں جہنم میں جائیں گے؟ تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ''نہیں! ایک تم میں سے ہو گا اور ننانوے یاجوج ماجوج میں سے ہوں گے''۔ تو انسانوں کی تعداد یاجوج ماجوج کی نسبت ایک فیصد ہے اور ننانوے فیصد وہ انسانوں سے زیادہ ہیں تعداد کے اعتبار سے۔ بحر طبریہ جس کی آپ نے سیٹلائیٹ تصویر دیکھی ہے ان کے سامنے ایک ٹب (tub) کی شکل سے زیادہ نہیں ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ یاجوج ماجوج اس کے پاس سے گزریں گے، یہ ایک دفعہ خشک ہو گا دجال کے ظہور سے پہلے، پھر جب بارشیں ہوں گی عیسیٰؑ کے زمانے میں تو خوشحالی آئے گی یہ پھر سے بھر جائے گا۔ تو جب عیسیٰؑ کوہ طور پر چلے جائیں گے تو یہ یہاں سے گزریں گے یاجوج وماجوج، ان کا اگلے والا لشکر اس کو پی کر گزر جائے گا۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو ان کے لشکر کا پچھلا والا حصہ ہو گا وہ یہاں آکر کہیں گے کہ یہاں کسی زمانے میں پانی ہوا کرتا تھا کہ وہ اتنی تعداد میں ہوں گے اور اتنا شر و فساد پھیلانے والے ہوں گے۔ یہ حدیث شریف میں موجود ہے۔

تو عیسیٰ علیہ السلام کی وفات اور اس کے بعد جو شر قائم ہونا ہے اس میں یاجوج وماجوج ہیں اور اس میں بڑے بڑے خسف ہیں۔ یعنی قیامت سے پہلے پہلے دنیا میں تین یا چار جگہوں میں بڑے بڑے خسف کے واقعات ہوں گے۔ ''خسف'' کا معنیٰ ہے زمین میں دھنسا دیا جانا۔ پوری کی پوری بستیاں اور پورے کے پورے علاقے خسف ہو جائیں گے۔ ثلاثۃ الخسف یعنی تین بڑے دھنسنے کے واقعے۔ اور ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ جب کفر والے کفر پر پکے ہو جائیں گے ایمان والے کافی پہلے سے دنیا سے رخصت ہو چکے ہوں گے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کی ایک بڑی نشانی سورج کا مغرب سے نکلنا ہے۔ سورج مشرق سے نکلتا ہے مغرب میں غروب ہوتا ہے۔ اس دن سورج جو ہے وہ مغرب سے طلوع ہو گا اور توبہ کا دروازہ اس دن سے بند کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد اگر کوئی توبہ کرتا بھی ہے تو اس کی توبہ قبول نہیں ہو گی۔ اسی زمانے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صفا و مروہ پہاڑیاں جو ہیں جہاں سعی کی جاتی ہے وہاں سے ایک جانور نکلے گا جس کو اکیسویں پارے میں سورۃ النمل میں اللہ نے بیان کیا ہے أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ○[1] وہ لوگوں سے گفتگو کرے گا اور وہ آکر نشان لگا دے گا، جو ایمان والے ہوں گے ان کی وفات ہو جائے گی اور سورج کے مغرب سے نکلنے سے پہلے پہلے ایمان والوں کا تعین ہو جائے گا اور کافروں کا تعین ہو جائے گا کہ یہ ایمان والے ہیں یہ کافر ہیں اور اس کے بعد اللہ ایمان والوں کو ایمان پر باقی رکھے گا اور کافروں کو توبہ کی توفیق نہیں دے گا۔

اسی طرح ہے کہ قیامت سے پہلے ایمان اور ایمان کی ہر نشانی کو اٹھا لیا جائے گا۔ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مومن کو، مسجد کو، قرآن پاک کو اور حجرِ اسود کو اللہ تعالیٰ زمین سے اٹھالیں گے اور حج جو ہے وہ موقوف ہو جائے گا اور بیت اللہ کو ڈھا دیا جائے گا۔ یہ وہ آخری آخری نشانی ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ قیامت جو ہے وہ آج یا کل جو ہے وہ آنے والی ہے۔ بیت اللہ کا گر جانا اور ایمان والوں کا اٹھ جانا یہ آخری نشانی ہے کہ جس کے اگلے دن جو ہے وہ قیامت نے قائم ہو جانا ہے۔ لفظ اللہ کہنے والا جب تک دنیا میں ہے دنیا جو ہے وہ قائم ہے۔

اور اللہ ارشاد فرماتے ہیں جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ[2]۔

کہ جب تک خانہ کعبہ دنیا میں باقی ہے اور کعبہ کو لوگوں کے دنیا میں رہنے کا ذریعہ بنایا کہ یہ نہیں تو لوگ دنیا میں قائم نہیں رہ سکتے۔ اس طرح لوگ جو ہیں وہ میدانِ محشر کی طرف جمع کیے جائیں گے۔ صورِ اسرافیل سے جو ہے وہ قیامت قائم ہو گی۔

یہ مختصر احوال جو ہیں آپ کے سامنے وہ عرض کیے ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ تمام فتنوں سے امت مسلمہ کو محفوظ کرے، آمین۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

بقیہ: داعش کے خلاف جنگ کی روداد

ریاستوں کے باشندے ہیں۔ بھارت، پاکستان اور کشمیر کے باشندے بھی شامل ہیں۔ ان میں ایک برطانوی ڈاکٹر بھی شامل ہے۔

تورا بورا کی طرف طالبان کی روانگی

بچ جانے والے داعشی اب بھاگ کر تورا بورا میں اکٹھے ہو چکے تھے۔ طالبان کے قطعے اب تورا بورا کی طرف جانے کے لیے امر کے منتظر تھے۔ ایک دن بعد امر آ گیا تورا بورا کی طرف روانگی ہے۔ ہماری تشکیل اور قطعے کے کچھ ساتھی جن میں ہمارا ساتھی حاجی الیاس بھی تھا، تورا بورا کی طرف روانہ ہو گئے۔ لیکن داعشیوں کے قدم بالکل بھی نہیں جم سکے۔ تورا بورا سے بھی یہ جلدی نکل گئے۔ تورا بورا کے بعد داعشی اغض تنگی میں چلے گئے۔ اغض تنگی دو دن کی شدید لڑائی کے بعد فتح ہو گئی۔ اب داعشی بالکل سرحد کے ساتھ والے کوہِ سفید والے پہاڑی سلسلے میں پھنس چکے تھے اور طالبان ان کا تعاقب جاری رکھے ہوئے تھے۔

امریکہ اور ملی فوج کی آخری کوشش

جیسا کہ امریکہ کوشش کر رہا تھا کہ داعش کی پسپائی کو روکا جائے اس کے لیے انہوں نے آخری کوشش کے طور پر اپنا آخری حربہ استعمال کیا۔ داعش سے چھینے گئے علاقوں میں ملی فوج اپنے ٹینک لے کر آ گئی تاکہ طالبان کی داعش والے محاذ سے توجہ ہٹائی جائے۔ لیکن اللہ نے ان کی چال ان پر الٹا دی، وہ اپنا کانوائے لے کر آئے لیکن طالبان نے پہلے سے تیاری کی ہوئی تھی۔ انہوں نے ان کو راستے میں گھیر لیا۔ کچھ ٹینک اڑا دیے اور باقی سب نے بھاگنے میں عافیت جانی۔

عوام کی خوشی

'اللہ کا بے انتہا شکر ہے کہ اللہ نے ان ظالموں سے ہماری جان چھڑائی ورنہ تو ہم یہاں سے بھاگنے کی سوچ رہے تھے'، یہ الفاظ ایک مقامی کے تھے جو طالبان کے ہاتھوں داعش کے خاتمے پر خوش تھا۔

روانگی

تورا بورا گئے ہوئے ساتھی واپس آ چکے تھے اور ہماری تشکیل کا وقت بھی مکمل ہو چکا تھا۔ ہماری جگہ پر تبادلے والے ساتھی بھی آ چکے تھے۔ تبادلے والے ساتھی پہنچنے کے کچھ دن بعد ہماری واپسی ہو گئی۔ یوں اس تشکیل کا حسین یادوں کے ساتھ خاتمہ ہو گیا۔ جب ہم واپس پہنچے تو چند دن بعد خبر سنی کہ پورے ننگرہار صوبے سے اس بدبخت گروہ کا خاتمہ ہو گیا ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے اجر کو ضائع نہ فرمائے اور ہمیں امت مسلمہ کے لیے راحت بنائے، آمین!

---

[1] ''ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے بات کرے گا کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں رکھتے تھے۔'' (سورۃ النمل: ۸۲)

[2] ''اللہ نے مکان محترم، کعبہ کو لوگوں کے لیے (اجتماعی زندگی کے) قیام کا ذریعہ بنایا۔'' (سورۃ المائدۃ: ۹۷)

داعش کے اموال کا حکم

لجنۂ شرعیہ- القاعدہ برِّ صغیر

مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' کو داعش کے خلاف جنگ سے متعلق، امارتِ اسلامیہ افغانستان کے ساتھ شامل ایک مہاجر مجاہد کا مضمون موصول ہوا تھا، جسے مجلّے میں سلسلہ وار شائع کیا جا رہا ہے۔ اس مضمون میں داعش سے حاصل ہونے والے 'اموال' کو 'غنیمت' کے طور پر لکھا گیا تھا، جس پر جماعت قاعدۃ الجہاد برِّصغیر کی موقر 'لجنۂ شرعیہ' (کمیشن برائے شرعی امور و ہدایات) کا تنبیہی خط مجلّے کے مدیر کو موصول ہوا۔ یہ خط نذرِ قارئین ہے، تمام قارئین و متعلقین سے گزارش ہے کہ 'القاعدہ برِّصغیر' کا شرعی موقف اور مجلّے کی مجلسِ ادارت کا اپنی خطا سے رجوع نوٹ فرمالیں۔ ربَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ! (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قابلِ احترام مدیر مجلہ نوائے غزوہ ہند!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہم اللہ تعالیٰ سے امید کرتے ہیں کہ آپ اپنی مجلسِ ادارت کے ہمراہ بخیر و عافیت ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا آپ بھائیوں پر احسان ہے کہ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس عظیم خدمت کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ بھائیوں کی مساعی اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں اور اس کے بدلے آپ کو بہترین اجر سے نوازیں، آمین۔

محترم مدیر صاحب!

ابھی خط کا مقصد نوائے غزوہ ہند کے جون ۲۰۲۰ء کے شمارے (جلد ۱۳، شمارہ ۶) میں شائع کردہ مضمون 'داعش کے خلاف جنگ کی روداد' میں داعش سے حاصل شدہ اموال کے لیے لفظِ 'غنیمت' کے استعمال پر تنبیہ ہے۔ ہم یہاں یہ تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ داعش کے اموال پر لفظِ غنیمت کا اطلاق درست نہیں ہے۔ یہ خط تفصیلی احکام کا متحمل نہیں اور نہ ہی تفصیلی حوالہ جات درج کیے جا رہے ہیں، اختصار سے نکاتِ ذیل عرض ہیں:

اول: داعش بطور جماعت ایک بدعتی (المبتدع) اور گمراہ فرقہ (الفرقة الضالة) ہے، کیونکہ یہ اپنی جماعت سے باہر ہر مسلمان کی تکفیر کرتے ہیں، اس کی جان و مال کو اپنے لیے مباح جانتے ہیں، اور اس پر جنگ کرتے ہیں۔ داعش کا یہی حکم آج کے جمہور علمائے مسلمین نے بیان کیا ہے۔

پھر بعض علماء نے اسے 'خوارج' سے تعبیر کیا ہے۔ ہماری نظر میں داعش کو خوارج کہنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ عام طور پر فقہائے امت نے ہر اس گروہ کے لیے 'خوارج' کا لفظ استعمال کیا ہے جو مسلمانوں کی جان و مال کو اپنی من چاہی تاویلات کی بنیاد پر مباح قرار دیتا ہے اور اس کے لیے خون ریزی کرتا ہے۔ 'در مختار' میں لکھا ہے:

وخوارج وهم قوم لهم منعة خرجوا عليه بتأويل يرون أنه على باطل كفر أو معصية توجب قتاله بتأويلهم، ويستحلون دماءنا وأموالنا ويسبون نساءنا، ويكفرون أصحاب نبينا - صلى الله عليه وسلم.[1]

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ آخری جملے کے تحت 'رد المحتار' میں لکھتے ہیں:

(قوله: ويكفرون أصحاب نبينا - صلى الله عليه وسلم -) علمت أن هذا غير شرط في مسمى الخوارج، بل هو بيان لمن خرجوا على سيدنا علي - رضي الله تعالى عنه -، <u>وإلا فيكفي فيهم اعتقادهم كفر من خرجوا عليه</u>.[2]

پس اپنی من چاہی فاسد تاویلات[3] کی بنیاد پر مسلمانوں کی تکفیر کرنا، ان کے جان و مال کو مباح قرار دینا اور پھر ان کے خلاف جنگ کرنا، یہ صفت جس گروہ میں پائی جائے، اسے 'خوارج' کہا جا سکتا ہے۔ خوارج کا حکم عائد کرنے کے لیے ان تمام صفات کا کسی گروہ میں متحقق ہونا لازم نہیں، جو اوائلِ خوارج میں پائی جاتی تھیں، مثلاً سیدنا علی و سیدنا معاویہ سمیت دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تکفیر کرنا، گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر قرار دینا، رجم کی سزا کا انکار کرنا وغیرہ۔

دوم: ہر گروہ سے متعلق شرعی احکام اس گروہ میں موجود صفات کے مطابق شریعت میں متعین ہوتے ہیں۔ جب معلوم ہوا کہ کوئی گروہ 'خوارج' میں سے ہے، مگر مخصوص صفات کا حامل ہے، تو اب انھی صفات کے مطابق اس کا حکم متعین ہو گا۔ اہلِ علم جانتے ہیں کہ اوائلِ خوارج کی تکفیر و عدمِ تکفیر کے حوالے سے بھی علماء میں اختلاف رہا ہے، مگر جمہور علمائے امت کے یہاں راجح قول عدمِ تکفیر کا ہے۔ اور اس کا سبب صحابہ کرام کا خوارج سے تعامل ہے، کہ انھوں نے ایسے خوارج کو عذر دیا اور ان کے ساتھ کفار والا معاملہ نہیں کیا۔ حالانکہ وہ خوارج ان صحابہ

---

[1] رد المحتار علی الدر المختار: ج ۶، ص ۴۱۲، دار عالم الکتب، الریاض

[2] أیضا: ج ۶، ص ۴۱۳

[3] یہاں ہم نے 'من چاہی فاسد تاویلات' کا لفظ استعمال کیا ہے، کیونکہ بعض عقائد و اعمال ایسے ہوتے ہیں جنھیں شریعتِ اسلامیہ 'کفر' قرار دیتی ہے، اور ان کے مرتکبین کی 'تکفیر' کرنا اور اس کے بموجب انھیں 'قتل' کرنا ایک برحق شرعی حکم ہے۔ اس کی کسوٹی 'شریعت' اور 'اہل السنۃ والجماعۃ کا منہج' ہے۔ یہ وضاحت اس لیے لکھ دی کہ آج طاغوتی حکومتیں اور ان کے زیرِ اثر بعض علماء عمومی طور پر 'مجاہدین' ہی کو 'خوارج' قرار دے دیتے ہیں کہ یہ مجاہدین مسلم ملکوں پر 'مغرب' کے مسلط کردہ 'ایجنٹ' حکمران طبقے کی تکفیر کرتے ہیں اور انھیں مباح الدم قرار دیتے ہیں۔ اس وضاحت سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ شرعی مسائل کی تطبیق میں اشتباہ پیدا نہ ہو۔

کی تکفیر تک سے گریزنہ کرتے تھے۔[1] لیکن محض غلط تاویل کی بنیاد پر مسلمان کی تکفیر کرنا، اس کی جان ومال کو مباح سمجھنا اور اسے قتل کرنا، یہ امور...... بلاشبہ انتہائی شنیع ہونے کے باوجود...... موجبِ تکفیر نہیں ہیں۔

وإنما لم نكفرهم لكونه عن تأويل وإن كان باطلا , بخلاف المستحيل بلا تأويل.

(قوله: بخلاف المستحيل بلا تأويل) أي من يستحل دماء المسلمين وأموالهم ونحو ذلك مما كان قطعي التحريم ولم يبنه على دليل كما بناه الخوارج كما مر؛ لأنه إذا بناه على تأويل دليل من كتاب أو سنة كان في زعمه إتباع الشرع لا معارضته ومنابذته، بخلاف غيره.[2]

اسی سبب سے یہ بات واضح رہے کہ جماعتِ داعش کی تکفیر کرنا اور اس کے افراد کو کافر قرار دینا، درست نہیں۔ ان کی گمراہی انھیں مسلمانوں کی ملت سے خارج نہیں کرتی؛ بہر حال وہ مسلمان ہیں۔

سوم: جماعتِ داعش کا حکم باغی مسلمانوں کا سا ہے۔ جہاں کہیں وہ جتھہ بندی کر چکے ہوں تو حسبِ مصلحت ان کے خلاف از خود قتال کی ابتداء کی جا سکتی ہے، اور یہ بھی جائز ہے کہ جب تک وہ قتال کی ابتداء نہ کریں، ان کے خلاف قتال نہ کیا جائے۔ ہر حال میں مقصد مسلمانوں کو ان کی طرف سے پہنچنے والے ضرر کی روک تھام ہے۔

(فإن تحيزوا مجتمعين حل لنا قتالهم بدءا حتى نفرق جمعهم) إذ الحكم يدار على دليله وهو الاجتماع والامتناع.

(قوله: حل لنا قتالهم بدءا) هذا اختيار لما نقله خواهر زاده عن أصحابنا أنا نبدؤهم قبل أن يبدؤنا؛ لأنه لو انتظر حقيقة قتالهم ربما لا يمكنه الدفع، فيدار على الدليل ضرورة دفع شرهم. ونقل القدوري أنه لا يبدؤهم حتى يبدؤه. وظاهر كلامهم أن المذهب الأول بحر، ولو اندفع شرهم بأهون من القتل وجب بقدر ما يندفع به شرهم زيلعي.[3]

فإن كانوا تكلموا بالخروج لكن لم يعزموا على الخروج بعد , فليس للإمام أن يتعرض لهم؛ لأن العزم على الجناية لم يوجد بعد , كذا ذكر في واقعات اللامشي.[4]

اسی بنا پر اگر ان کا فتنہ سر دنہ پڑا ہو تو دورانِ فتنہ ان کے جو افراد قید میں آئیں تو انھیں قتل بھی کیا جا سکتا ہے، لیکن اگر ان کی قوت ختم ہو گئی ہو تو اب کسی گرفتار قیدی کا قتل جائز نہیں۔

(والإمام بالخيار في أسرهم، إن شاء قتله وإن شاء حبسه) حتى يتوب أهل البغي، فإن تابوا حبسه أيضا حتى يحدث توبة سراج.

(قوله: إن شاء قتله) أي إن كان له فئة وإلا لا كما في القهستاني عن المحيط. قال في الفتح: ومعنى هذا الخيار أن يحكم نظره فيما هو أحسن الأمرين في كسر الشوكة لا بهوى النفس والتشفي.[5]

جبکہ ان میں سے جو فرد از خود (اسلحہ پھینک کر) تسلیم ہو جائے یا اسے امان دے کر تسلیم کروایا جائے تو ہر دو صورت میں اس کا قتل جائز نہیں۔

(ولو قال الباغي: تبت وألقى السلاح من يده كف عنه، ولو قال: كف عني لأنظر في أمري لعلي أتوب وألقى السلاح كف عنه، ولو قال أنا على دينك ومعه السلاح لا) لأن وجود السلاح معه قرينة بقاء بغيه، فمتى ألقاه كف عنه وإلا لا فتح.[6]

چہارم: چونکہ داعش مسلمانوں ہی میں سے ایک گروہ ہے، تو اس کے اموال کا حکم بھی مسلمانوں کے اموال کا ہے۔ ان کے اموال کسی حال میں بھی غنیمت نہیں کیے جا سکتے، چاہے جنگ کے بعد قبضے میں آئے ہوں۔

شرح السیر الکبیر میں درج ہے:

فإن قاتلوا فقال أمير أهل العدل: من قتل قتيلا فله سلبه. فقتل رجل قتيلا من الخوارج لم يكن له سلبه. لأنهم مسلمون وأموالهم محرزة بدار الإسلام فلا تكون غنيمة.[7]

ان کے اموال میں سے جنگی سامان یعنی اسلحہ وغیرہ عند الحاجہ دورانِ جنگ استعمال کیا جا سکتا ہے، مگر بعد از جنگ وہ غنیمت کے مال کے طور پر جنگ کرنے والے مجاہدین میں تقسیم نہ ہو گا۔ بلکہ یہ مال (بعینہٖ یا اس کی قیمت) صاحبِ مال کے مارے جانے کی صورت میں اس کے ورثاء میں تقسیم ہو گا، اور زندہ پکڑے جانے کی صورت میں اسے واپس لوٹایا جائے گا، اور ہر دو حال میں یہ مال اس وقت تک اپنے پاس محفوظ رکھا جائے گا جب تک صاحبِ مال یا اس کے ورثاء فتنے سے باز نہ آ گئے ہوں۔

ان کی خوراکی اشیاء کا استعمال دورانِ جنگ صرف اسی صورت میں جائز ہو گا جب 'اضطرار' کی کیفیت ہو اور خوراک کا اپنا کوئی انتظام نہ ہو، ورنہ جائز نہ ہو گا۔

(ولم تسب لهم ذرية وتحبس أموالهم إلى ظهور توبتهم) فترد عليهم، وبيع الكراع أولى لأنه أنفع فتح ويقاس عليه العبيد نهر (ونقاتل بسلاحهم وخيلهم عند الحاجة، ولا ينتفع بغيرهما من أموالهم مطلقا) ولو عند الحاجة سراج.[8]

---

[1] تاہم یہ بات علمائے کرام نے لکھی ہے کہ اگر آج کوئی گروہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نعوذ باللہ تکفیر کرے، تو وہ کفر کے حکم سے نہیں بچے گا۔

[2] رد المحتار؛ ج۶، ص ۴۱۳، ۴۱۴

[3] أیضا؛ ج۶، ص ۴۱۵، ۴۱۶

[4] أیضا؛ ج۶، ص ۴۱۲

[5] أیضا؛ ج۶، ص ۴۱۷

[6] أیضا؛ ج۶، ص ۴۱۸

[7] شرح السیر الکبیر؛ ج۲، ص ۲۱۹، دار الکتب العلمیۃ، بیروت لبنان

[8] رد المحتار؛ ج۶، ص ۴۱۷، ۴۱۸

پنجم: اوپر بیان کردہ حکم داعش سے وابستہ افراد کی اپنی ملکیت میں موجود اموال سے متعلق ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ بالعموم داعش جیسا گروہ اپنا الگ بیت المال (مالِ عام) رکھتا ہے اور بیشتر اسلحہ افراد کی اپنی ملکیت کی بجائے بیت المال کا ہوتا ہے۔ اب ایسے میں ایسے اموال جو کسی خاص فرد کی ملکیت نہیں ہیں، وہ مالِ عام کی حیثیت سے ہی امرائے مجاہدین کے پاس بیت المال میں جمع کیے جائیں گے اور مصلحتِ مسلمین میں استعمال ہوں گے۔

ششم: داعش کے خلاف جنگ کرنے والے امرائے مجاہدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اموال کی اس تقسیم کو ملحوظ رکھیں اور پوری تحقیق کی کوشش کریں کہ کون سے اموال شخصی ہیں اور کون سے اموال مالِ عام سے تعلق رکھتے ہیں، تاکہ بموجبِ حکم شرعی ان اموال میں تصرف کیا جائے۔ اور جہاں انتہائی کوشش کے باوجود تحقیق کا کوئی امکان نہ ہو تو ایسامال بحکم 'لقطة' بیت المال میں جمع کر دیا جائے۔ اس لقطة میں ملتقط عام سپاہی نہیں، بلکہ امرائے جماعت ہیں جن کے حکم سے جنگ ہو۔ لہٰذا اعلان کر دیا جائے کہ جس شخص کا مال ہے، وہ دعویٰ کر کے وصول کر لے۔ اگر صاحبِ مال حاضر ہو جائے تو ٹھیک، وگرنہ جب صاحبِ مال کی معرفت کا کوئی امکان نہ بچے تو بیت المال کے مصارف میں استعمال کیا جائے۔

> وفي الحاوي: غريب مات في بيت إنسان ولم يعرف وارثه فتركته كلقطة، ما لم يكن كثيرا فلبيت المال بعد الفحص عن ورثته سنين.
>
> (قوله: ما لم يكن كثيرا) ذكر الضمير على تأويل التركة بالمتروك والظاهر أن المراد بالكثير ما زاد على خمسة دراهم لما في البحر عن الخلاصة والولوالجية: مات غريب في دار رجل ومعه قدر خمسة دراهم فله أن يتصدق على نفسه إن كان فقيرا كاللقطة وفي الخانية ليس له ذلك؛ لأنه ليس كاللقطة. قال في البحر والأول أثبت وصرح به في المحيط.[1]
>
> وقد مر أن من مات بعد الإحراز يورث نصيبه، ولكن لما جهلت أصحاب الحقوق وانقطع الرجاء من معرفتهم صار مرجعها إلى بيت المال.[2]

یہاں یہ نکات خود مجاہدین اور قارئین مجلہ کے سامنے واضح کرنا مقصود تھے، تاکہ جہاں کہیں بھی داعش سے سابقہ پڑے تو احکام شرعیہ کی پابندی کی جاسکے۔ چونکہ مجلہ میں بیان کردہ واقعے کا تعلق افغانستان میں موجود داعش کے خلاف امارتِ اسلامیہ کے مجاہدین کی جنگ سے ہے، تو ہم نے اپنے تئیں جو معلومات کیں تو معلوم ہوا کہ امیر المؤمنین شیخ ہبۃ اللہ حفظہ اللہ کی طرف سے داعش سے حاصل شدہ اموال کو غنیمت کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ شاید صاحب مضمون کو اشتباہ ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو شرعی احکام کے مطابق...... علی منهاج النبوة...... اپنا جہاد و قتال جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

والسلام علیکم

لجنۂ شرعیہ- القاعدہ برِّ صغیر

ذیقعدہ ۱۴۴۱ھ

بقیہ: صفا و مروہ

صفا و مروہ استعارہ ہے ہر ایک مہاجرہ عورت کے لیے۔ ہر عورت کے لیے جو اس رستے میں نکلتی ہے کہ اسے تنہائی اور اولاد کی آزمائش سے گزرنا پڑے گا۔

وہ اپنی تکلیف و پریشانی یکسر بھول گئی کہ "اللہ مجھے ضائع نہیں کرے گا"۔

اس جملے نے اس کا دل بالکل ہلکا کر دیا۔ اور حضرت ہاجرہ کا کردار اس کی نگاہوں کے سامنے جھلملانے لگا۔

قوم پرست حکومتوں کا معیارِ عزت وعظمت

"قوم پرست حکومتوں کا معیار عزت وعظمت یہ ہے کہ زمین کے بڑے بڑے رقبہ پر ان کا تسلط و اقتدار ہو، ملک کی حدود وسیع اور ذرائع آمدن وافر ہوں، اپنی مرضی کو دوسروں پر مسلط کرنے اور ہمسایہ قوموں، یا حریف سلطنتوں کو خوف زدہ کرنے کا ان کے پاس پورا سامان ہو، ملک کے افراد میں قومی برتری، نسلی تفوق، اپنی قدیم تہذیب اور ادب و زبان اور تاریخ ماضی پر فخر و مباہات کا جذبہ پایا جاتا ہو اور دوسری معاصر قوموں کی کمزوری اور تہذیبی و ادبی بے مائیگی پر ایمان راسخ ہو۔ وہ ملک و سلطنت کی عزت وعظمت کی خاطر بڑے بڑے مجرمانہ و وحشیانہ اعمال کا بے تکلف ارتکاب کر سکتے ہوں، اور اپنی قوم اور اس کے افراد کو حقیر سے حقیر فائدہ پہنچانے کے لیے بڑی سے بڑی حق تلفی اور ناانصافی میں ان کو باک نہ ہو ایسی حکومت کا اخلاقی معیار خوہ کتنا ہی پست ہو اس کے شہری، اخلاقی شعور، انسانیت کے احترام اور اصول کی پابندی سے خواہ کتنے ہی بیگانہ ہوں، اور وہ حکومت عزت وعظمت کے بلند معیار پر فائز اور دنیا کی ایک خاص قابل احترام اور لائق تقدیس حکومت ہے۔"

(مفکرِ اسلام حضرت مولانا سیّد ابو الحسن علی ندوی رحمہ اللہ)

[1] أیضا، ج ٦، ص ٤٤٣

[2] أیضا، ج ٦، ص ٢٦٥

سوادِ اعظم کیا ہے؟

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ایک فرمان کو بنیاد بناتے ہوئے ”...... تم سوادِ اعظم کا ساتھ دو...... الخ“، یہ خیال راسخ وعام ہو رہا ہے کہ شرعی معیارات سے قطعِ نظر، جس طرف زیادہ لوگ ہیں، وہی ”جماعتِ حق“ ہے۔ اسی خیالِ فاسد کی اصلاح کے لیے فقہِ حدیث کی مایۂ ناز کتاب ”اعلاء السنن“ کے مؤلف المحدث، الفقیہ، علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب تھانوی (نوّر اللہ مرقدہٗ) کی تحریر پیشِ خدمت ہے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ اہلِ حق گو قلیل ہی کیوں نہ ہوں، ان کا ساتھ درحقیقت سوادِ اعظم (جماعت) کا ساتھ ہے، اور اہلِ باطل خواہ کثیر ہی کیوں نہ ہوں، ان کا ساتھ دراصل جماعت سے افتراق اور ناحق کی اتباع ہے۔ یہاں اس بات کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ یہاں علما و اہلِ دین کی جماعتِ کثیرہ کی ہر معاملے میں اتباع یا ساتھ کی بات کی جا رہی ہے نہ کہ اس وقت رائج دنیا کے معروف و مشہور نظام 'جمہوریت' کی جس میں جہلا اور بے دین لوگوں کی اکثریت بھی واجبِ اتباع سمجھی جاتی ہے۔ پھر یہ بات بھی درجِ ذیل تحریر کے مطالعے سے واضح ہو جائے گی کہ شرعی معیارات کی قید لگائے بغیر محض علما و اہلِ دین کی کثیر تعداد کی اتباع 'سوادِ اعظم' یا 'دنیوی و اخروی' فلاح نہیں ہے تو جمہوری نظام میں نیک و بد اور عالم و جاہل کی قید کے بغیر کثرت کی پیروی کیسے فلاح کا ذریعہ ہو سکتی ہے۔ یہ تحریر 'فقہ و فتاویٰ' کی مشہور کتاب 'امداد الاحکام' سے اخذ کردہ ہے جو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی (قدس سرہٗ) کی زیرِ نگرانی تالیف و ترتیب دی گئی ہے۔ ترتیبِ نو کرتے ہوئے ہمارے ساتھی مولانا ابو ثنیٰ عبد الکبیر (حفظہ اللہ) نے پرانے حوالہ جات کو برقرار رکھتے ہوئے نئی تخریجات بھی درج کر دی ہیں۔ اللہ پاک اپنے دین کے مبادی و مفاہیم اہلِ ایمان میں عام فرمائیں اور ہمیں بخش دیں، آمین یا ربّ العالمین! (ادارہ)

ففي تهذيب التهذيب: في ترجمته قال أبو حاتم: منكر الحديث ليس بالقوى۔ الیٰ ان قال۔ ونقل ابن الجوزي عن ابن معين أنه قال في الاعمى الراوي عن أنس كذاب وجزم الدارقطني في الأفراد بأن اسم أبي خلف الراوي عن أنس حازم بن عطاء وأنه تفرد بالحديث الذي أخرجه ابن ماجة۔[1] اھ ج۱۲، ص۸۸، ۸۷

مشکوٰۃ میں اس حدیث کو ابن عمر کی طرف منسوب کر کے دوسرے الفاظ میں نقل کیا ہے، لیکن کسی کتاب کا حوالہ نہیں لکھا، بلکہ بیاض چھوڑ دی ہے۔ میرک شاہ نے اس میں رواہ ابن ماجہ عن انس ملحق کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث بروایت ابن عمران کو نہیں ملی اور حدیث انس کا ضعیف ہونا معلوم ہو چکا ہے، لہٰذا یہ بھی کچھ مفید نہ ہوئی۔ لیکن مقاصد حسنہ میں حدیث لا يجمع امتي على ضلالة کے طرق جمع کرتے ہوئے حافظ سخاوی نے فرمایا ہے:

وأبو نعيم في الحلية والحاكم في مستدركه وأعله واللالكائي في السنة وابن منده ومن طريقة الضياء في المختارة عن ابن عمر رفعه: إن الله لا يجمع هذه الأمة على ضلالة أبداً وإن يد الله مع الجماعة فاتبعوا السواد الأعظم فإنه من شذ شذ في النار، وهكذا هو عند الترمذي لكن بلفظ: هذه الأمة، أو قال: أمتي،[2] اھ، ص۲۱۵

اس سے معلوم ہوا کہ ابن عمر سے اس حدیث کو ضیاء مقدسی نے بھی مختارہ میں نقل کیا ہے اور اس کے الفاظ قریب قریب مشکوٰۃ ہی کے الفاظ ہیں، لیکن اس پر کلام یہ ہے کہ ترمذی نے ابن عمر سے جس سند کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے اس میں ایک راوی سلیمان بن سفیان متفق علیہ ضعیف و منکر الحدیث ہے۔ تہذیب میں کسی سے بھی اس کی توثیق نقل نہیں کی۔ إلى ان قال و ذكره ابن حبان في الثقات وقال كان يخطى۔ اور عبد اللہ بن دینار سے تو اس کی روایت خصوصیت کے ساتھ منکر ہے۔

قال ابو زرعة منكر الحديث روى عن عبدالله بن دينار ثلثة احاديث كلها يعني مناكير اھ (ج۴، ص۱۹۴) ترمذی نے حدیث بیان کر کے کہا ہے کہ هذا حديث غريب من هذا الوجه وسليمان المديني هو عند سليمان بن سفيان اھ (ج۲، ص۳۹)[3]

پس اگر ضیاء مقدسی نے بھی مختارہ میں اسی سند سے حدیث کو روایت کیا ہے تب تو وہ ہرگز قابل احتجاج نہیں اور اگر دوسری سند سے نقل کیا ہے تو یہ معلوم نہیں کہ ضیاء مقدسی کے الفاظ کیا ہیں کیونکہ اصحاب اطراف و جامعین طرق کی عادت ہے کہ وہ فی الجملہ مشارکۃ معنیٰ سے ایک حدیث کو متعدد مخرجین کی طرف منسوب کر دیتے ہیں حالانکہ الفاظ ہر ایک کے جدا جدا ہوتے ہیں۔

چنانچہ اسی جگہ حافظ سخاوی نے اس حدیث کو ترمذی کی طرف منسوب کیا ہے۔ حالانکہ ترمذی میں فاتبعوا السواد الأعظم کا لفظ نہیں ہے۔ مگر چونکہ حافظ کو لا يجمع أمتي على ضلالة کے طریق کا بیان کرنا مقصود ہے اور یہ مضمون ترمذی میں تھا، اس لیے اس حدیث کو ترمذی کی طرف منسوب کر دیا تو ممکن ہے کہ اسی طرح ضیاء فی المختارہ نے بھی لا يجمع أمتي على ضلالة کے مضمون کو بدون لفظ فاتبعوا السواد الأعظم کے روایت کیا ہو، اس لیے ضیاء مقدسی کے مختارہ کی طرف اسی حدیث کا منسوب ہونا بلفظ مذکور اس کی صحت کی دلیل نہیں ہو سکتی۔

اور اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ حافظ سخاوی نے حدیثِ ابن عمر کو جن الفاظ سے نقل کیا ہے ضیاء مختارہ کے بھی الفاظ ہیں تب بھی یہ حدیث سائل کو مفید نہیں، کیونکہ اس میں اختلاف کا ذکر نہیں جس سے یہ مضمون مستنبط کیا جائے کہ اختلاف علما کے وقت سواد اعظم کا اتباع واجب بلکہ اس سے سواد اعظم کا وجوب بطریق اطلاق ثابت ہوتا ہے جو ہمارے نزدیک حالت اتفاق پر

---

[1] تهذيب التهذيب۔ الجزء الثاني عشر۔ باب الكنى۔ حرف الخاء

[2] المقاصد الحسنة للسخاوي۔ حرف لام ألف

[3] ليس عن الترمذي قوله فاتبعوا السواد الاعظم

محمول ہے، یعنی جب سواد اعظم یعنی جمیع علما امت کسی مسئلہ پر اتفاق کرلیں تو اس کا اتباع واجب ہے اور اس سے اجماع کی حجیت ثابت ہوتی ہے نہ کہ اختلاف علما کے وقت قول جمہور کی حجیت!

اختلاف کے وقت سواد اعظم کا اتباع ہونا صرف ابن ماجہ کی حدیث سے معلوم ہو رہا ہے جس کا ضعیف ہونا اوپر معلوم ہو چکا ہے۔ اور حافظ سخاوی نے ابن ماجہ کے ساتھ مسند عبد کی طرف بھی ان الفاظ کو منسوب کیا ہے۔ مگر مسند عبد کی سند معلوم نہیں لیکن اتنا معلوم ہے کہ مسند عبد میں بھی یہ حدیث بروایت انس ہے جس سے ظاہر یہ ہے کہ اس میں بھی ابو خلف اعمیٰ موجود ہے۔ کیونکہ دار قطنی نے حدیث انس مذکور فی ابن ماجہ کو افراد ابی خلف سے بتایا ہے۔ لہٰذا ایں الفاظ یہ حدیث حجت نہیں ہو سکتی، اور بعد تسلیم کے ہم یہ کہتے ہیں کہ حدیث ابن ماجہ سے بھی سائل کا مدعی حاصل نہیں کیونکہ اس میں بھی یہ تصریح نہیں کہ جب علما میں اختلاف ہو تو علما کی جماعت کثیرہ کا اتباع لازم ہے بلکہ اس کا مضمون اس قدر ہے کہ میری امت ضلالت پر مجتمع نہیں ہو سکتی پس جب تم اختلاف دیکھو تو سواد اعظم کا اتباع کرو۔

ہمارے نزدیک سواد اعظم سے صرف علما مراد ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ جب جہلائے امت علما سے اختلاف کریں تو علما کا اتباع واجب ہے۔ یہ مطلب اس سے نہیں نکلتا کہ علما میں اختلاف ہو تو ان کی جماعت کثیرہ کا اتباع لازم ہے، بلکہ علما میں سے ہر واحد کا اتباع جائز ہے خواہ وہ واحد ہو یا جماعت کثیرہ۔ کیونکہ ہم اس سے پہلے زاد المعاد کی عبارت نقل کر چکے ہیں کہ صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے وقت سے اس وقت تک مخالفت جمہور کے جواز پر اجماع ہو چکا ہے اور کسی نے کسی امام کا قول یہ کہہ کر رد نہیں کیا کہ یہ قول جمہور کے خلاف ہے اس لیے رد ہے۔

لہٰذا اس حدیث ضعیف کو اسی معنی پر محمول کرنا واجب ہے جو ہم نے بیان کیے ہیں، تاکہ اجماع کی مخالفت لازم نہ آئے فافهم۔ اور **علما کا ہی اختلاف مراد ہو تو اس میں اختلاف فی الفروع مراد نہیں بلکہ اختلاف فی الأصول والاعتقادیات مراد ہے** جیسا کہ مرقاۃ سے یہی تفصیل ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ مرقاۃ میں اس کے بعد سواد اعظم کے چند معنی اور لکھے ہیں:

وقيل المراد جمع المسلمين الذين هم في طاعة الإمام وهو السلطان الأعظم اهـ

اس صورت میں اختلاف مذکور فی الحدیث سے امور انتظامیہ میں اختلاف مراد ہو گا نہ کہ مسائل شرعیہ میں۔ اس کے بعد لکھا ہے:

وقيل كل عالم عامل بالكتاب والسنة في الأزهار اتبعوا السواد الأعظم يدل على أن أعاظم الناس العلماء وإن قل عددهم ولم يقل الأكثر لأن العوام والجهال أكثر عددا[1] اهـ ج١، ص٢٠٦

اس سے یہ معلوم ہوا کہ سواد اعظم سے ہر وہ عالم مراد ہے جو کتاب و سنت پر عامل ہو نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ کثرت قائلین معتبر نہیں کیونکہ کثرت تو جہال ہی کی ہے۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سواد اعظم فرمایا، سواد اکثر نہیں فرمایا۔ اور بعض علما نے سواد اعظم کی تفسیر کو صحابہ کے ساتھ خاص کیا ہے۔ لہٰذا اتنے احتمالات کے ہوتے ہوئے یہ حدیث جس کی صحت پر بھی کلام ہے کسی طرح سائل کو مفید نہیں ہو سکتی۔

رہی تیسری حدیث جو سائل نے ترمذی سے نقل کی ہے؛ عليكم بالجماعة وإيّاكم والفرقة اس سے اجماع علی الامام مراد ہے۔ یعنی جب ایک جماعت مسلمانوں کی کسی شخص کو امام تسلیم کرلے تو ان سے اختلاف مت کرو۔ اس سے بھی امور انتظامیہ میں اتباع جماعت کا امر معلوم ہوا بشرطیکہ مسلمانوں کا کوئی امام بھی ہو اور دلیل اس مراد کی بخاری کی یہ حدیث ہے:

من رأى من أميره شيئاً يكرهه فليصبر عليه فإنّه من فارق الجماعة شبراً فمات إلّا مات ميتةً جاهلية[2] اهـ ج١٣، ص٥ فتح الباري

اس حدیث میں مفارقت عن الجماعۃ کی وعید کو صبر علی الامام پر مرتب فرمانا صاف بتلا رہا ہے کہ جس مفارقت جماعت کی ممانعت ہے وہ امام سے مفارقت ہے۔ پس عليكم بالجماعة وإيّاكم والفرقة کا مطلب بھی واضح ہو گیا کہ موافقت امام کا امر ہے اور اس کی مخالفت اور مفارقت سے ممانعت ہے۔

ہم پہلے فتح الباری کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں کہ طبری نے علیکم بالجماعۃ کی اس تفسیر کو صواب قرار دیا ہے۔ اور بعض علما نے جماعت سے خاص جماعت صحابہ کو مراد لیا ہے۔ لہٰذا یہ حدیث بھی اس مضمون پر کسی طرح دلالت نہیں کرتی کہ اختلاف علما کے وقت جماعت کثیرہ کا اتباع واجب ہے اور جماعت قلیلہ یا عالم واحد کا اتباع جائز نہیں۔

اب میں چند واقعات پر اس بحث کو ختم کرنا چاہتا ہوں؛ جن سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ مسائل شرعیہ میں کثرت کی رائے پر حقانیت کا مدار نہیں رکھا گیا، بلکہ ہمیشہ قوت دلیل پر مدار رکھا گیا ہے۔ گو وہ شخص واحد کا قول ہو یا جماعت قلیلہ کا۔

١۔ اُساریٰ بدر کے واقعہ میں حضرت عمر و سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی رائے تمام صحابہ کے خلاف تھی اور سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے مبارک بھی عام آرا کے ساتھ تھی مگر وحی سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق فیصلہ ہوا، کثرت رائے پر فیصلہ کا مدار نہیں کیا گیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کبھی مفضول کی رائے فاضل کی رائے سے اصوب ہو سکتی ہے، گو اس کو بھی فاضل کا فعل شمار کیا جائے۔ حدیث پر نظر رکھنے والے اس واقعہ کو خوب جانتے ہیں۔

٢۔ جنگ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس آدمیوں کو ایک مورچہ کی حفاظت کے لیے متعین فرمایا اور ان سے یہ فرمایا تھا کہ تم کسی حال میں یہاں سے نہ ہٹنا خواہ ہم پر کچھ بھی حالت گزر جائے۔ جب مسلمانوں کا لشکر کفار پر غالب آ گیا اور اہل مکہ بے تحاشا بھاگنے لگے تو ان

[1] مرقاة الفاتيح شرح مشكاة المصابيح۔ كتاب الإيمان۔ باب الاعتصام بالكتاب والسنة

[2] صحيح البخاري۔ كتاب الفتن۔ باب قول النّبي صلى الله عليه وسلم: سترون بعدي أموراً تنكرونها

پچاس آدمیوں میں اختلاف ہوا۔ اکثر کی رائے یہ ہوئی کہ اب مورچہ پر رہنے کی کوئی ضرورت نہیں، دشمن مغلوب ہو چکا ہے ہم کو بھی غنیمت کا مال لوٹنا چاہیے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ کسی حال میں یہاں سے نہ ہٹنا بطور مبالغہ و تاکید کے تھا اور مقصد یہ تھا کہ وقتِ ضرورت تک یہاں سے نہ ہٹنا، اب ضرورت نہیں رہی! بعض کی رائے یہ ہوئی کہ نہیں! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح ممانعت کے بعد ہمیں یہاں سے نہ ہٹنا چاہیے۔ اس اختلاف کے بعد چالیس آدمیوں نے مورچہ چھوڑ دیا اور دس آدمی وہیں جمے رہے۔ وحی سے ان دس آدمیوں کی رائے صائب (درست) قرار دی گئی اور چالیس کی رائے کو معصیت میں داخل کیا گیا۔

معلوم ہوا کہ اختلاف علما کے وقت جماعت قلیلہ کی رائے بھی حق ہو سکتی ہے۔ بخاری و فتح الباری سے معلوم ہوتا ہے کہ بجز عبداللہ بن جبیر کے، جو ان پچاس تیر اندازوں کے افسر تھے اور سب کی بھی رائے ہوئی کہ ہم کو لشکر میں شامل ہو کر غنیمت لوٹنی چاہیے۔

۳۔ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اور دفن کے بعد سب سے پہلا کام حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ اول نے یہ کیا کہ لشکر اسامہ کو شام کی طرف بھیجنا چاہا، جس میں مہاجرین اولین و اجل صحابہ شامل تھے۔ تقریباً تمام صحابہ نے ان کی اس رائے کی مخالفت کی اور عرض یہ کیا کہ اس وقت قبائل عرب میں اختلاف و ارتداد کے آثار ظاہر ہو گئے ہیں، آپ کو اس لشکر کے مدینہ میں رکھنے کی زیادہ ضرورت ہے۔ مگر حضرت صدیق اکبر نے یہ کہہ کر ان کی رائے کو رد کر دیا:

والله! لا أحل راية عقدها رسول الله صلى الله عليه وسلم[1]

”بخدا میں اس جھنڈے کو کبھی نہ کھولوں گا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے باندھا ہے۔“

اور ابن اثیر نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

والذي نفسي بيده لو ظننت أن السباع تختطفني لأنفذت جيش أسامة كما أمر النبي صلى الله عليه وسلم[2] اھ ج۲، ص۱٦۱

”قسم اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر مجھ کو اس کا بھی یقین ہو جائے کہ اس لشکر کے بھیجنے کے بعد مجھ کو درندے پھاڑ ڈالیں گے، تب بھی میں جیش اسامہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے موافق بھیج کر رہوں گا۔“

چنانچہ لشکر روانہ ہوا اور کسی صحابی نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ کہنے کی جرأت نہ کی کہ یہ مسئلہ اختلافی ہو گیا ہے اس میں آپ کو تنہا اپنی رائے پر نہ اڑنا چاہیے، جماعت کے مشورہ پر عمل کرنا چاہیے۔ بلکہ بعد میں سب کو اقرار کرنا پڑا کہ جیش اسامہ کے بھیجنے میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رائے صحیح تھی۔ دیکھو کامل ابن اثیر ج۲، ص۱٦۲

۴۔ اسی طرح حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے وصال نبوی کے بعد یہ ہوئی کہ جن قبائل نے زکوۃ دینے سے انکار کر دیا ہے ان پر جہاد کیا جائے۔ اس میں بھی تمام صحابہ کی رائے ان کے خلاف تھی کہ جب وہ لوگ کلمۂ توحید و رسالت کا اقرار کرتے ہیں تو ان سے چند اونٹوں اور بکریوں کے لیے کیونکر جہاد کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رائے سے مخالفت کی اور یہ کہا کہ آپ کو اس معاملہ میں نرمی اور تالیفِ قلوب سے کام لینا چاہیے۔ جس کا جواب نہایت سختی کے ساتھ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان لفظوں میں دیا:

أجبار فى الجاهلية وخوار فى الإسلام؟ إنه قد انقطع الوحي وتم الدين أينقص وأنا حي؟ رواه رزين مشكوٰة ج١، ص٢٧٥

”اے عمر! یہ کیا کہ تم جاہلیت میں تو ایسے زبردست تھے اور اسلام میں اتنے بودے! وحی منقطع ہو چکی ہے اور دین مکمل ہو چکا، تو کیا میری زندگی ہی میں اس میں نقصان آ جائے گا؟“

بالآخر صحابہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے کے آگے گردنیں جھکا دیں اور کسی نے جرأت کر کے یہ عرض نہ کیا کہ مسئلہ اختلافی ہو گیا ہے، اس میں آپ کو جماعت کثیرہ کی رائے پر عمل کرنا چاہیے، تنہا اپنی رائے کو نہ چلانا چاہیے۔ بلکہ بعد میں صحابہ نے اس کا اقرار کیا کہ اگر اس وقت ابو بکر نہ ہوتے تو ہم سب ہلاکت میں پڑ چکے تھے۔

قال عبدالله بن مسعود: لقد قمنا بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم، مقاماً كدنا نهلك فيه لولا أن الله منّ علينا بأبي بكر، أجمعنا على أن لا نقاتل على ابنة مخاض وابنة لبون، وأن نأكل قرى عربية ونعبد الله حتى يأتينا اليقين، فعزم الله لأبي بكر على قتالهم، الخ۔ كامل ابن الاثير ج٢، ص١٦٥[3]

اس واقعہ سے فقہا کے اس قول کی تائید ہو گئی کہ خلاف واحد بھی قادح اجماع ہے کیونکہ اس وقت بجز صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اور تمام صحابہ کی رائے تھی کہ مانعین زکوۃ سے قتال نہ کرنا چاہیے۔ مگر سب کی رائے غلط تھی اور حضرت صدیق ہی کی رائے صواب تھی۔

نیز ان واقعات سے ان لوگوں کو بھی اپنی غلطی کی اصلاح کرنی چاہیے جو یوں کہتے ہیں کہ اسلام نے جمہوری حکومت کی تعلیم دی ہے۔ وہ آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ ارسال جیش اسامہ و قتال اہل ردّت کے معاملے میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کس دلیری کے ساتھ اپنی شخصی رائے پر عمل کیا اور تمام صحابہ نے کس اخلاص کے ساتھ ان کی رائے کا اتباع کیا۔

---

[1] امداد الاحکام میں رایۃ کے لفظ کی جگہ لواء مذکور ہے۔ چونکہ البداية والنهاية ((سنة إحدى عشرة من الهجرة، باب ذكر عبيده عليه الصلاة والسلام وإمائه وذكر خدمه وكتابه وأمنائه)) میں رایۃ ملا ہے، اس لیے اسے ذکر کیا گیا ہے۔

[2] الكامل فى التاريخ لإبن أثير۔ المجلد الثانى، ذكر أحداث سنة إحدى عشرة۔ ذكر إنفاذ جيش أسامة بن زيد

[3] الكامل فى التاريخ لإبن أثير۔ المجلد الثانى، ذكر أحداث سنة إحدى عشرة۔ ذكر خبر طليحة الأسدي

اسلام میں یہ تعلیم ضرور ہے کہ خلیفہ و امام جماعت مسلمین کے مشورہ سے مقرر ہونے چاہییں، بشرطیہ کہ خلیفۂ سابق نے کسی کو اپنی نیابت و خلافت کے لیے نامزد نہ کیا ہو، ورنہ پھر مشورہ کی ضرورت نہیں بلکہ خلیفہ کا مقرر کردہ شخص اگر نااہل نہ ہو تو سب سے مقدم ہو گا۔ بعد خلیفہ مقرر ہو جانے کے تمام نظم و نسق سلطنت کا اس کی ذاتی رائے پر ہو گا۔ البتہ خلیفہ کو اصحاب علم و فہم سے مشورہ کرتے رہنا مستحب ہے، لیکن مشورہ کا قبول کرنا اس کے ذمہ لازم نہیں۔ اگر اس کی رائے مشیرین کی رائے سے موافقت کر جائے تو قبول کر لے ورنہ اپنی رائے پر عمل کرنے کا اسے کامل اختیار ہے، اور مسلمانوں کو اس کا اتباع واجب ہے، بشرطیہ کہ اس میں کوئی معصیت لازم نہ آتی ہو۔

لانه لا طاعةَ لِمخلوقٍ في معصيةِ الخالق ومر ذكره سابقاً فتدبر۔[1]

۵۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جو مشاجرات ہوئے ان میں تقریباً تمام صحابہ کی رائے تھی کہ صاحبِ حق کی اعانت کرنا چاہیے۔ چنانچہ جس طرح ان کی ایک بڑی جماعت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھی، اسی طرح کثیر جماعت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی تھی۔ لیکن معدودے چند صحابہ کی یہ رائے تھی کہ دونوں سے الگ رہنا چاہیے، جیسے عبداللہ بن عمر، ابو موسیٰ اشعری، ابو مسعود انصاری، ابو بکرہ اور احنف بن قیس (رضی اللہ عنہم اجمعین)۔ مگر کہیں یہ بات ثابت نہیں کہ ان معدودے چند حضرات کو کسی نے مخالفتِ جمہور کی وجہ سے فاسق و فاجر یا بزدل کا خطاب دیا ہو۔

معلوم ہوا کہ مسائل شرعیہ میں جمہور کا قول و فعل حجت ملزمہ نہیں ہے۔ ورنہ یہ معدودے چند صحابہ جمہور کی مخالفت نہ کرتے۔ نیز معلوم ہوا کہ اگر کسی عالم کا قول جمہور کے خلاف ہو تو وہ فاسق وغیرہ نہیں بن جاتا، بلکہ ممکن ہے کہ اسی کی رائے صواب ہو اور جمہور کی رائے غلط ہو۔[2]

۶۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد بجز عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ و امام حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے تمام صحابہ و تابعین نے یزید کی بیعت قبول کر لی تھی اور اجلہ صحابہ نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو یزید پر خروج کرنے سے بہت زور کے ساتھ منع بھی فرمایا تھا، جبکہ تاریخ دیکھنے والوں سے یہ واقعہ مخفی نہیں۔ پس اگر کثرتِ رائے پر حق و باطل کا مدار کیا جائے اور مشورۂ جماعتِ کثیرہ پر عمل کو واجب کہا جائے تو نعوذ باللہ حضرت امام سبط رسول کا باطل پر ہونا لازم آئے گا اور اس کو ہرگز کوئی مسلمان قبول نہیں کر سکتا۔ معلوم ہوا کہ قولِ جمہور حجت ملزمہ شرعیہ نہیں بلکہ اس کی مخالفت جائز ہے۔ اور ممکن ہے کہ جمہور کے خلاف جماعتِ قلیلہ یا شخصِ واحد کی رائے صحیح ہو۔

۷۔ مامون الرشید خلیفہ عباسی نے جس وقت خلق قرآن مسئلہ میں علمائے وقت کا امتحان لیا تو بجز احمد رحمۃ اللہ علیہ کے اور سب علما نے طوعاً یا کرھاً یا توریۃً قرآن کو مخلوق کہہ دیا تھا۔ چنانچہ بجز امام کے اور سب رہا کر دیے گئے اور حضرت امام احمد بن حنبل کو سالہا سال حبس اور ضرب کی مصیبت جھیلنا پڑی۔ اگر کثرتِ رائے پر حق کا مدار ہو تو امام احمد بن حنبل کا قول غلط ہونا چاہیے، حالانکہ امت مابعد کا اجماع ہے کہ اس مسئلہ میں امام ہی کا قول صحیح ہے اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اگر امام بھی قرآن کو مخلوق کہہ دیتے تو ہمیشہ کے لیے ساری امت اسی غلط مسئلہ کی قائل ہو جاتی۔ معلوم ہوا کہ جمہور کے خلاف قولِ شخصِ واحد صحیح ہو سکتا ہے۔

۸۔ انوار ساطعہ میں عبدالسمیع رام پوری نے جواز مولد نبوی بهئية كذائيه مبتدعه و استحسان قيام بوقت ذكر ولادت شريفه نبويه على صاحبها افضل الصلاة والتحية پر علاوہ دیگر دلائل کے ایک دلیل یہ بھی لکھی تھی کہ اس پر جمہور علما حرمین و مصر و عراق و شام و ہند کا اتفاق ہو چکا ہے، لہٰذا اس کی ممانعت اجماع کی ممانعت ہے۔ اس کے جواب میں حضرت قطب عالم مولانا گنگوہی قدس سرہ نے علاوہ دیگر جوابات کے ایک یہ بات بھی لکھی ہے کہ جن علما کے اتفاق کا انوار ساطعہ میں حوالہ دیا گیا ہے، مولانا احمد علی صاحب محدث سہارن پوری ان کے ہم عصر ہیں اور ان کا فتویٰ اس کے خلاف ہے، لہٰذا یہ اتفاق قابلِ اعتبار نہیں۔ کیونکہ خلاف عالمِ واحد بھی قادح اجماع ہے؛ ملاحظہ ہو براہین قاطعہ! معلوم ہوا کہ جمہور علما کا کسی مسئلہ میں اتفاق کر لینا جب کہ ایک عالم محقق بھی ان کے خلاف ہو، حجت نہیں اور شخصِ واحد کا قول بھی جمہور کے خلاف صحیح ہو سکتا ہے۔

۹۔ روى البخاري عن عبدالله بن عمرو فسمعته يقول: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إنّ الله لا ينزع العلم بعد أن أعطاكموه انتزاعاً ولكن ينتزعه منهم مع قبض العلماء بعلمهم فيبقى ناسٌ يستفتون فيفتون برأيهم فيضلون ويضلون اه فتح الباري ج۱۳، ص۲۴۱۔[3]

قال الحافظ في شرحه وقد أخرج ابن عبد البرّ في "كتاب العلم" من طريق عبدالله بن وهب سمعت خلّاد بن سلمان الحضرمي يقول حدّثنا درّاج أبو السّمح يقول: "يأتي على النّاس زمان يسمّن الرّجل راحلته حتّى يسير عليها في الأمصار يلتمس من يفتيه بسنّةٍ قد عمل بها، فلا يجد إلّا من يفتيه بالظّنّ" فيحمل على أنّ المراد الأغلب الأكثر في الحالين، (اى في حال وجود المجتهدين المقيدين وبقاء المقلدين الأقربين الى بلوغ درجة الاجتهاد المقيد كما يفهم من كلامه سابقاً) وقد وجد هذا مشاهداً ثمّ يجوز أن يقبض أهل تلك الصّفة ولا يبقى إلّا المقلّد الصّرف، وحينئذٍ يتصوّر خلوّ الزّمان عن مجتهد حتّى في بعض

---

[1] يويده قوله تعالىٰ وشاورهم فى الأمر فاذا عزمت فتوكل على الله لم يقل فاذا عزمتم فدل على ان الامام يستبد فى العزم بعد الشورى وليس للمشيرين فى العزم بنصيب

[2] قال القاضي الشوكاني فى النيل قال فى الفتح وقد اجمع الفقهاء على وجوب طاعة السلطان المتغلب والجهاد معه وان طاعته خير من الخروج عليه لما في ذلک من حقن الدماء وتسكين الدهماء ولم يستثنوا من ذالک الا اذا وقع من السلطان الكفر الصريح فلا تجوز طاعته في ذلک بل تجب مجاهدته لمن قدر عليها كما فى الحديث اه ولكنه لا ينبغى لمسلم ان يحط على من خرج من السلف الصالح من العترة وغيرهم على ائمة الجور فانهم فعلو ذلک باجتهاد منهم وهم اتقى الله واطوع لسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم فمن جاء بعدهم من اهل العلم اه ج۴، ص۸۴

[3] صحيح البخاري۔ كتاب الاعتصام بالكتاب والسنّة۔ باب ما يذكر من ذمّ الرّأي

الأبواب بل في بعض المسائل، ولكن يبقى من له نسبة إلى العلم في الجملة، ثمّ يزداد حينئذٍ غلبة الجهل وترئيس أهله، ج١٣، ص٢٤٣۔[1]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک زمانہ میں علما کم ہو جائیں گے اور جہلا ہی زیادہ رہ جائیں گے، لوگ جہلا کو سردار بنالیں گے اور ان سے استفتاء کریں گے۔ وہ محض اپنی رائے سے ان کو جواب دیں گے، جس سے خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کردیں گے۔ اور حافظ ابن حجر کے قول سے معلوم ہوا کہ یہ حالت اس زمانہ میں ہوگی جب کہ اجتہادِ مطلق ختم ہو جائے گا اور اجتہاد مقید باقی رہ جائے گا یا ایسے مقلدین رہ جائیں گے جن میں بعض اجتہاد مقید کے قریب ہوں گے۔ اس زمانہ میں غالب حالت یہی ہوگی جو حدیثِ مذکور میں ہے۔ گو بعضے سنت کے موافق جواب دینے والے بھی ہوں گے، پھر بھی ممکن ہے کہ یہ حالت بھی رہے۔ اور بعض ابواب بلکہ بعض مسائل میں بھی اجتہاد کرنے والے نہ رہیں گے بلکہ صرف خالص مقلدین رہ جائیں جن میں سے بعض ایسے بھی ہوں گے جن کو فی الجملہ علم سے نسبت ہوگی۔ اس وقت جہل کا غلبہ زیادہ ہو جائے گا اور لوگ جہلا کو ہی اپنا سردار بناویں گے۔

میں کہتا ہوں کہ صاحبِ بصیرت پر یہ بات مخفی نہیں کہ یہ زمانہ اسی حالت کا مصداق ہے جس کو حافظ رحمہ اللہ نے سب سے آخر میں بیان کیا ہے، کیونکہ اجتہاد مقید کے درجہ پر کوئی نہیں بلکہ اس کے قریب بھی نہیں۔ پس اکثر علما محض مقلد ہیں اور حافظ رحمہ اللہ کے قول کے موافق مشاہدہ ہو رہا ہے کہ آج کل جہلا کو زیادہ تر سردار بنایا جا رہا ہے۔ جس نے درسیات ختم کرلیں، محض وعظ و تقریر کی مشق کرلی، اس کو مولانا کا خطاب اور مقتدا کا لقب دے دیا گیا۔ خواہ اس کو قرآن و حدیث کی فہم حاصل ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ بلکہ افسوس یہ ہے کہ آج کل تو بعض ان لوگوں کو بھی مقتدا بنایا جاتا ہے جس کو متنبّی اور ابو نواس کی طرح عربی لکھنے اور بولنے کی کسی قدر مشق ہوگئی ہو اور ان کا تمام سرمایۂ عمر بجز عربی بولنے اور تاریخ لکھ لینے اور معقول و فلسفہ کی باتیں بیان کردینے کے کچھ نہیں۔

جہلا تو درکنار افسوس ہے کہ اہل علم بھی ان کے تبحر و ہمہ دانی کے معتقد ہیں۔ حالانکہ قرآن و حدیث اور فقہ سے ان کو ذرا بھی مس نہیں اور عمل کا تو پوچھنا ہی کیا۔ اور اس سے بھی زیادہ افسوس ناک حالت یہ ہے کہ بعض لوگ جس کی ساری عمر انگریزی خوانی میں صرف ہوتی ہے، حدیث و فقہ اور تفسیر کو آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا، لیکن فطری طور پر ان کو بیان اور تقریر پر کسی قدر قدرت حاصل ہے، ان کو بھی آج کل مقتدا اور پیشوا مانا جاتا ہے۔ عوام تو عوام، حیرت یہ ہے کہ بعض اہل علم بھی ان کو فخر قوم، مولانا فلاں کے لفظ سے یاد کرتے ہیں اور اپنے قلم سے ان کو مولانا لکھ کر عامۃ المسلمین کو دھوکہ دیتے ہیں، فإلی اللہ المشتکی۔

پس یقیناً یہی وہ زمانہ ہے جس کی نسبت حدیث میں پیش گوئی ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ لوگ جہلا کو سردار بنائیں گے جو اپنی رائے سے مسائل شرعیہ کا جواب دیا کریں گے جس سے خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ ایسے زمانۂ غلبۂ جہل میں کسی طرف علما کی زیادہ تعداد کا ہونا کیونکر حقانیت کی دلیل ہو سکتی ہے؟

قال الحافظ في شرح البخاري تحت حديث لا تزال طائفة من امتي الخ ناقلا عن النووى ولا يلزم أن يكونوا مجتمعين في بلد واحد، بل يجوز اجتماعهم في قطر واحد وافتراقهم في أقطار الأرض، ويجوز أن يجتمعوا في البلد الواحد وأن يكونوا في بعض منه دون بعض، ويجوز إخلاء الأرض كلّها من بعضهم أوّلا فأوّلا إلى أن لا يبقى إلّا فرقة واحدة ببلدٍ واحد اھ ج١٣، ص٢٥١۔[2]

امام نووی کے قول سے معلوم ہوا کہ کسی وقت ایسا ممکن ہے کہ تمام زمین اہل حق سے خالی ہو جائے اور بجز ایک فرقہ کے جو ایک شہر میں ہو، کوئی حق پر نہ رہے۔ اہلِ انصاف غور فرمائیں کہ جب امت میں ایسی حالت کا ظہور بھی ممکن ہے تو اس وقت کسی طرف جماعتِ کثیرہ کا ہونا ان کی حقانیت کی دلیل کیونکر ہو سکتی ہے؟ پس حدیث اتبعوا السواد الاعظم کا اگر وہ مطلب بھی تسلیم کرلیا جاوے جو بعض لوگ بیان کرتے ہیں تو اس کو زمانہ خیر القرون پر محمول کرنا لازم ہے تاکہ دیگر حدیث سے معارضہ لازم نہ آئے۔

بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

فإنّه لايأتي عليكم زمان إلّا الّذي بعده شرٌّ منه حتّى تلقوا ربّكم سمعته من نبيّكم صلّى الله عليه وسلم۔ فتح الباري، ج١٣، ص١٧۔[3]

''جو زمانہ آتا ہے اس سے اگلا زمانہ اس سے بدتر ہوتا ہے، یہاں تک کہ تم خدا تعالیٰ سے ملاقات کرو۔ میں نے اس کو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔'' انتہیٰ فتح، اس سے معلوم ہوا کہ زمانۂ نبوت سے جس قدر بُعد ہوتا جاتا ہے غلبۂ شر ہوتا جاتا ہے۔ پھر ایسی حالت میں جس طرف قائلین کی کثرت ہو اس طرف خیر اور حقانیت ہونے کی کیا دلیل ہے اور جماعتِ قلیلہ یا شخصِ واحد کے قول کو محض مخالفتِ جمہور کی بنا پر غلط کیونکر کہا جا سکتا ہے؟ جب تک کوئی دلیل شرعی قطعی یا ظنی اس پر قائم نہ کی جاوے، محض مخالفت جمہور غلطی کی دلیل نہیں شرعاً!

والله اعلم وعلمه اتم واحكم وهذا اخير ما اردت ايراده في هذه العجالة وصلى الله على سيّدنا محمد خاتم فص الرسالة وعلى آله وأصحابه رجال الامانة وليوث اليسالة والحمدلله اولا و آخراً وباطناً وانا العبد المفتقر الى رحمة الصمد عبد المذنب۔

ظفر احمد وفقه الله لتزود لغد وغفرله ولوالديه ولمشايخه واخوانه واقربائه واخلائه يوم لا يجزى والد عن ولده ولا يغنى أحد عن أحد فقط

تمت۔ يكم ذى الحجة الحرام 1340ھ

[1] فتح البارى۔ كتاب الاعتصام بالكتاب والسّنّة۔ باب ما يذكر من ذمّ الرّأي

[2] فتح البارى۔ كتاب الاعتصام بالكتاب والسّنّة۔ باب لا تزال طائفة من أمّتي ظاهرين على الحق

[3] صحيح البخاري۔ كتاب الفتن۔ باب لا يأتي زمانٌ إلّا الّذي بعده شرٌّ منه

فکر و منہج

ہدایت یافتہ تحریکوں اور ہدایت سے محروم تحریکوں کے مابین اہم ترین فرق

استاد اسامہ محمود حفظہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی رسولہ الکریم

یہ چند بنیادی باتیں ہیں جن کو سمجھنا، ان پر غور کرنا اور ان کو اپنے دل و ذہن میں یاد رکھنا ضروری ہے۔ ہدایت کی تحریکوں اور جو ہدایت سے ہٹی ہوئی تحریکیں ہیں ان میں ایک بہت بڑا فرق ہے اور اس فرق کو ہمارے سامنے ہر وقت ہونا چاہیے۔

وہ تحریکیں جو ہدایت کے رستے پر چل رہی ہوں، جو انبیاء علیہم السلام کے رستے پر، جو اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے رستے پر گامزن ہوں اور وہ تحریکیں جو اس رستے سے ہٹی ہوئی ہوں ان تحریکوں میں ایک بہت بڑا فرق ہے۔ اور وہ فرق یہ ہے کہ جب بھی یہ تحریکیں ناکامی کا سامنا کرتی ہیں...... تو اگر وہ ہدایت کی تحریک ہو، اللہ تعالی کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی روشنی میں اگر اس کی تربیت ہوئی ہو اور اس نے اپنے آپ کو اس سانچے میں ڈھالا ہو تو ایسی تحریک کے افراد اس ناکامی کے اسباب اپنے قلوب کے اندر، اپنے کردار کے اندر، اپنے اعمال کے اندر اور اپنی دعوت کے اندر ڈھونڈتے ہیں۔

جبکہ جو گمراہی کی تحریکیں ہوتی ہیں یا وہ تحریکیں جو ہدایت کے رستے سے ہٹی ہوئی ہوتی ہیں وہ جب ناکامی کا سامنا کرتی ہیں تو وہ اپنا محاسبہ نہیں کرتی ہیں۔ وہ اپنے ایمان کو نہیں دیکھتی ہیں، اس کے افراد اپنی دعوت کا جائزہ نہیں لیتے ہیں، وہ اپنا محاسبہ نہیں کرتے ہیں، اپنے قول و عمل پر نظر ثانی نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ ان کی ساری توجہ مادی وسائل و مسائل کی طرف ہوتی ہے۔ وہ باطل کو، دشمن کو ناکامی کا سبب بتاتی ہے کہ باطل قوی ہے، باطل کی سٹریٹیجی (strategy) بہت زیادہ قوی تھی، باطل کے پاس مادی وسائل بہت زیادہ تھے، ہمارے پاس مادی وسائل انتہائی کم تھے اس وجہ سے ہمیں ناکامی کا سامنا ہوا۔ جبکہ جو تحریکیں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت کے مطابق چلنے کی کوشش کرتی ہیں ان کو جب بھی ناکامی کا سامنا ہوتا ہے تو وہ فوراً اپنی طرف رجوع کرتی ہیں۔ جب ان سے زمینیں چھن جاتی ہیں، جب ان کی دعوت بدنام ہو جاتی ہے، جب ان کی دعوت کو سننے والے کوئی نہیں ہوتے ہیں، جب لوگوں کے دلوں میں ان کی دعوت کی عظمت اور محبت بڑھنے کی بجائے کم ہونا شروع ہوتی ہے، جب افراد ان کی طرف آنے کی جگہ ان سے بھاگنا شروع کرتے ہیں، تو جو ہدایت کی تحریک ہوتی ہے وہ فوراً رک جاتی ہے، فوراً اپنا جائزہ لینا شروع کرتی ہے، وہ اپنے آپ کا، اپنے افراد کا محاسبہ شروع کرتی ہے......

اسی نہج پر اللہ کے نبی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو پاکیزہ تحریک تھی...... جو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی تحریک تھی، اس کی تربیت اللہ رب العزت نے ایسی ہی کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں اللہ رب العزت نے صحابہ کی تربیت ایسی ہی کی ہے۔ آپ یہ دیکھیے کہ جب غزوۂ احد میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو زخم لگے ہیں اور ان کو تکلیف پہنچی ہے۔ وہ لہولہان ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود زخمی ہیں، اسی وقت جب صحابہ پوچھتے ہیں کہ کہاں سے یہ مصیبت آگئی؟ تو وہاں اللہ رب العزت کیا فرماتے ہیں؟ وہاں ان کی توجہ مادی وسائل کی طرف نہیں کی جاتی ہے کہ آپ کے پاس ہتھیار نہیں تھے، آپ کے پاس تلواریں کم تھیں، آپ کے پاس نیزے کم تھے، آپ کے پاس گھوڑے کم تھے، اور آج کے دور کے حساب سے اگر ہم کہیں تو یہ کہ آپ کے پاس کلاشن کوفیں کم تھیں، آپ کے پاس بارود نہیں تھا، آپ کے افراد کم تھے، آپ کی سٹریٹیجی اور منصوبہ بندی جو تھی وہ صحیح نہیں تھی...... اس کی طرف توجہ نہیں دی گئی بلکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُدھر موجود ہیں صحابہ جیسے پاکیزہ نفوس موجود ہیں۔ اسی وقت اللہ رب العزت کیا فرماتے ہیں؟ اس وقت جب سب زخم زخم ہیں، لہولہان ہیں، اس وقت آیت نازل ہوتی ہے[1]:

أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُم مُّصِيبَةٌ جب تمہیں مصیبت پہنچی قَدْ أَصَبْتُم مِّثْلَيْهَا...... قُلْتُمْ أَنَّىٰ هَـٰذَا...... کہاں سے یہ مصیبت آگئی؟ قُلْ هُوَ مِنْ عِندِ أَنفُسِكُمْ کہو یہ تمہاری اپنی وجہ سے ہے!...... تم اپنی طرف متوجہ ہو جاؤ، کہ تمہارے اعمال میں کیا کمی ہے! اور آگے فرماتے ہیں إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ...... اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

اللہ تعالی ہر نصرت پر قادر ہے، جس طرح چاہے تمہاری نصرت کر سکتا ہے لیکن آپ کے اعمال میں آپ سے کوئی کوتاہیاں ہوئی ہیں، اس حق رستے پر آپ نے (رسول اللہ صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی) اطاعت کے اندر...... شریعت پر عمل میں آپ سے تقصیر ہوئی ہے، اسی وجہ سے یہ مصیبت آگئی۔ لہٰذا آج اگر کوئی جہادی تحریک مصیبت کا سامنا کرتی ہے...... ہماری جہادی تحریک کو دیکھیے، ہمارے ساتھی شہید اگر ہو رہے ہیں، ان کو پھانسیاں دی جا رہی ہیں، زمین ہم سے چھینی جا رہی ہے، ہماری دعوت و کردار پر سوالات اٹھ رہے ہیں، تو اس وقت یہ آیت ہمارے سامنے ہونی چاہیے ہے، ہمیں اپنا محاسبہ کرنا چاہیے کہ یہ ہدایت کی تحریکوں کی بڑی صفت ہے۔

---

[1] أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُم مُّصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُم مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّىٰ هَـٰذَا ۖ قُلْ هُوَ مِنْ عِندِ أَنفُسِكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

جب تمہیں ایک ایسی مصیبت پہنچی جس سے دگنی تم (دشمن کو) پہنچا چکے تھے تو کیا تم ایسے موقع پر یہ کہتے ہو کہ یہ مصیبت کہاں سے آگئی؟ کہہ دو کہ: یہ خود تمہاری طرف سے آئی ہے۔ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (سورۃ آلِ عمران: ۱۶۵)

آپ دیکھیے کہ اللہ رب العزت صحابہ کو اور پھر اس پوری امت کو مخاطب ہیں...... اللہ رب العزت ہمیں مخاطب ہیں...... فرماتے ہیں[29]:

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ...... پریشان مت ہو، غمزدہ مت ہو، تم ہی غالب ہوں گے اگر تم مومن ہوں۔ اور یہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا معاملہ نہیں ہے۔ اللہ رب العزت تو پچھلی امتوں کے بارے میں بھی کہتے ہیں کہ ان کا حال یہ تھا کہ[30]:

وَكَأَيِّنْ مِنْ نَبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ...... کہتے ہیں کہ کتنے نبی ایسے تھے جن کی معیت میں اللہ والے لڑے، وہ وہن کا شکار نہیں ہوئے اُن مصائب کی وجہ سے جو ان کو اللہ کے رستے میں ملتے تھے، انہوں نے کمزوری نہیں دکھائی۔ اور پھر آگے فرماتے ہیں[31]:

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ...... جب ان کو تکلیف پہنچتی تھی، جب مصائب کا سامنا کرتے تھے، تب وہ کیا کہتے تھے؟ وہ دشمن کو مورد الزام نہیں ٹھہراتے تھے کہ دشمن بہت قوی ہے، باطل بہت زیادہ طاقت ور ہے، نہیں وہ فوراً اپنی طرف متوجہ ہو جاتے تھے اور کہتے تھے: رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا...... وہ اپنی طرف متوجہ ہوتے تھے اور اپنے گناہوں کی مغفرت مانگتے تھے۔

یہ ہدایت کی تحریک کی نشانی ہے۔ جبکہ ہدایت سے جو ہٹی ہوئی تحریکیں ہوتی ہیں وہ یہ محاسبہ نہیں کرتی ہیں کہ ہم شریعت پر عمل کرتے ہیں یا نہیں کرتے ہیں؟ اس کے افراد کو یہ فکر نہیں ہوتی، یہ غم نہیں ہوتا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والے رستے پر جا رہے ہیں یا اس رستے سے ہٹے ہوئے ہیں؟ بلکہ انہیں ہر وقت بس یہ فکر ہوتی ہے کہ لوگوں نے ہماری مدد نہیں کی...... اگر لوگ ہمیں ووٹ دیں تو فوراً ہم کامیاب ہو جائیں گے، فوراً اس ملک میں...... اس پوری دنیا میں دودھ اور شہد کی نہریں بہنے لگیں گی اور یہاں پر خوشحالی آجائے گی۔ خوش حالی کا جو اشتہار یہ تحریکیں لگاتی ہیں، وہ یہ ہے کہ بس ہمارا ساتھ دو! وہ یہ نہیں دیکھتی ہیں کہ امت کو اس برے حال سے نکالنے کے لیے ہم اٹھے ہیں، اب ہم ناکامی کا سامنا کر رہے ہیں، لوگ ہماری دعوت پر لبیک نہیں کہہ رہے ہیں، لوگ ہم سے دور جا رہے ہیں، تو ہمارے اعمال میں کوئی مسئلہ ہے، ہم شریعت سے شاید دور جا رہے ہیں...... نہیں! ان کے سامنے ایک ہی ایجنڈا ہوتا ہے کہ لوگ ہماری تائید کیوں نہیں کرتے ہیں...... وہ صبح وشام لوگوں سے مطالبات کرتے ہیں...... صبح وشام ان کی نظریں بس لوگوں پر ہوتی ہیں کہ یہ کسی طرح ان کے حامی بن جائیں اور ان کی بات مانیں۔ لوگ ان کی بات مانیں ان کی دعوت قبول کریں، اس کے لیے وہ اپنی دعوت اور اپنے کردار کی طرف متوجہ نہیں ہوتے ہیں۔ وہ ہر وقت باطل کو اور اس کی قوت کو دیکھتی ہیں کہ باطل بڑا قوی ہے اس میں بڑا مسئلہ ہے اور اسی کے توڑ کی طرف کوششیں کرتے ہیں لیکن اپنے اندر کو قوی کرنے کے لیے یہ تحریکیں بالکل وقت نہیں دیتی ہیں۔

آپ دیکھیے کہ رسول اللہ ﷺ سے تربیت جنہوں نے لی ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم...... ان کا کردار ہمارے سامنے ہے۔ اللہ کی کتاب جو تربیت کرتی ہے وہ طریقہ ہمارے سامنے ہے۔ دوسری طرف وہ گمراہ لوگ، گمراہ گروہ، گمراہ تحریکیں...... جن میں سب سے بڑی مثال یہود و نصاریٰ کی ہے۔ یہود و نصاریٰ پر جتنی بھی آزمائشیں آتی تھیں، دشمن کے مقابل جتنا بھی وہ نقصان اٹھاتے تھے تو وہ کیا کہتے تھے؟ وہ کہتے تھے یہ ہماری وجہ سے، ہمارے اعمال کی وجہ سے نہیں ہیں، یہ اس باطل کی وجہ سے ہیں، وہ خارجی وجوہات کو مورد الزام ٹھہراتے تھے۔ کہتے تھے:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ○(سورۃ المائدۃ:۱۸)

"یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ: ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں۔"

وہ کہتے تھے، ہم اللہ کے محبوبین ہیں۔ ایمان، اللہ کے ساتھ تعلق، شریعت پر عمل ہے یا نہیں ہے؟ دعوت و کردار میں مسائل ہیں یا نہیں ہیں؟ یہ ان کے موضوعات نہیں ہوتے تھے، بلکہ وہ کہتے تھے کہ بھئی ہم تو اللہ کے محبوبین ہیں...... ہم خود بالکل ٹھیک ہیں، مسئلہ ہی نہیں ہے۔ جیسے کہ خدانخواستہ ہم کہیں، جب جہادی تحریک کے اندر کمزوری آجاتی ہے تو (اللہ نہ کرے کہ) ہم کہیں، یہ دعویٰ کریں کہ بھئی ہم تو مجاہدین ہیں، ہم تو اللہ کے محبوبین ہیں۔ ہم بس اپنے (مجاہد ہونے کے) فضائل کا ڈھنڈورا پیٹتے ہوں اور یہ سوچتے ہوں کہ اگر غلطی ہے، کوتاہی ہے تو وہ بس اس امت میں ہے۔ امت نے ہمارا ساتھ نہیں دیا...... اور اگر مسئلہ ہے تو باطل میں ہے۔

---

[29] وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ○

(مسلمانو) تم نہ تو کمزور پڑو، اور نہ غمگین رہو، اگر تم واقعی مومن رہو تو تم ہی سر بلند ہو گے۔ (سورۃ آلِ عمران: ۱۳۹)

[30] وَكَأَيِّنْ مِنْ نَبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ○

اور کتنے سارے پیغمبر ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی! نتیجتاً انہیں اللہ کے راستے میں جو تکلیفیں پہنچیں ان کی وجہ سے نہ انہوں نے ہمت ہاری، نہ وہ کمزور پڑے اور نہ انہوں نے اپنے آپ کو جھکایا، اللہ ایسے ثابت قدم لوگوں سے محبت کرتا ہے۔ (سورۃ آلِ عمران: ۱۴۶)

[31] وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ○

ان کے منہ سے جو بات نکلی وہ اس کے سوا نہیں تھی کہ وہ کہہ رہے تھے: ہمارے پروردگار! ہمارے گناہوں کو بھی اور ہم سے اپنے کاموں میں جو زیادتی ہوئی ہو اس کو بھی معاف فرما دے، ہمیں ثابت قدمی بخش دے، اور کافر لوگوں کے مقابلے میں ہمیں فتح عطا فرما دے۔ (سورۃ آلِ عمران: ۱۴۷)

باطل قوی ہے اور وہ قوی اسی لیے ہے کہ امت نے ہمارا ساتھ نہیں دیا جبکہ خود ہم مجاہدین......تو نہیں جی نہیں، ہماری دعوت، ہمارا کردار سب بالکل ٹھیک ہے۔ کوئی مسئلہ ہی یہاں نہیں ہے۔ یہ بہت ہی بڑی بدنصیبی ہو گی کہ جہادی تحریک کو جس طرف اول اور سب سے زیادہ توجہ دینی چاہیے اس طرف وہ بالکل توجہ ہی نہ دے اور جس طرف بعد میں توجہ دینی چاہیے، بس اسی پر ان کی اول و آخر توجہ ہو۔ پہلی توجہ کہاں؟ اپنے قلوب، اپنے کردار، اپنے اعمال اور اپنی دعوت اور اپنے منہج کی طرف توجہ ہو...... کہاں ہم سے غلطیاں ہوئی ہیں؟ کہاں ہم سے کوتاہیاں ہوئی ہیں؟ وہ کون سے کام تھے جو نہیں کرنے چاہیے تھے اور ہم نے کیے اور وہ کون سے کام تھے جو کرنے چاہیے تھے اور ہم نے ان میں کوتاہی کی؟ اس کسوٹی پر اپنی تحریک کو اگر ہم نہیں جانچیں گے تو جتنا بھی ہم اس امت سے مطالبہ کریں کہ آئیں ہمارا ساتھ دیں...... آئیں بس اس باطل کو برا بھلا کہیں...... ہم آئے دن کے ساتھ کمزور ہوتے جائیں گے اور ہمارا وجود آئے دن کے ساتھ خود اس امت پر بوجھ بنتا جائے گا۔ لہٰذا لازم ہے کہ ہم سب سے پہلے اپنی اصلاح کریں۔

دیکھیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ لشکر کے امیر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو خط لکھتے ہیں اور اس میں فرماتے ہیں کہ "فإني آمرك ومن معك بتقوى الله على كل حال، میں تمہیں اور تمہارے ساتھ جو مجاہدین ہیں، سب کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی نصیحت و وصیت کرتا ہوں، فإن تقوى الله أفضل العدة على العدو وأقوى المكيدة في الحرب، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنا سب سے بہترین زاد راہ اور بہترین سامان جنگ ہے اور دشمن کے مقابل سب سے بہترین چال ہے۔ پھر آگے فرماتے ہیں وآمرك ومن معك أن تكونوا أشد احتراسًا من المعاصي منكم من عدوكم، میں تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو حکم دیتا ہوں کہ دشمن سے تم جتنا زیادہ چوکنا رہتے ہو اور ان سے احتیاط کرتے ہو اس سے کہیں زیادہ احتیاط تم گناہوں سے کرو۔ آگے فرماتے ہیں فإن ذنوب الجيش أخوف عليهم من عدوهم، لشکر کے جو گناہ ہیں وہ زیادہ خطرناک ہیں اس لشکر کے دشمنوں سے...... دشمن کتنا قوی ہے؟ قوی ہونے دیں! جتنا اس کے پاس وسائل ہیں، جتنے ڈرون، جتنے جیٹ اور جتنے بی باون[1] ہیں، جتنا کچھ ہے اس کے پاس ہونے دیں ......مسئلہ نہیں ہے! بس گناہ نہیں ہونے چاہیے!......اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق میں کمزوری نہیں آنی چاہیے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق میں کمزوری ہو اور شریعت پر عمل نہ ہو تو یاد رکھیے کہ آپ کے پاس جتنی بھی وسائل کی فروانی ہو، وہ وسائل کسی کام کے نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے خراسان (افغانستان) کی تاریخ میں ہمیں دکھا دیا۔ ہمارے سامنے ہیں ہمارے طالبان بھائی......ان بھائیوں کے پاس کیا ہے؟ ان کے پاس پیکا ہوتی ہے اور پیکا کا جو چاٹا ہوتا ہے وہ آدھا ہوتا ہے، مائینیں ہوتی ہیں مگر وہ کیسی ہوتی ہیں؟ سبحان اللہ، میں نے ایسے بھائی دیکھے ہیں، فتوحات در فتوحات میں وہ شریک ہیں مگر موٹر سائیکل میں پٹرول ڈالنے کے پیسے ان کے پاس نہیں ہیں۔ ایک بھائی کے بارے میں دوسرے ساتھی نے مجھے بتایا کہ یہ اب دوسرے گاؤں جائے گا وہاں کوئی اور اس کو پٹرول بھروا کر دے گا۔ پٹرول کے پیسے بھی نہیں ہیں...... یہ وسائل ہیں......! لیکن وسائل کی اس حد تک کمی کے باوجود الحمد للہ ثم الحمد للہ پوری دنیا کو انہوں نے شکست دی کہ نہیں دی؟ لہٰذا اصل دشمن جو ہیں وہ گناہ ہیں ان سے ڈرنا چاہیے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھر آگے فرماتے ہیں؛ وإنما يُنصر المسلمون بمعصية عدوهم لله...... مسلمانوں کی نصرت دشمن کی معصیت کے سبب ہوتی ہے۔ دشمن کے گناہ اگر زیادہ ہوں تو مسلمانوں کی نصرت ہوتی ہے۔ ولولا ذلك لم تكن لنا بهم قوة؛ اگر یہ نہ ہو تو پھر ہمارے پاس ان کے مقابل قوت نہیں ہے۔ لأن عددنا ليس كعددهم، ولا عدتنا كعدتهم؛ اس لیے کہ ہماری تعداد ان کی تعداد کے برابر نہیں ہے اور ہمارے وسائل ان کے وسائل جتنے نہیں ہیں۔ فإن استوينا في المعصية كان لهم الفضل علينا في القوة، اگر ہم گناہوں میں ان کے برابر ہو گئے تو قوت میں تو وہ پھر ہم سے زیادہ ہیں...... دیکھیے! پاکستانی فوج ہے! ہم گناہوں میں اگر ان سے زیادہ ہو گئے...... ہمارے ہاتھوں سے اگر مسلمانوں کا خون بہے...... ہماری زبانوں سے اگر مسلمانوں کی عزتیں محفوظ نہ ہوں، ہمیں مسلمانوں کے محافظین ہونا چاہیے تھا لیکن ہمارے ہی ہاتھوں اگر ان کی جانوں اور اموال کا نقصان ہو...... ہم اور یہ فوج اگر گناہوں میں برابر ہو گئے تو پھر تو ان کے پاس قوت زیادہ ہے، ان کے ساتھ امریکہ بھی ہے، ان کے پاس پھر بہت کچھ ہے، ان کے ساتھ نیٹو بھی ہے چین بھی ہے بہت کچھ ہے۔ ہمارے ساتھ اگر اللہ نہ ہو تو کیسے پھر ہم کامیاب ہو سکتے ہیں؟ اصل سوال یہ ہے کہ کون گناہوں میں کم ہے اور کون زیادہ ہے۔ آگے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں؛ وإلا ننصر عليهم بفضلنا لم نغلبهم بقوتنا. اگر ان کے مقابل ہم نے اعمال صالحہ اور اور گناہوں سے بچنے میں فضیلت سے برتری حاصل نہیں کی تو وہ قوت کے ذریعے برتری حاصل کریں گے۔ پھر فرماتے ہیں؛ واعلموا أن عليكم في مسيركم حفظة من الله يعلمون ما تفعلون فاستحيوا منهم: یاد رکھو کہ تمہارے دائیں بائیں کراماً کاتبین ہیں، وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو، پس ان سے حیا کرو۔ ولا تعملوا بمعاصي الله وأنتم في سبيل الله، اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو جب کہ تم اسی کے راستے میں ہو؛ ولا تقولوا...... یہ بات اہم ہے! ولا تقولوا إن عدونا شر منا فلن يُسلط علينا وإن أسأنا؛ یہ نہ کہو کہ دشمن ہم سے بدتر ہے لہٰذا ہم برائی بھی کریں تو وہ ہمارے اوپر غالب نہیں ہو گا...... ہم شریعت پر عمل نہ بھی کریں تو یہ فوج ہم پر غالب نہیں ہو گی!...... بے فکر رہیں، بھئی ہم مجاہدین ہیں!...... ہم نے مجاہدین کا اسٹیکر جو لگایا ہے...... ہم نے اپنے ساتھ سٹامپ (stamp) جو لکھوایا ہے! بس ہم مجاہدین ہیں، ہمارے اوپر کوئی غالب نہیں ہو گا!...... یہ نہیں ہو سکتا!...... کہتے ہیں کہ کبھی یہ نہ سمجھو کہ یہ

---

[1] جنگی بمبار جہاز: B-52 Bomber

دشمن ہم پر غالب نہیں ہو سکتا اگرچہ ہم گناہ کریں...... آگے فرماتے ہیں فرُبَّ قوم قد سُلِّط عليهم شر منهم كما سُلط على بني إسرائيل لما عملوا بمساخط الله كفرةُ المجوس، فجاسوا خلال الديار وكان وعدًا مفعولًا......"[1] جس طرح بنی اسرائیل جب اللہ کی نافرمانی کرتے تھے، تو ان پر اس دور میں اللہ تعالیٰ نے مجوسیوں کو یعنی ان سے بدتر کافروں کو مسلط کیا اور اس نے بنی اسرائیل کے گھر بار تباہ و برباد کر دیئے تو اس طرح اگر کوئی گروہ اللہ کی نافرمانی کرتا ہے تو اللہ اس پر اس سے بدتر قوم کو مسلط کریں گے...... یہ مت سمجھیں کہ ہم مجاہدین ہیں، تو ہم پر صرف وہ لوگ مسلط ہوں گے جو ہم سے نیک ہوں گے...... طریقہ یہ نہیں ہے۔ ہم اگر گناہوں سے نہیں بچتے ہیں...... ہم اگر (جہاد کا جھنڈا اٹھا کر بھی) شریعت کا خیال نہیں رکھتے اور ہم اگر علم و حکمت کے مطابق نہیں چلتے ہیں...... اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں، ظلم کرتے ہیں تو پھر ہمارے اوپر ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ مسلط کریں گے جو ہم سے بدتر ہوں گے۔

ہم بطورِ جہادی تحریک دنیا کے جس خطے میں بھی آزمائش سے دوچار ہیں۔ شام کے اندر ہم آزمائش سے دوچار ہیں، عراق کے اندر ہم آزمائش سے دوچار ہیں، پاکستان کے اندر ہم آزمائش سے دوچار ہیں، اس سے کئی سال پہلے الجزائر کے اندر ہم آزمائش سے دوچار ہوئے تو...... یاد رکھیے! کہ یہ جتنی بھی آزمائشیں ہیں، یہ دعوت و جہاد کے منہج کے سبب نہیں ہیں۔ بلکہ یہ مصائب دعوت و جہاد کا جو مطلوب منہج ہے، اس پر عمل نہ ہونے کے باعث ہیں)، یہ جو آزمائشیں ہیں یہ ہمارے گناہوں کے سبب ہیں، یہ ہماری دعوت و کردار میں ہم سے خطائیں ہوئی ہیں، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے دین کا جو یہ رستہ ہے، اس رستے (جہاد) کی بدنامی کا ہم سبب بن رہے ہیں۔ لہٰذا ہمیں اصلاح کرنی چاہیے۔ ہمیں اپنی غلطیوں اور گناہوں کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ دیکھیے اس امت کے اندر جن کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے کام لیا ہے اور جن سے اس امت کو عظمت ملی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسلام کا نام روشن کیا ہے وہ اپنے اعمال میں بہت زیادہ احتیاط کیا کرتے تھے۔

صلاح الدین ایوبیؒ کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ رات کو اٹھتے تھے اور اپنے لشکر کا معائنہ کرتے تھے۔ دیکھتے تھے کہ کہیں کوئی ایسا مجاہد تو نہیں ہے کہ کل جنگ ہے اور آج وہ سویا ہوا ہے، عبادت نہیں کر رہا ہے۔ تو کہتے ہیں کہ وہ ایک خیمے کے پاس آئے اور دیکھا کہ وہاں ایک مجاہد سو رہا ہے تو فوراً انہوں نے سب کو بلایا اور فرمایا "الهزيمة من هاهنا" "شکست یہاں سے آئے گی! اس خیمے سے شکست آئے گی، کیوں؟ اس لیے کہ وہ اللہ سے مانگ نہیں رہا، اس لیے کہ وہ سویا ہوا ہے، اس لیے کہ وہ عبادت نہیں کر رہا ہے۔ حالانکہ نفل عبادت ہے، مستحب ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے جو مقربین ہوتے ہیں ان سے اگر نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں، اپنے مستحب اعمال اور نوافل...... تو وہ اس قدر فکرمند ہوتے ہیں جیسے کہ انہوں نے گناہ کیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے اس دین کی نصرت کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنا بڑا اعلیٰ مقام دیا۔

یہ حقیقت بھی ہمارے سامنے ہو، یاد رکھیے کہ باطل میں جتنی بھی قوت ہو، باطل کے پاس جتنی بھی طاقت ہو، جتنے بھی اس کے پاس وسائل ہوں تو اس کی مثال اندھیرے کی ہے...... کیا ہے وہ؟ اندھیرا ہے۔ اندھیرے کی خود کوئی حقیقت نہیں ہے، جیسے ہی روشنی پھوٹتی ہے اندھیرا خود بخود بھاگتا ہے۔ ایسا ہے کہ نہیں ہے؟ اندھیرا روشنی نہ ہونے کا نام ہے۔ جہاں روشنی نہیں ہوتی ہے لوگ کہتے ہیں وہاں اندھیرا ہے اور جیسے ہی روشنی آتی ہے اندھیرا خود بخود ختم ہو جاتا ہے...... یہی مثال حق اور باطل کی ہے۔ جب حق آتا ہے اور وہ صحیح معنوں میں حق ہو...... دعوت و کردار اور اللہ کے ساتھ تعلق میں وہ قوی ہو (حق پر ہونے کا حق ادا کرنے والا ہو)...... تو یہ ہو نہیں سکتا کہ باطل اس کے سامنے جم جائے۔ آج پاکستان کے اندر اور جہاں کہیں باطل غالب ہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ حق (مطلوب معنوں میں) نہیں ہے۔ اگر حق آیا...... ہم نے اپنے اعمال و قلوب، ظاہر و باطن اور دعوت و کردار میں...... اگر اللہ تعالیٰ کو جو مطلوب ہے اُس پر عمل کیا تو یاد رکھیں کہ یہ اندھیرے بہت جلد ختم ہوں گے، ہو نہیں سکتا کہ باطل سامنے ڈٹ جائے، باطل ختم ہو جاتا ہے[2]۔ اسی لیے کہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ (سورۃ آلِ عمران:۱۳۹)

"(مسلمانو) تم نہ تو کمزور پڑو، اور نہ غمگین رہو، اگر تم واقعی مومن رہو تو تم ہی سربلند ہو گے۔"

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين۔

بقیہ: سرمایہ دارانہ جمہوری نظام کی شرعی حیثیت

کفر مطلق ہے۔ اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد اب ہمارے لیے آسان ہو گیا ہے کہ ووٹ کی شرعی حیثیت کے بارے میں بھی خامہ فرمائی کر سکیں۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

---

[1] فصل الخطاب في سيرة ابن الخطاب

[2] اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے: وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ "اور کہو کہ حق آ گیا اور باطل ختم ہو گیا" إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا "بیشک باطل نے ختم ہونا ہوتا ہے" تفسیر سعدی میں ہے کہ "باطل کے پاس سطوت و غلبہ بھی ہو سکتا ہے، مگر اس کی یہ بقا اس وقت تک ہے جب تک کہ حق کے ساتھ اس کا سامنا نہیں ہوا ہو اور حق کا سامنا کرتے ہی وہ کمزور ہو کر ختم ہو جاتا ہے"۔

نظریاتی جنگیں

مولانا محمد اسماعیل ریحان

مولانا محمد اسماعیل ریحان صاحب (زید مجدہ) کی تالیف 'أصول الغزو الفکري' یعنی 'نظریاتی جنگ کے اصول'، نذرِ قارئین ہے۔ اس وقت مسلمانوں کو اہل باطل کی جانب سے ایک ہمہ گیر اور نہایت تند و تیز فکری و نظریاتی یلغار کا سامنا ہے۔ اس یلغار کے مقابلے کے لیے 'الغزو الفکری' کو دینی و عصری درس گاہوں کے نصاب میں شامل کرنا از حد ضروری ہو چکا ہے۔ دینی و عصری درس گاہوں میں اس مضمون کو شامل کرنے کے ساتھ ساتھ 'الغزو الفکری' یعنی نظریاتی جنگ کے مضمون و عنوان کو معاشرے کے فعال طبقات خصوصاً اہلِ قلم، اسلامی ادیبوں اور شاعروں، اہلِ دانش، صحافیوں، پیشہ ور (پروفیشنل) حضرات نیز معاشرے کہ ہر مؤثر طبقے میں بھی عام کرنا از حد ضروری ہے۔ اس مقصد کے لیے 'اصول الغزو الفکری' کے عنوان سے اس علم کے اہم مباحث کو مختصر طور پر مولانا موصوف نے پیش کیا ہے۔ مولانا موصوف ہی کے الفاظ میں 'در حقیقت یہ اس موضوع پر تحریر کردہ درجنوں تصانیف کا خلاصہ ہے جس میں پاک و ہند کے پس منظر کا نسبتاً زیادہ خیال رکھا گیا ہے'۔ یہ تحریر اصلاً نصابی انداز میں لکھی گئی ہے، لیکن اس کے باوجود خشکی سے پاک ہے اور متوسط درجۂ فہم والے کے لیے بھی سمجھنا آسان ہے۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ ہم مسلمانوں کو نظریاتی و عسکری محاذوں کو سمجھنے، ان محاذوں کے لیے اعداد و تیاری کرنے اور پھر ہر محاذ پر اہلِ باطل کے خلاف ڈٹنے کی توفیق ملے۔ اللہ پاک مولانا محمد اسماعیل ریحان صاحب کو جزائے خیر سے نوازیں کہ انہوں نے ایسے اہم موضوع کے متعلق قلم اٹھایا، اللہ پاک انہیں اور ہم سب اہلِ ایمان کو حق پر ثبات اور دین کا صحیح فہم عطا فرمائیں، آمین یا ربّ العالمین! (ادارہ)

الساحۃ الثانیۃ–الاستعمار (سامراجیت)

(Colonialism, Colonizing, Imperialism)

استعمار یا سامراجیت کا مطلب ہے "کسی علاقے پر اپنے ایجنٹ مسلط کر کے اس طرح تسلط حاصل کرنا کہ مقامی وسائل کو لوٹا جاتا رہے"۔

کیمبرج ڈکشنری کے مطابق: "Colonialism" سے مراد "ایسے نظام کو فروغ دینا ہے جس میں ایک ملک دوسرے ملک کے معاملات کو کنٹرول کرے"۔

استعماری سوچ کی بنیادیں

استعماری سوچ کا قدیم ترین نمونہ یونانی فاتح سکندر اعظم کی فتوحات اور اس کے معاصر فلسفی ارسطو کی تعلیمات میں ملتا ہے۔ اس پالیسی کے نتیجے میں یونان نے چار سو سال تک ایشیا پر حکومت کی۔

عالم اسلام کے خلاف استعماری کوششیں، تمہیدی دور

اسلامی دور میں یورپی استعمار کا تمہیدی دور دورِ خلافت راشدہ سے صلیبی جنگوں کے اختتام تک رہا جس میں اسلام دشمن عناصر درج ذیل چار اہداف کے لیے سرگرم نظر آتے ہیں:

(۱) اسلامی خلافت کا خاتمہ (۲) مقاماتِ مقدسہ پر قبضہ (۳) عالم اسلام پر قبضہ (۴) عالم اسلام کو فنا کر دینا۔

۱. اسلامی خلافت کا خاتمہ: دورِ خلافت راشدہ سے لے کر خلافت عباسیہ تک کفریہ طاقتیں خلافت اسلامیہ کا خاتمہ کرنے کی کوششیں کرتی رہیں۔ ۶۱۶ھ میں چنگیز خان نے عالم اسلام پر حملہ کیا اور اس کے پوتے ہلاکو خان نے محرم ۶۵۶ھ میں بغداد کو تہس نہس کر کے عباسی خلافت کا خاتمہ کر دیا۔ عیسائیوں نے ان کی پوری حمایت کی۔

۲. مقامات مقدسہ پر قبضہ: مقامات مقدسہ پر قبضے کے لیے عالم اسلام پر صلیبی جنگوں کا عذاب مسلط کیا گیا جس میں ان گنت مسلمان قتل کیے گئے۔

۳. عالم اسلام پر قبضہ: یورپ کا مقصد صرف بیت المقدس پر قبضہ کرنا نہیں بلکہ عالم اسلام کی ساری زمین اور وسائل کو ہتھیانا تھا۔

۴. عالم اسلام کو فنا کر دینا: صلیبی جنگوں اور تاتاریوں کی حمایت کی اس تمام تگ و دو کے پیچھے دنیائے اسلام کے خاتمے اور اپنے مذہب کے عالمگیر غلبے کی زبردست خواہش موجود تھی۔

اہل باطل کی ناکامی کی وجوہ

مسلمانوں کے تین بڑے اقدامات کی وجہ سے عیسائیوں اور تاتاریوں کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں۔

(۱) دعوتِ اسلام کا کام ہوا جس کی بدولت تاتاری مسلمان ہو گئے۔ (۲) مصر میں بنو عباس کی خلافت کو بحال کر دیا گیا۔ (۳) پرچمِ جہاد بلند رکھا گیا حتیٰ کہ تاتاریوں اور صلیبیوں دونوں کو شکستِ فاش ہوئی۔

سوچ بچار اور ذہنی تبدیلیوں کا دور

ان تجربات کے بعد اسلام دشمن طاقتیں سمجھ گئیں کہ خلافت اسلامیہ کو ختم کرنا، مقامات مقدسہ پر قبضہ کرنا اور مسلمانوں کو مٹانا آسان نہیں۔ اس کے لیے پہلے زمین ہموار کرنا ہو گی۔ انھوں نے چودھویں اور پندرہویں صدی تک خود کو مضبوط کیا اور پھر دنیا پر قبضے کی نئی کوششیں شروع کیں۔

استعماری سوچ کو مہمیز دینے والے چار واقعات

چند واقعات سے یورپ میں از سرِ نو استعماری سوچ کو تقویت ملی۔

۱. ۱۴۵۳ء میں عثمانی ترک حکمران سلطان محمدؒ فاتح نے قسطنطنیہ فتح کر لیا۔

۲. قسطنطنیہ کے رومی فلسفی اور حکما یورپ چلے گئے جن سے یورپ میں استعماری سوچ بھی پروان چڑھنے لگی۔

۳. جنوری ۱۴۹۲ء میں سپین پر عیسائیوں کے قبضے کی تکمیل ہو گئی۔

۴. ترکوں نے یورپی تاجروں کے لیے تجارتی راستے بند کر دیے تھے جس کی وجہ سے یورپی تاجروں نے نئے تجارتی راستوں کی تلاش شروع کر دی۔

استعمار کا اصل دور

سولہویں صدی عیسوی کے اواخر میں اصل استعمار کا آغاز ہوتا ہے جس میں یورپی اقوام کا نقشِ راہ یوں مرتب ہوتا نظر آتا ہے:

(۱) معاشی و تجارتی خود انحصاری (۲) اسلامی دنیا کا اقتصادی و عسکری محاصرہ (۳) تجارت و اقتصاد میں غالب آنا (۴) اسلامی دنیا پر تسلط (۵) خلافت اسلامیہ کا خاتمہ (۶) عالم اسلام کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا (۷) عالم اسلام کے تشخص کا خاتمہ کر دینا۔

پہلا مرحلہ: معاشی و تجارتی مضبوطی اور خود انحصاری

جب ترکوں نے اپنے تحفظات کی وجہ سے یورپ پر خشکی اور سمندر کے تجارتی راستے بند کر دیے تو یورپی تاجروں کی اقتصادی خود انحصاری خطرے میں پڑ گئی۔ اب ان کا پہلا قدم یہی تھا کہ تجارتی راستے تلاش کر کے ترکوں کی جانب سے کی گئی اقتصادی ناکہ بندی کو غیر مؤثر کر دیا جائے۔ ان دنوں سپین پر فرڈی ننڈ اور پرتگال پر شاہ مینوئیل کی حکومت تھی۔ فرڈی ننڈ اور اس کی ملکہ ازابیلا نے بھی سمندری راستوں کی تلاش کے لیے اگست ۱۴۹۲ء میں کولمبس کو مشرقی ملکوں کا راستہ ڈھونڈنے کے لیے روانہ کر دیا، مگر وہ راستہ بھٹک کر نئی دنیا جنوبی امریکہ پہنچ گیا۔ ادھر پرتگال کے بادشاہ مینوئیل نے جولائی ۱۴۹۷ء میں واسکوڈی گاما کو اسی مقصد کے لیے روانہ کیا جو ۱۸ مئی ۱۴۹۸ء کو ہندوستان پہنچ گیا۔ یہ لوگ صرف تجارت کرنے نہیں بلکہ کمزور ریاستوں پر جبراً قبضہ کرنے گئے تھے۔ واسکوڈی گاما کی مہم سے یورپ کو تجارت کے نئے راستے اور لوٹ مار کے لیے موزوں شکار گاہیں مل گئیں، یوں یورپ میں خوشحالی کے دور کی بنیاد پڑ گئی۔

دوسرا مرحلہ: اسلامی دنیا کا اقتصادی و عسکری محاصرہ

چند برسوں کے اندر اندر یورپ کے مختلف ملکوں کے مسلح بیڑے عالم اسلام کی مختلف بحری سرحدوں پر قبضے کرنے لگے اور رفتہ رفتہ ان کی گرفت اتنی مضبوط ہو گئی کہ اسلامی دنیا خود اقتصادی و عسکری محاصرے کی پوزیشن میں آ گئی۔

پرتگال نے ۱۵۱۵ء میں مسقط، ہرمز، اور بحرین جیسی اہم بندرگاہوں پر قبضہ کر لیا جس سے عرب دنیا کی عجم سے تجارت کے بحری راستوں پر بھی یورپیوں کا قبضہ ہو گیا۔

سپین کے مہم جو ۱۵۲۱ء میں بحرالکاہل کو عبور کر کے فلپائن پہنچ گئے۔ ۱۵۶۵ء میں وہ فلپائن کے ساحلوں پر قابض ہو گئے۔

ایک صدی تک برصغیر کے ساحلوں پر پرتگیزیوں کی اجارہ داری رہی۔ سولہویں صدی کے اواخر میں ولندیزی (ڈچ) یہاں آئے۔ ۱۶۰۰ء میں انگریزوں نے بھی ''ایسٹ انڈیا ٹریڈنگ کمپنی'' کی بنیاد رکھی اور کئی سال کی کوشش کے بعد مغل بادشاہ جہانگیر سے ''ایسٹ انڈیا کمپنی'' کے لیے تجارتی پروانہ حاصل کر لیا۔ ۱۶۶۴ء میں فرانسیسی تاجروں نے بھی ''ایسٹ انڈیا کمپنی'' کے نام سے ایک تجارتی فرم بنا کر ہندوستان کے ساحلوں پر اپنی سرگرمیوں کا آغاز کر دیا۔

اورنگ زیب عالمگیر نے یہ دیکھ کر کہ انگریز تجارت سے آگے بڑھ کر سیاسی قوت بننے کی کوشش کر رہے ہیں، ان پر دوبارہ پابندی لگائی مگر انھوں نے ہر بار معافی مانگ لی۔ مغل حکمران اپنی شان و شوکت کے سامنے غیر ملکی تاجروں سے کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتے تھے، اس لیے معافی دے دی جاتی۔ اورنگ زیب کے بعد غیر ملکی کمپنیاں بالکل آزاد ہو گئیں۔ اٹھارہویں صدی عیسوی کے وسط میں انھوں نے مسلم دنیا کا اقتصادی و عسکری محاصرہ مکمل کر لیا۔

تیسرا مرحلہ: تجارت و اقتصاد میں غالب آنا

مسلم دنیا کا اقتصادی و عسکری محاصرہ مکمل کرنے کے بعد عالمی تجارت بھی یورپی طاقتوں کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ یورپی طاقتوں نے چند عشروں میں اپنے خزانے بھر لیے اور اٹھارہویں صدی عیسوی کے وسط تک یورپ صنعت و تجارت اور اقتصادی طاقت کے لحاظ سے اکثر اسلامی ملکوں سے آگے نکل گیا۔

چوتھا مرحلہ: اسلامی دنیا پر تسلط

انگریزوں نے ۱۷۵۷ء میں سراج الدولہ کو پلاسی کے میدان میں شکست دی اور بنگال پر قبضہ کر لیا۔ ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو انھوں نے غداروں کے ذریعے میسور پر قبضہ کر لیا، میسور کا مجاہد حکمران ٹیپو سلطان مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گیا۔ ۱۸۴۳ء میں انھوں نے سندھ پر، ۱۸۴۹ء میں پنجاب پر اور ۱۸۵۷ء میں دہلی پر بھی قبضہ کر لیا اور آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر کے مغل حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

دیگر ملکوں پر بھی برطانیہ کی یلغار جاری تھی۔ انگریزوں نے ۱۸۵۱ء میں نائیجیریا پر، ۱۸۸۸ء میں مصر پر قبضہ، ۱۸۹۸ء میں سوڈان پر، ۱۹۱۴ء میں عراق پر اور ۱۹۱۸ء میں اردن اور فلسطین پر بھی تسلط حاصل کر لیا۔ اس دوران ۱۸۴۰ء، ۱۸۸۹ء اور ۱۹۱۸ء میں افغانستان سے تین جنگیں لڑیں مگر قبضہ نہ کر سکا۔

روس

روس نے ۱۵۵۶ء میں نو مسلم تاتاریوں کے دارالحکومت ''استراخان'' پر قبضہ کر کے وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں اور ایران تک کا راستہ پا لیا۔ ۱۶۷۰ء میں جھیل اورال پر قبضہ کر لیا۔ ۱۶۹۶ء میں ترکی کے اہم شہر ازوف پر اور ۱۷۷۸ء میں ترکی کے دفاعی مرکز ''کریمیا'' پر قابض ہو گیا۔ ۱۸۲۴ء میں بحیرۂ اسود کے اہم دفاعی نقطے جزیرۂ قرم پر قبضہ کر لیا۔ انیسویں صدی میں وسط ایشیا کی طرف پیش قدمی شروع کی۔ ۱۸۶۴ء میں قفقاز، ۱۸۶۷ء میں تاشقند، ۱۸۶۸ء میں بخارا، ۱۸۷۳ء میں خیوہ اور ۱۸۸۴ء میں مرو، روس کے سامنے سرنگوں ہو گئے۔ ۱۹۱۷ء میں روس میں سوشلسٹ انقلاب آیا جس کے بعد وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں کی رہی سہی آزادی بھی سلب

کرلی گئی اور مساجد و مدارس بند کر دیے گئے۔ لاکھوں مسلمان قتل اور لاکھوں جلا وطن کیے گئے۔

فرانس

فرانس نے ۱۸۳۰ء میں الجزائر، ۱۸۸۱ء میں تیونس، ۱۸۸۲ء میں سینیگال اور مڈغاسکر، ۱۹۱۲ء میں مراکش اور ۱۹۲۱ء میں شام پر قبضہ کرلیا۔

اٹلی

اٹلی نے ۱۸۸۷ء میں صومالیہ اور اریٹریا پر اور ۱۹۱۱ء میں لیبیا پر قبضہ کیا۔

غرضیکہ بیسویں صدی کے شروع میں تقریباً سارا عالم اسلام استعماری طاقتوں کے قبضے میں آچکا تھا۔

پانچواں مرحلہ: خلافت اسلامیہ کا خاتمہ

استعماری طاقتیں اب خلافت اسلامیہ کا خاتمہ کرنے کے قابل تھیں۔ یورپی ممالک کی سرپرستی میں ''انجمن اتحاد و ترقی''جیسی تنظیمیں منصب خلافت اور اسلامی شعائر کا احترام زائل کر رہی تھیں اور مصطفیٰ کمال پاشا جیسے ایجنٹ تیار کر لیے گئے تھے۔ ۱۹۰۹ء میں ان ایجنٹوں نے خلیفہ کے اختیارات سلب کر کے وہاں مغربی طرز پر جمہوریت قائم کر دی۔

پہلی جنگ عظیم ختم ہونے پر فاتح استعماری قوتوں نے ترکی کو شام، فلسطین اور عراق سے بھی دست بردار ہونے پر مجبور کر دیا۔ ۱۹۲۴ء میں مصطفیٰ کمال نے اسلام دشمن طاقتوں کے ایما پر خلافت کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔

تصور احیائے خلافت کا خاتمہ

خلافت کے دوبارہ قیام کو روکنے کے لیے درج ذیل اقدامات کیے گئے:

(۱) جذبات پسندی کی مہم چلا کر لوگوں کا اسلام سے رشتہ کمزور کر دیا گیا۔

(۲) مسلمانوں میں قوم پرستی اور وطن پرستی کے جذبات ابھارے گئے تاکہ ایک خلیفہ پر اتفاق محال ہو جائے۔

(۳) یہ پرچار کیا گیا کہ خلافت ایک عضو معطل اور ایک غیر مفید ادارہ ہے۔

(۴) جمہوری طرز حکومت کو ترقی کا ضامن باور کرایا گیا۔

(۵) عالمی تنازعات کے حل کے لیے خلافت کی جگہ ۱۹۱۷ء میں ایک متبادل عالمی ادارے 'لیگ آف نیشنز' کی بنیاد رکھ دی۔

(۶) خلافت کا خاتمہ خود مسلمانوں کے ہاتھوں کرایا گیا تاکہ اسلامی دنیا میں کوئی غیر معمولی رد عمل پیدا نہ ہو۔

چھٹا مرحلہ: عالم اسلام کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا

سقوط خلافت کے بعد استعماری طاقتوں نے چھٹے مرحلے کا آغاز کر دیا اور اسلامی دنیا کے حصے بخرے کر کے خود واپسی کی تیاریاں شروع کر دیں۔

انتشار باقی رکھنے کے لیے حربے

استعماری طاقتیں مسلم ممالک کو تقسیم در تقسیم کی راہ پر ڈالنے کے لیے درج ذیل اقدامات بھی کر گئیں:

(۱) اقوام متحدہ کا شکنجہ: اقوام متحدہ کے بل بوتے پر استعماری قوتوں نے عالم اسلام کے مسائل کو لاینحل (حل نہ ہونے والے) بنا رکھا ہے۔

(۲) بین الاقوامی قوانین: اقوام متحدہ کے ذریعے مسلم دنیا پر ایسے قوانین مسلط کیے گئے ہیں جو کہنے کو تو بین الاقوامی ہیں لیکن ان کا عملی اطلاق صرف مسلم ممالک پر کیا جاتا ہے۔

(۳) معاہدے: استعماری طاقتیں کبھی اقوام متحدہ کے توسط سے اور کبھی براہ راست مسلم ممالک سے مختلف معاہدے کرتی ہیں جن سے تنازعات الجھتے چلے جاتے ہیں۔

(۴) مسلمانوں پر مسلط کردہ جنگیں: مسلم دنیا کی توڑ پھوڑ اور شکستگی کے لیے وقتاً فوقتاً ان پر جنگیں مسلط کر دی جاتی ہیں۔

(۵) بلاکس/blocks: مختلف بلاکس بنا کر مسلم ملکوں کو تقسیم کر دیا گیا ہے، ایک بلاک کا مسلم ملک دوسرے بلاک کے مسلم ملک کو اپنا حریف تصور کرتا ہے۔

(۶) اسلامی دنیا میں بھڑکائی گئی جنگیں: مسلم ممالک کو باہم لڑا دیا جاتا ہے۔ ممالک کے اندر بھی خانہ جنگی کی آگ بھڑکائی جاتی ہے۔

(۷) سیکورٹی: استعماری طاقتیں بعض مسلم ملکوں میں سیکورٹی کے نام پر افواج تعینات کر دیتی ہیں؛ یہ دوستی کے نام پر در حقیقت دشمنی ہوتی ہے۔

(۸) جمہوریت کا فروغ اور کٹھ پتلی حکمران: مسلم ممالک میں جمہوریت کی آبیاری کر کے ان پر اپنے ایجنٹوں اور کٹھ پتلی حکمرانوں کو مسلط کرنا بہت آسان ہو گیا ہے۔

(۹) سیاسی و لسانی پارٹیوں کا فروغ: مسلم دنیا میں نئی نئی سیاسی اور لسانی پارٹیوں کی ریل پیل انتشار پھیلانے کا ایک بڑا سبب ہے۔

(۱۰) لسانیت و صوبائیت: ہر مسلم ملک کو لسانی اور صوبائی بنیاد پر تقسیم کرنے کے لیے ایسی جماعتیں کھڑی کی گئی ہیں جو لسانیت اور صوبائیت کا پرچار کرتی ہیں۔

(۱۱) مذہبی فرقہ بندی کا فروغ: نئے نظریات کے ساتھ اٹھنے والے ہر فرقہ کی حمایت کی جاتی ہے۔

(۱۲) جعلی لیڈر شپ تیار کرنا: استعماری طاقتیں مسلم دنیا کی لیڈر شپ اپنے ہاتھ میں رکھنے کے لیے اپنے منظور نظر افراد تیار رکھتی ہیں۔

ان داخلی اور خارجی اختلافات کی وجہ سے عالم اسلام اب تک اپنے حقوق کے لیے اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کرنے سے قاصر ہے۔

ساتواں مرحلہ: عالم اسلام کے تشخص کا خاتمہ کر دینا

عالم اسلام کے تشخص کے خاتمے کے لیے یہ ہتھکنڈے استعمال (باقی صفحہ نمبر 12 پر)

تمام مسائل کا حل اسوۂ رسولؐ میں پنہاں ہے!

(خطوط از اَرضِ رِباط)

مولانا قاری عبد العزیز شہید رحمۃ اللہ علیہ

خطوط کا انسانی زندگی، زبان و ادب اور تاریخ پر گہرا اثر ہے۔ یہ سلسلہ ہائے خطوط اپنے انداز میں جدا اور نرالے ہیں۔ ان کو لکھنے والے القاعدہ برِّ صغیر کی لجنۂ مالیہ کے ایک رکن، عالم و مجاہد بزرگ مولانا قاری ابو حفصہ عبد الحلیم ہیں، جنھیں میادین جہاد 'قاری عبد العزیز' کے نام سے جانتے ہیں۔ قاری صاحب سفید داڑھی کے ساتھ کبر سنی میں مصروفِ جہاد رہے اور سنہ ۲۰۱۵ء میں ایک صلیبی امریکی چھاپے کے نتیجے میں، قندھار میں مقامِ شہادت پر فائز ہو گئے، رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃ۔ قاری صاحب نے میدانِ جہاد سے وقتاً فوقتاً اپنے بہت سے محبین و متعلقین (بشمول اولاد و خاندان) کو خطوط لکھے اور آپ رحمہ اللہ نے خود ہی ان کو مرتب بھی فرمایا۔ ادارہ 'نوائے غزوۂ ہند' ان خطوط کو شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ اللہ پاک ان خطوط کو لکھنے والے، پڑھنے والوں اور شائع کرنے والوں کے لیے توشۂ آخرت بنائے، آمین۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہ والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ

محترم بھائی......السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امابعد، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ سب ایمان و صحت سے مالا مال ہوں گے۔ ہم بھی اس کی مہربانی سے خیر و عافیت سے ہیں۔ آپ کا خط اور تحفہ ملنے کے بعد بر وقت جواب نہیں دے سکا اس کی وجہ یہ ہے کہ ان ہی دنوں میں خطِ اول (محاذِ جنگ) پر چلا گیا تھا، جب آیا تو معلوم ہوا کہ مکان شفٹ کرنا ہے۔ اب بفضل اللہِ تعالیٰ شفٹنگ تو ہو گئی مگر ابھی تک ترتیب سیدھی نہیں ہوئی۔ امید ہے کہ اللہ کے فضل سے وہ بھی ہو جائے گی۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ خیر و عافیت میں رکھیں۔

آپ نے میرے لیے "یادوں کی امانت" کے طور پر ایک بہترین چادر کا تحفہ ارسال کیا۔ آپ کا بہت بہت شکریہ!! یہ چادر سب کو پسند آئی اور میرا دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا کیونکہ میرے حجرے کی رونق دوبالا ہو گئی۔ اس کے بعد محسوس یہ ہو رہا تھا کہ اس کے شایانِ شان اس پر ایک جائے نماز بھی ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان ہی دنوں میں وہ احتیاج بھی پوری کر دی۔ ہمارے ایک بھائی کی والدہ صاحبہ پاکستان سے ارضِ جہاد آتے ہوئے ایک عدد جائے نماز لیتی آئیں اور اس خاکسار کو بھیج دی۔ اللہ رب العالمین سے دعا ہے کہ وہ آپ اور محترمہ کے بھیجے ہوئے تحفے کو اپنی بارِ گاہ میں قبول فرمائے اور آپ دونوں کو اس کا نعم البدل دنیا میں بھی عطا کرے اور آخرت میں بھی جنت الفردوس میں قالین سے آراستہ بالا خانے کی صورت میں عطا کرے، آمین!

میں کبھی کبھار سوچتا ہوں کہ میں اس قابل کہاں؟ اس کے باوجود الحمد للہ آپ لوگوں کی محبت شاملِ حال ہے۔ اللہ تعالیٰ اس محبت کا صلہ دنیا و آخرت میں اپنی محبت سے عطا کرے، آمین!

محترم بھائی! دنیا میں اہلِ ایمان کے لیے دین کا رشتہ سب سے بڑھ کر ہے۔ اس رشتے کو نبھانے کے لیے مصنوعی رسموں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن آپ کی محبت میرے لیے باعثِ فخر ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں۔

میں آپ سے ایک بات پر معافی کا طلب گار ہوں اور وہ یہ ہے کہ میں نے آپ لوگوں کے نجی معاملے کو چھیڑ کر آپ کو رُلا دیا تھا۔ اس کے لیے میں شرمندہ ہوں لیکن کیا کروں؟ آپ کے خاندان سے دلی محبت ہے، اس لیے اپنا ذاتی مسئلہ سمجھ کر بات چھیڑ دی تھی۔ اب بھی مجھے اصرار ہے وہ بھی اسی محبت کی خاطر کہ آپ اپنے والد محترم کو پیار و محبت سے قائل کرنے کی کوشش کریں کہ ہم پر سب سے بڑھ کر فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم اپنے پیاروں کے ازدواجی رشتے قائم کرنے میں تاخیر نہ کریں۔ مجھے ان دنوں "حجۃ اللہ البالغہ" جو کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کیؒ لکھی ہوئی ہے، دیکھنے کو ملی، اس میں ان کی سوانح عمری بھی لکھی ہوئی تھی۔ شاہ صاحبؒ کا نکاح چودہ سال کی عمر میں انجام پایا تھا۔ ان ہی دنوں "الرحیق المختوم" ہاتھ آئی تو اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا نکاح نبی کریم (ﷺ) کے ساتھ چھ سال کی عمر میں ہوا اور رخصتی نو سال کی عمر میں ہجرت کے بعد ہوئی تھی۔ ہمارے لیے اسلاف و اکابرین کا عمل ہی نمونہ ہونا چاہیے۔ میں اس سلسلے میں بہت زیادہ اصرار اس لیے کر رہا ہوں کہ میں نے مغربی تعلیم کے تناظر میں بہت سے گھروں کو برباد ہوتے ہوئے دیکھا اور اس کا مشاہدہ کیا اور سلگتے ہوئے ان مسائل کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے قلمبند کرنے کی بھی کوشش کی (جہاں میں یہ بات کہہ رہا ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم تعلیم ہی کے خلاف ہیں بلکہ اس نظام سے پیدا ہونے والے مفاسد پر بات کر رہا ہوں)۔ آپ کے ملاحظے کے لیے اس کا ایک اقتباس بھی پیشِ خدمت ہے، معاف کیجیے گا۔ اقتباس بشرفِ نگاہ:

> "اس مغربی نظامِ تعلیم کی وجہ سے خود غرضانہ ذہن بن جاتا ہے جس کے سبب کتنے ہی گھر تباہ و برباد ہو چکے ہیں۔ اس طرح کی تعلیم سے معاشرے میں جو خرابیاں جنم لے رہی ہیں ان کی چند مثالیں غور طلب ہیں۔
>
> ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے پانچ بیٹیوں سے نوازا تھا۔ وہ متوسط طبقے سے تعلق رکھتا تھا پھر بھی اپنی بساط سے بڑھ کر سب سے بڑی بیٹی کو اعلیٰ تعلیم دلوائی۔ لڑکی نے پی ایچ ڈی کر لی اور وہ اب اپنی چوائس کے مطابق رشتہ ڈھونڈتی رہی۔ ماں باپ مجبور تھے وہ اپنی بیٹی کو کچھ کہہ نہیں سکتے تھے، کیونکہ اس کی تعلیم والدین کی تعلیم سے اعلیٰ تھی۔ بڑی بیٹی کی شادی کے انتظار میں اس کی عمر تو گزرنے لگی، جبکہ دوسری بہنوں کی عمریں بھی کم نہ تھیں۔

(باقی صفحہ نمبر 52 پر)

امامِ برحق

شہید اسلام، امامِ برحق حضرت مولانا عبد الرشید غازیؒ کی مختصر سوانحِ حیات

معین الدین شامی

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

امر بالمعروف یعنی اچھائی کا حکم دینا اور نہی عن المنکر یعنی برائی سے روکنا شریعتِ محمدی (علی صاحبہا الصلاۃ و السلام) کے بنیادی فریضوں میں سے ایک ہے۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے فرمایا:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ...... (سورۃ آلِ عمران: ۱۱۰)

”(مسلمانو) تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کے فائدے کے لیے وجود میں لائی گئی ہے، تم نیکی کی تلقین کرتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو......“

بندۂ مسلم ہو یا قومِ مسلم، ان کی فلاح و صلاح اللہ پر ایمان اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں رکھ دی گئی ہے۔ یہ وہ حکم ہے جو اللہ نے دیا، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جس پر عامل ہونے کو کہا اور جس کو نہ کرنے پر تباہی کی وعیدیں سنائیں، وہ حکم جو سارے انبیائے کرام علیہم السلام کرتے رہے، جس کا اہتمام صحابہ رضوان اللہ علیہم نے کیا، اولیاء اللہ جس کی وصیت اپنی اولادوں کو دمِ آخریں کرتے رہے اور جس کی بدولت (برضاء اللہ و مشیئتہ) یہ دین قائم ہے اور ہم تک پہنچا ہے۔

اسی فریضے میں ہم مسلمانوں کی حیات ہے۔ اسی کو قائم کرنے کی خاطر لال مسجد و جامعہ حفصہ کے طلبہ و طالبات، علما و عالمات اور اسلام آباد کے عام و خاص لوگ مولانا عبد العزیز غازی اور مولانا عبد الرشید غازی کی قیادت میں مجتمع ہو گئے۔ یوں بھی اسلامی معاشرے کا محور محراب اور مرکز مسجدیں ہیں اور قضا و افتا کے بنیادی ادارے دار الافتاء ہیں بلکہ شہید عالم ربانی استاد احمد فاروقؒ کے بقول آج کے دار الافتاء کل کی (نفاذِ شریعت کے بعد) شرعی عدالتیں ہوں گی۔

مساجد کی شہادت

ایک منکر، ایک جرمِ عظیم اسلام آباد میں کئی مساجد کو 'غیر قانونی' قرار دے کر گرایا جانا تھا۔ یہ جرمِ عظیم اسلام آباد کی انتظامیہ وفاقی وزیرِ داخلہ آفتاب احمد خان شیر پاؤ کی ہدایت پر کر رہی تھی۔ جن اللہ کے گھروں کو 'غیر قانونی' قرار دے کر گرایا جا رہا تھا ان میں سے بعض مساجد کو گرانے کی وجہ محض یہ تھی کہ یہ وقت کے آمر جرنیل، پرویز مشرف کے راستے میں پڑتی تھیں اور راستے میں اندیشہ تھا کہ 'دہشت گرد' اس میں چھپ کر مشرف پر حملہ نہ کریں۔

اسلام آباد کی انتظامیہ نے وفاقی حکومت کی ہدایت پر چوراسی (۸۴) مساجد کو 'مارک' (نشان زدہ) کیا جنہیں مستقبل میں گرایا جانا تھا۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ أَن يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَن يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ○ (سورۃ البقرۃ: ۱۱۴)

”اور اس شخص سے بڑا ظالم کون ہو گا جو اللہ کی مسجدوں پر اس بات کی بندش لگا دے کہ ان میں اللہ کا نام لیا جائے، اور ان کو ویران کرنے کی کوشش کرے! ایسے لوگوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان (مسجدوں) میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے۔ ایسے لوگوں کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور انہی کو آخرت میں زبردست عذاب ہو گا۔“

سات (۷) مساجد کو گرایا جا چکا تھا جب لال مسجد و جامعہ حفصہ کے طلبہ و طالبات نے مساجد کے انہدام کے سلسلے کو فوری روکنے اور شہید کردہ مساجد کی فوری تعمیر کا مطالبہ کیا۔ اس موقع پر غازی صاحب نے فرمایا:

”مساجد کا مسئلہ ہے، مساجد مقدس جگہیں ہیں اور ایک نہیں ہے، سات (۷) ہیں۔ بابری مسجد کو شہید کیا جاتا ہے تو ہم بڑا شور مچاتے ہیں..... ہم ایک کیا precedent (مثال) ڈال رہے ہیں؟ دنیا کو کیا دکھانا چاہ رہے ہیں؟“[1]

پس مختصر یہ ہے کہ اس وقت دنیا کو اور خصوصاً امریکہ و مغرب کو مشرف اور اس کے دم چھلے یہ دکھانا چاہتے تھے کہ ہم بہت روشن خیال اور جدت پسند ہیں۔ پھر اللہ کے گھر، مساجد کو گرا کر اپنے خبثِ باطن کا اظہار بھی مقصود تھا، ورنہ کتنے شراب خانے، بدکاری کے اڈے، سینما گھر اور تھیٹر ہیں جو اسی زمانے میں 'قانونی' قرار دیے گئے یا 'قانونی' طور پر تعمیر و آباد کیے گئے۔ پرویز مشرف اور اس کے وزیروں کی محفلوں میں کھلے عام شراب کی بوتلیں کھلا کرتی تھیں اور یہ سب سرکار اور فوج و پولیس کی نگہداری میں ہوتا تھا۔

مساجد کی حفاظت کے لیے پرزور مطالبات کیے گئے اور جب حکومت اپنے اس فعلِ بد سے باز نہ آئی تو اللہ کے گھروں کی عصمت و حفاظت کی خاطر حکومت کو الٹی میٹم بھی دیا گیا اور حکومت نے خانہ پُری کرتے ہوئے وفاقی وزیر برائے مذہبی امور محمد اعجاز الحق کے ذریعہ شہید کردہ مسجد امیر حمزہؓ کا سنگِ بنیاد رکھا، لیکن اس کے بعد کوئی اور، تعمیری اور فلاح و صلاح پر مبنی اقدام نہ

[1] بحوالہ 'Live with Talat'، طلعت حسین کے ساتھ (آج ٹی وی)

اٹھایا۔ الٹا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے والوں کو مطعون کیے جانے کا ابلاغی سلسلہ شروع ہو گیا۔ اسی زمانے میں پرویز مشرف نے 'سب کو مار دینے'[1] کی باتیں بھی کیں۔

فحش ویڈیوز کی کیسٹوں اور سی ڈیوں کا نذرِ آتش کیا جانا

امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور جذبۂ دعوت الی الخیر کے تحت طلبہ و علما، لال مسجد کے قریب واقع بازاروں 'میلوڈی' اور 'آبپارہ' میں ویڈیوز فروخت کرنے والوں کے پاس گئے۔ جو ویڈیو کیسٹ و سی ڈی فروش فحش اور بے حیائی و بد اخلاقی کے مواد پر مشتمل ویڈیو کیسٹیں اور سی ڈیاں بیچتے تھے انہیں پیار اور فکرِ آخرت کی ترغیب کے ساتھ یہ مواد تلف کرنے کی دعوت دی گئی۔ اللہ پاک نے ان اللہ والوں کی دعوت میں اتنا اثر رکھا کہ دکان دار برضا و رغبت یہ فحش مواد تلف کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

بغیر کسی زور زبردستی کے (حالانکہ منکر کو بزورِ قوت بھی روکا جاتا ہے) سب دکان داروں نے مواد ایک چوراہے میں جمع کیا اور پٹرول چھڑک کر آگ لگا دی۔

اس معاملے کو سیکولر میڈیا اور فحاشی و عریانی کو فروغ دینے والے ابلاغی اداروں اور حکومت نے حقائق کو مسخ کرتے ہوئے خوب اچھالا۔

فحاشی کی سوداگر عورت کی تادیب

اسلام آباد کے سیکٹر جی سکس کے رہائشی ایک فحاشی کا اڈا چلانے والی عورت سے بہت تنگ تھے۔ اس عورت کے اڈے پر بڑی بڑی گاڑیوں میں بااثر لوگ آیا کرتے تھے۔ محلہ شریفوں کا تھا اور شریفوں کے بس سے باہر تھا کہ وہ اس عورت کا کچھ علاج کرتے۔ پندرہ سال سے یہ اڈا دین اور عصمت و حیا ایک طرف، 'آئینِ پاکستان' کی بھی نام نہاد رِٹ چیلنج کیے ہوئے تھا۔

اہلِ علاقہ پولیس، تھانے داروں اور انتظامیہ کو شکایت کر کر کے تنگ آ چکے تھے۔ چند بار اس کے اڈے پر چھاپہ بھی پڑا، لیکن چھاپے سے پہلے ہی اس کو اطلاع ہو جاتی اور یہ جملہ سامان اور جسم فروش عورتوں کو غائب کر دیتی اور کبھی کچھ بر آمد نہ ہوتا۔

لال مسجد و جامعہ حفصہ کے طلبہ و طالبات کی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تحریک اٹھی تو اہلِ علاقہ کو کچھ امید بندھی اور یہ مسجد و مدرسے والوں کے پاس آئے اور اس کی شکایت کی۔

کچھ طالبات گئیں اور اس کو یہ فحش کام چھوڑنے کے لے ترہیب و ترغیب دلائی۔ اس عورت نے وہاں فساد کھڑا کر دیا اور نوبت ہاتھا پائی تک پہنچی۔ بامر مجبوری اس عورت کو ساتھ ہی لانا پڑا۔ یہ جہاں دیدہ، چالاک عورت تھی اور مذہبِ رافضیت سے اس کا واسطہ تھا۔ اس نے بظاہر ٹسوے بہائے، توبہ کی اور تین روز بعد واپس جا کر، اپنی بد باطنی اور حکومت میں بیٹھے اپنے 'گاہکوں' اور 'سہولت کاروں' کی اکساہٹ پر اس سارے معاملے کو میڈیا میں خوب اچھالا۔

چینی مساج سینٹر

اسلام آباد کے بعض علاقوں میں کچھ مساج سینٹر چلتے تھے جہاں چینی عورتیں پیسوں کے عوض نامحرم مردوں کا مساج کرتیں اور فحاشی کے اڈے چلاتیں۔ اس کام کو بھی اسی تحریکِ امر بالمعروف و نہی عن المنکر نے روکا اور حکومت نے اس کو اپنی رِٹ چیلنج کرنے کے مترادف قرار دیا۔

حکومت کی ہٹ دھرمی و ظلم اور غازی صاحب کا ردِ عمل

حکومتِ وقت خود یہ برائیاں روکنے سے گریزاں رہی، بلکہ ان کی سہولت کاری بھی کرتی رہی۔ بلکہ حکومت پر قابض سربراہِ مملکت، پرویز مشرف ایسا شخص تھا جس کے نزدیک یہ سب کام 'فن' اور 'آرٹ' میں داخل تھے۔ ایسا شخص جو شراب پی کر گلاس سر پر رکھ کر رقص کرنے کو مہارت گردانتا تھا اور فخر یہ بتاتا تھا کہ راولپنڈی کے جم خانے میں میری ماں 'کتھک' ڈانس کیا کرتی تھی۔ ایسا شخص جس کی کابینہ اور اس کے 'مقربین' رات کو ایوانِ صدر میں شراب و شباب کی محفلیں 'سجاتے'، گویّوں اور میراثیوں کو بلواتے اور ان کے ساتھ سُر اور تال ملاتے۔ یہ سب کہاں برداشت کر سکتے تھے کہ شراب و کباب اور رقص و شباب کی محفلوں، فحاشی و بدکاری کے اڈوں کو روکا جائے اور ان کی جگہ قال اللہ و قال الرسول کی ندائیں سنائی دیں اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر عمل کیا جائے۔

حکومتی مشینری حرکت میں آئی اور جی سکس میں فحاشی کا اڈا چلانے والی بدکار عورت کے بدلے پولیس نے جامعہ حفصہ کی پاک باز دو معلمات کو مدرسے آتے ہوئے اغوا کر لیا۔

ساتھ ہی ابلاغی اداروں کی ڈوریں کھینچی گئیں اور ہر طرف قانون کو ہاتھ میں لینے، ریاستی رِٹ کو چیلنج کرنے اور حکومت کے خلاف محاذ آرائی کی جا رہی ہے کی دُہائیاں دی جانے لگیں۔

اس موقع پر غازی صاحب نے مبنی بر حق اور عادلانہ موقف اپنایا، اور اس کا برملا عقلاً و شرعاً بیان کیا۔ غازی صاحب نے فرمایا:

> ''جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو اسلام یہ حکم دیتا ہے کہ جب آپ کسی برائی کو کہیں دیکھیں تو اس کو ہاتھ سے روکا جائے ...... لہٰذا طلبہ اس کو روک رہے ہیں۔''[2]

دوسری جگہ فرمایا:

> ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ جب تم کسی بری چیز کو دیکھو تو اسے ہاتھ سے روکو اور اگر اس کی استطاعت نہیں رکھتے تو زبان سے اس کو کہو کہ یہ بری ہے۔ اور وہ بھی اگر استطاعت نہیں رکھتے تو دل سے برا جانو، لیکن یہ ایمان کا بڑا کمزور درجہ ہے۔ تو اب سوال یہ ہے کہ اگر میں برائی کو اپنے پڑوس میں ہوتا

---

[1] جیو نیوز کی ویڈیو نیوز رپورٹ (بتاریخ ۷ اپریل ۲۰۰۷ء)

[2] Al Jazeera English's programme "Witness", with Rageh Umaar [نشر شدہ گیارہ (۱۱) اگست ۲۰۰۷ء]

ہوا دیکھ رہا ہوں اور ہم پولیس کو بتا بتا کر تھک گئے ہیں۔ قانون حرکت میں نہیں آرہا۔ تو کچھ نہ کچھ تو اس کا کرنا ہے ناں......

......کچھ دیر کے لیے اسلام کو چھوڑ دیں، شریعت کو بھی چھوڑ دیں یہ جو کام ہیں مثلاً بلیو (فحش) فلموں کا جو کاروبار ہے یہ آپ بھی جانتے ہیں میں بھی جانتا ہوں سب جانتے ہیں کہ یہ ہو رہا ہے اور بڑا openly (کھلم کھلا) ہو رہا ہے۔ یہ جسم فروشی کا کام جو خاتون کر رہی تھیں، openly کر رہی تھیں۔ یہ تو اس وقت جو ہمارا جو بھی لاء (قانونِ پاکستان) ہے جیسا تیسا لاء ہے وہ بھی اجازت نہیں دیتا۔"[1]

ایک اور جگہ فرمایا:

"میں ایک مثال سے عرض کروں گا...... کہ ہمارے گھر کے باہر سٹریٹ (گلی) میں کوڑے کا بڑا ڈرم پڑا ہوتا ہے۔ یہ ڈرم اٹھانا کس کی ذمہ داری ہے؟ بلدیہ والوں کی...... ظاہر ہے!

اب فرض کیا کہ بلدیہ والے اس کو نہیں اٹھاتے، (لوگ) کہتے ہیں، درخواست کرتے ہیں اہلِ محلہ کہ اٹھالو۔ اور بد بو وہاں سے آنے لگتی ہے۔

اب جب انتہائی بدبو آتی ہے تو لوگ سب مل کر...... ہم سب مل کر کہتے ہیں کہ چلو جی کوئی گاڑی منگواؤ اور اس میں ڈالو اور لے جائیں۔

جب ہم اس گند کو اٹھا کر پھینک کے آجاتے ہیں کہیں، تو...... بلدیہ والے آ جاتے ہیں کہ جناب آپ کا تو یہ کام ہی نہیں تھا۔ آپ نے یہ کیوں کیا؟ آپ نے قانون کی خلاف ورزی کی ہے!

میں اسی بات پر آؤں گا کہ (ہم) قانون کو ہاتھ میں لینا نہیں چاہتے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ یہ سب ایسے ہو رہا ہے...... اور ادارے کام نہ کر رہے ہوں تو پھر آدمی کہاں جائے؟"[2]

غازی صاحب کی مسلمان معاشرے سے محبت اور ہمدردی و اصلاح کا جذبہ اس بات سے بھی عیاں ہے کہ جب آپ کے سامنے ایک سائل نے یہ کہا کہ 'یہ فحاشی کا کاروبار کرنے والی عورتیں مجبور ہیں، اگر یہ کام نہیں کریں گی تو ان کے نان نفقے کا انتظام کہاں سے ہو گا؟ اگر آپ ان کے خلاف ہیں اور ان کا کام دھندا بند کروانا چاہتے ہیں تو میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ ان کے نان نفقے کا انتظام کریں گے؟'۔ جواباً غازی صاحب نے فرمایا:

"اگر آپ یہ بات کرتے ہیں، تو ہاں ٹھیک ہے...... ہم ایسی عورتوں کے نان نفقے کی ذمہ داری لینے کو بھی تیار ہیں اگر یہ عورتیں یہ کام چھوڑ دیں!"[3]

نفاذِ اسلام کی کوششیں

غازی صاحب سری و جہری ہر طریقے پر نفاذِ شریعت اور اقامتِ دین کی دعوت دیتے رہے اور اس دعوت کے دینے میں آپ نے خوب حکمت سے کام لیا۔ ہمارے خطے میں یہ دعوت نہ تو کوئی نئی دعوت ہے اور نہ ہی پہلی بار کسی نے یہ صدا بلند کی ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، محدث و فقیہ علامہ ظفر احمد عثمانی، مفتیٔ اعظم مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی، بائیس (۲۲) نکات مرتب کرنے والے اکابر علمائے کرام[4]، امیر شریعت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، علامہ سیّد محمد یوسف بنوری سے لے کر فقیہ العصر مفتی رشید احمد لدھیانوی، مفتی نظام الدین شامزئی، مولانا یوسف لدھیانوی، شیخ ولی اللہ کابل گرامی، مولانا صوفی محمد اور خود غازی صاحب کے والدِ گرامی مولانا محمد عبد اللہ غازی تک اور سیکڑوں علما (نوّر اللہ مرقدہم) ایسے ہیں جنہوں نے نفاذِ اسلام کے لیے دعوت و جہاد کے میدان گرم کرنے کی صدا لگائی۔

غازی صاحب بھی شروع دن سے اس نظام کا دجل جانتے تھے اور جانتے تھے کہ اس نظام کے ڈھانچے میں رہتے ہوئے اقامتِ اسلام ناممکن ہے۔ آپ نے پہلے ہی مرحلے میں براہِ راست ٹکراؤ سے اجتناب کیا اور آپ کے برادرِ کبیر مولانا عبد العزیز غازی اور آپ خود نظام کی خرابیاں اور اس کا فساد بیان کرتے رہے اور اسلامی نظام کے نفاذ کی دعوت دیتے رہے۔ آپ نے حکمرانوں کو بھی غیر اللہ کے نظام کو ترک کرنے اور اسلامی نظام کے قیام کی طرف دعوت دی، علمائے کرام اور مسلمان عوام و خواص کو بھی نفاذِ اسلام کے لیے تحریک کی بنیاد پر جمع ہونے اور اقامتِ شریعت کی خاطر کوششیں کرنے اور قربانیاں دینے کی تحریض دلائی۔

اسلام ہی اس ملک کا سامانِ بقا ہے!

مملکتِ پاکستان کے مقصدِ تاسیس اور آج کل کے نام نہاد روشن خیالوں کو مخاطب کر کے آپ نے ایک جگہ فرمایا:

"یہ ملک اسلام کے نام پر بنا تھا...... اس کے لیے قربانیاں دی گئیں، ہماری بہنوں نے ماؤں نے قربانیاں دیں۔ قربانیاں آپ کے سامنے ہیں بڑا خون لگا ہے...... یہ ملک آسانی سے نہیں بنا ہے۔ ایسے میں اس کا جو مقصد تھا، جو ہدف

---

[1] جیو نیوز پر ڈاکٹر شاہد مسعود کے پروگرام 'میرے مطابق' میں گفتگو (۲، اپریل ۲۰۰۷ء)

[2] خوشنود علی خان کے پروگرام ٹاکرا میں گفتگو، (۴، اپریل ۲۰۰۷ء)

[3] ایضاً

[4] اسلامی مملکت کے بنیادی اصول (۲۲ نکات) اس دستاویز پر؛ علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا شمس الحق افغانی، مولانا مفتی محمد حسن امرتسری، مولانا سیّد ابو الاعلیٰ مودودی، مولانا داؤد غزنوی، حاجی خادم الاسلام محمد امین (خلیفہ حاجی صاحب تنگ زئی)، مولانا خیر محمد جالندھری، مولانا اطہر علی، مولانا احتشام الحق تھانوی، مولانا شمس الحق فرید پوری (ڈھاکہ)، مولانا محمد حبیب الرحمٰن (ڈھاکہ)، مولانا احمد علی، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا محمد اسماعیل، پیر محمد امین الحسنات سمیت کئی اور اکابرین نے علمائے کرام کے ایک اجلاس (منعقدہ ۲۱ تا ۲۴ جنوری ۱۹۵۱ء) میں دستخط کیے اور یہ مطالبہ کیا کہ جلد از جلد نظامِ اسلامی مملکتِ پاکستان میں نافذ کر دیا جائے۔

تھا...... جو ہم نے پڑھا ہے...... وہ تو یہی ہے کہ پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ!
(لہٰذا یہاں اسلام کا نفاذ ہونا چاہیے)۔
اگرچہ آج کل بہت سے لوگ جو ہیں، ماڈرن لوگ جو ہیں enlightened(روشن خیال)قسم کے لوگ جو ہیں، میں so-called enlightened(نام نہاد روشن خیال) کہوں گا وہ کہہ رہے ہیں کہ ایسی بات نہیں ہے۔"[1]

ایک مقام پر غازی صاحب نے فرمایا:

"حالات کچھ ایسے ہیں کہ یہ ملک خدانخواستہ بکھر سکتا ہے، اس کو بکھرنے سے بچانے کے لیے جو واحد ہمارے پاس راستہ ہے (وہ اتفاق و اتحاد ہے)...... (اور اس اتفاق و اتحاد کا راستہ) یہ ہے کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے اوپر (ہم)سب کو جمع کر سکتے ہیں۔ اس پر کسی کا اختلاف نہیں ہو گا۔ اس پر سارے کے سارے جڑ سکتے ہیں۔ اس لیے (آج کے حالات میں) یہ نفاذِ اسلام کا مطالبہ اس وقت (ہم) ذرا زیادہ زور و شور سے (کر رہے) ہیں۔
میرے خیال کے مطابق علمائے کرام سارے ہی یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ جس مقصد کے لیے ہم نے یہ ملک لیا تھا، ہماری بہنوں نے، ماؤں نے قربانی دی، بھائیوں نے قربانی دی...... آخر اتنا خون لگا ہے اس ملک کے لیے...... اس قربانی کا مقصد کیا تھا؟
اس کا مقصد یہی تھا جو ہمیں بتایا گیا ہے، جو ہم نے پڑھا ہے کہ پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ! اس کے اوپر ساری کاوشیں ہوئیں، ساری کوششیں ہوئیں اور اس کے بعد یہ ملک بنا۔ لیکن بد قسمتی سے یہاں اسلامی نظام کا نفاذ نہیں ہو سکا۔"[2]

گویا غازی صاحب کی درج بالا بات، مولانا ناز کی کیفیؒ[3] کے اس شہرۂ آفاق شعر کی تشریح ہو گئی کہ

اسلام ہی اس ملک کا سامانِ بقا ہے
بنیاد پہ قائم نہ رہے گا تو فنا ہے

جمہوری نظام کا فساد

ہمارے ملک میں اسلامی نظام کا نفاذ نہ ہوا اور اس کی جگہ ایک غیر اسلامی، بودا، فرسودہ اور کرپٹ جمہوری نظام مغرب سے درآمد کر لیا گیا۔ جمہوری نظام کی فرسودگی اور فساد کو بیان کرتے ہوئے ایک ٹی وی ٹاک شو میں آپ نے فرمایا:

"ہم تو اس جمہوری نظام کو بھی غیر اسلامی سمجھتے ہیں، کہ یہ جمہوریت بھی اسلامی نہیں ہے۔ اسلامی نظام بالکل altogether different (سراسر مختلف) ہے۔ اس لیے کہ جمہوریت کے اندر جو ووٹ ہے؛ اس کو گنتے ہیں۔ اس کو تولتے نہیں ہیں۔
اسلام میں صاحب الرائے لوگوں کی (رائے اہمیت کی حامل ہے)۔ دیکھیں میں آپ کو مثال دیتا ہوں۔ جمہوریت کے اندر ایک بھنگی، چرسی، شرابی جس کو اپنے interest (فائدے) کا نہیں پتہ...... ملک کا interest تو بہت دور کی بات ہے اس کو اپنے interest کا نہیں پتہ، اس کو اپنی فیملی کے interest کا نہیں پتہ...... اس (طرح کے شخص) کا ووٹ کتنا ہے؟ ایک ہے!
اور ایک بہت ہی صاحبِ فراست، intellectual (ذہین و مفکر) اور ایسا شخص جس کی پورے ملک کے حالات پر ایک گہری نظر ہے، اس کا بھی ووٹ کتنا ہے؟ ایک......!"

سوالاً تبصرہ کیا گیا کہ:

"(یہی تو) مساوات ہے۔ محمود و ایاز اکٹھے ہیں، ایک ہی صف میں ہیں!؟"

جواباً فرمایا:

"نہیں، نہیں! (محمود و ایاز اکٹھے) چل رہے ہیں، ایک ہی صف میں کام کر رہے ہیں؛ یہ اور بات ہے!
لیکن جہاں بات ہو گی رائے کی تو وہاں صاحب الرائے لوگوں کی بات مانی جائے گی۔
ہمارے یہاں کیا وجہ ہے کہ سسٹم (نظام) صحیح طریقے سے چل نہیں رہا؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ ووٹ کو گنا کرتے ہیں اور اسی پر علامہ اقبال کا شعر بھی ہے کہ

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں، تولا نہیں کرتے!"[4]

---

[1] بحوالہ 'Live with Talat'، طلعت حسین کے ساتھ (آج ٹی وی)
[2] جیثمین منظور کے پروگرام 'دی پلس (The Pulse)' میں گفتگو
[3] فرزند مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی
[4] بحوالہ 'Live with Talat'، طلعت حسین کے ساتھ (آج ٹی وی)

غازی صاحب نے اس نظامِ طاغوت سے برأت کا اظہار کیا اور حقیقی تبدیلی کے لیے اسلام کے عادلانہ نظام کی حمایت کرتے ہوئے فرمایا:

"ہم (موجودہ) نظام کے خلاف ہیں اور ہم پر امن انداز سے ملک میں ایک تبدیلی چاہتے ہیں۔ لیکن اگر وہ (مقتدر طبقے) ہمیں دبانے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ انتشار اور تشدد کی صورت اختیار کر سکتا ہے!"[1]

علمائے کرام کو دعوت

غازی صاحب نے اس موقع پر جہاں عوام میں دعوتِ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور نظامِ اسلامی کے قیام کی دعوت دی تو ساتھ ہی وقت کے بڑے علمائے کرام، رہبرانِ دین وملت اور داعیانِ دین کو بھی مخاطب کیا اور ان کو ان کا نبوی وراثت والا فریضہ یاد دلایا۔ آپ نے رہبرانِ دین وملت کو نہایت ادب کے ساتھ یاد دلایا کہ ہمارا کام اس دین کی خاطر کھپنا، اپنی جانوں کو گھلانا، اس کی خاطر قربانیاں دینا ہے۔ آپ نے بیان کیا کہ ہمارا مزاج چلے چلائے سسٹم میں بس 'ایڈجسٹ' ہونے کا بن گیا ہے اور ہم کچھ بھی انقلابی و تحریکی کام نہیں کرنا چاہتے۔ جب اللہ کے گھر، مساجد کے انہدام کا معاملہ ہوا اور بعض حضرات نے آپ کو بس زندگی بچانے، جانیں بچانے اور ٹکراؤ سے اجتناب کی راہ سجھائی تو آپ نے نہایت درد و سوز مندی کے ساتھ فرمایا:

"(ہمارا مزاج بن گیا) ہے کہ باہر درس گاہ سے نکلیں اور جوتیاں سیدھی ہمیں ملیں...... ہمارا ایک مزاج بن گیا ہے کہ ہم دھکا نہیں کھانا چاہتے، ہم یہ نہیں چاہتے، (کہ) ٹینشن ہو، تو میں کہا کرتا ہوں کہ اگر (اللہ تعالیٰ نے) اس طرح ٹھنڈی ٹھنڈی دین کی خدمت کروانی ہوتی...... تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی ہی خدمت کروالی ہوتی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایسی ٹھنڈی ٹھنڈی خدمت کروالی ہوتی۔

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور صحابہ کرام کو ایسے مراحل سے گزارا کہ جن کے اندر مشکلات بھی ہیں، جس کے اندر ٹینشن بھی ہے۔ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹینشن نہیں ہوتی تھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو روتے کیوں تھے؟ مسائل کی وجہ سے، حالات کی وجہ سے کہ یہ کیسے ہو گا؟ کیسے ہم کریں گے؟ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے) جہاد کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تو خون مبارک بھی بہا، دانت مبارک شہید ہوئے؛ ہم میں سے کتنوں کو ابھی پتھر (بھی) لگے ہیں؟ ہم پتھر کھانے کو بھی تیار نہیں ہیں۔ ہم تو کہتے ہیں کہ دھکا بھی نہ پڑے۔ کوئی ہمیں اوئے بھی نہ کہے...... ہمیں کوئی اوئے بھی نہ کہے اور ہماری ایک ریسپیکٹ/respect (احترام) ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو مجنوں بھی کہا گیا، کیا کچھ کہا گیا نعوذ باللہ، لیکن ہماری ایک نفسیات بن گئی ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ ہم ایک روٹین میں جو لائف (زندگی) ہے ناں ہماری (وہ خراب نہ ہو)...... یہ تو ایک عام آدمی کی سوچ ہے، عام دکان دار کی سوچ ہے، ملازمت کرنے والے جو لوگ ہیں، عام آدمی، یہ تو اس کی سوچ ہے کہ میری روٹین ڈسٹرب نہ ہو، میں اپنی روٹین میں رہوں۔ ہمیں تو میرا خیال ہے کہ ہر طرح کے اس (قربانی) کے لیے تیار رہنا چاہیے، ٹینشن کے لیے ہمیں تیار رہنا چاہیے، ساری چیزوں کے لیے ہمیں تیار رہنا چاہیے اور ہمیں اتنی جلدی سرنڈر (surrender) نہیں کر دینا چاہیے۔"[2]

یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

کسی نے غازی صاحب پر الزام لگایا کہ آپ حضرات امریکی سی آئی اے کے لیے کام کرتے ہیں۔ کسی نے کہا کہ آپ حضرات کو القاعدہ نے پاکستان میں کام کرنے کا 'گرین سگنل' دے دیا ہے[3]۔ کسی نے کہا کہ یہ پرویز مشرف کو مضبوط کرنے کے لیے ایجنسیوں کی طرف سے اس کی 'بی ٹیم' کے طور پر کام کر رہے ہیں...... اور ان سب الزامات کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ کیسے ممکن ہے کہ کسی بڑی طاقت کی پشت پناہی کے بنا یہ حضرات کھڑے ہو گئے ہوں۔ اس پر غازی صاحب نے فرمایا:

"حضرات ایک بات بھول رہے ہیں...... ان کے خیال میں طاقت جو ہے وہ یا القاعدہ کے پاس ہے یا سی آئی اے کے پاس...... یعنی کسی کی بیک/back (پشت) پر اگر القاعدہ ہو تو وہ کھڑا ہو سکتا ہے تن تنہا یا سی آئی اے ہو، ان دونوں میں سے کوئی ہو تو (ہی کوئی کھڑا ہو سکتا ہے)۔ تو (حضرات) ایک چیز بھول رہے ہیں کہ ایمان کی طاقت پہ بھی تو کوئی کھڑا ہو سکتا ہے؟!

کوئی دیوانہ کھڑا ہو گیا، ایمان کی طاقت سے کھڑا ہو گیا!"[4]

آپ نے فرمایا کہ 'ہاں ہم ایجنسی کے لیے کام کرتے ہیں' لیکن کون سی 'ایجنسی'، تو فرمایا:

---

[1] Al Jazeera English's programme "Witness", with Rageh Umaar [نشر شدہ گیارہ (۱۱) اگست ۲۰۰۷ء]

[2] علما میں بیان، ۲۴ فروری ۲۰۰۷ء

[3] القاعدہ، نفاذِ دین اور اقامتِ خلافت کی خاطر دعوت و جہاد کی داعی اور جہادی جماعت ہے۔ القاعدہ امتِ مسلمہ کے دشمنوں کے خلاف دعوتِ مزاحمت اور امتِ مسلمہ کے لیے رحمت و شفقت کا پیغام ہے۔ القاعدہ سے منسلک ہونا کوئی جرم کی بات نہیں، بلکہ یہ تو عین اعزاز کا سبب ہو سکتا ہے۔ یہاں غازی صاحب نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ لوگ جان لیں کہ اگر کوئی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی دعوت دے رہا ہو، اگر کوئی اقامتِ نظامِ اسلامی کی بات کر رہا ہو اور اپنی محنتیں و کاوشیں اس راہ میں کھپا رہا ہو تو لازمی نہیں کہ اس کی پشت پر کوئی منظم جماعت یا تنظیم کی طاقت بھی کار فرما ہو۔

[4] علما میں بیان، ۲۴ فروری ۲۰۰۷ء

"ہم تو ایک ایجنسی کے ہیں..... وہ اللہ کی ایجنسی جو ہے ناں.....اس کے ہیں ہم سارے کے سارے۔"[1]

میں کھٹکتا ہوں دلِ 'شیطاں' میں کانٹے کی طرح

ازل سے یہ طریقہ جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گا کہ آگ اور پانی جمع نہیں ہو سکتے، جہنم و جنت ایک نہیں ہو سکتے، پھول کی پتی میں نرمی اور کانٹے میں سختی رکھ دی گئی ہے۔ ان تناقضات اور اضداد سے بڑھ کر، ایک دوسرے سے متناقض اور ایک دوسرے کی ضد، کفر اور ایمان ہیں۔ دونوں کے اپنے اپنے دھڑے، حزب الشیطان اور حزب الرحمان ہیں۔ دونوں کے اپنے اپنے جدا راستے اور جدا منزلیں ہیں۔ ایک طرف شیطان کی پرستش ہے تو دوسری طرف اللہ کی عبادت۔ ایک طرف نظامِ شیطنت ہے تو دوسری طرف نظامِ شریعت۔ شیطنت کے بہت سے عنوانات ہو سکتے ہیں لیکن شریعت ایک ہی ہے، دین ایک ہی ہے اور وہ ہے اسلام۔ اللہ نے اسی اسلام کے ساتھ وابستگی پر اپنی رضا کا اعلان کر رکھا ہے۔

اسلام وہ عالی دین ہے جس کے راہیوں کی منزلِ مراد، جن کا مقصودِ اصلی خود اللہ ربّ العالمین ہے۔ ربّ کی جانب جانے والے راہیوں کے امام، بعد از خدا بزرگ و برتر محمدِ مصطفیٰ احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ کے بعد انبیائے کرام علیہم السلام، پھر صحابۂ کرام علیہم الرضوان، پھر صدیقین، شہدا، صالحین اور اللہ کے دیگر محبوبین و متقین۔

اسی راہِ الفت و معرفت کے راہیوں کا ایک بلند نام حضرت مولانا محمد عبد الرشید غازی ہیں۔ آپ نے اپنی زندگی کی مہار اللہ کی طرف موڑ دی اور پھر اللہ کی رضا و محبت کے حصول کی خاطر اس راہ میں سرپٹ دوڑے۔ آپ نے اسلام کو اپنا دین مانا اور ہر کفر و طاغوت کا انکار کیا۔ نتیجتاً اقبالؒ کے ایک مصرعے میں لفظی تصرف کے ساتھ آپ طواغیتِ زمانہ کے لیے ایسے ہو گئے کہ

ع میں کھٹکتا ہوں دلِ 'شیطاں' میں کانٹے کی طرح!

اور شیطان اور اس کے حواریوں نے آپ کو اور آپ کے مشن کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینا چاہا۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا!

بقولِ شخصے..... اسلام آباد کے قلب میں نفاذِ دین و شریعت کی دعوت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور ساڑھے چھ ہزار پاک باز، باحجاب خواتینِ اسلام؛ یہ امریکہ اور اس کے حواریوں کے لیے ایسا ہے گویا اسلام آباد کے قلب میں کوئی 'ایٹم بم' رکھا ہو!

امریکی ایما پر اور مقامی طاغوتوں کے اشاروں اور 'آرڈر' کے سبب، فرنٹ لائن اتحادی حرکت میں آئے۔ اہلِ حق اور اہلِ باطل کی مثال ایسی تھی گویا چیونٹی بمقابلہ ہاتھی۔ ساٹھ ہزار (۶۰،۰۰۰)فوج و رینجرز کی نفری تعینات کی گئی اور ایک سو چونسٹھ (۱۶۴) سپیشل سروسز گروپ کے کمانڈوز نے لال مسجد کو گھیر لیا[2]۔ نیم عسکری ادارے اور پولیس کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔

پرویزِ عصر، فرعونِ زماں، پرویز مشرف نے کہا کہ 'میں آج واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ سب مارے جائیں گے!'[3]

مختلف سیاست دانوں، علما اور با اثر شخصیات کو جمع کیا گیا اور ان سے کہا گیا کہ وہ جائیں اور غازی صاحب کو سمجھائیں کہ وہ باز آ جائیں اور معافی مانگ لیں۔

لوگ آئے اور غازی صاحب کو سمجھانے لگے۔ غازی صاحب نے ایمان و معرفت کی کسی کیفیت میں دریافت کیا کہ باز آیا جائے تو کس کام سے اور معافی مانگی جائے تو کس بات پر؟ لا الٰہ الا اللہ کا کلمہ پڑھنے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کا دم بھرنے پر معافی مانگی جائے؟ نفاذِ شریعت کے مطالبے اور کوشش پر معافی مانگی جائے؟ مسلمانی سے باز آ جایا جائے؟

ان سمجھانے والوں کی نیتوں پر شک نہیں ہے، یقیناً وہ غازی صاحب اور دیگر کئی ہزار علما، طلبہ اور طالبات کی جانیں بچانے کو آئے ہوں گے، لیکن تاریخ نیتوں پر فیصلے نہیں کرتی۔ سمجھانے والے حضرات میں علم و تقویٰ کے جبال بھی تھے لیکن کچھ 'سیاسی حضرات' ایسے بھی تھے جنہوں نے کچھ مثبت کردار ادا نہ کیا۔[4]

غازی صاحب نے بھی جان کو جان آفرین کے لیے قربان کر دینا حق جانا۔ آپ نے یہ حق پہچانا اور بیان کیا کہ ہم 'لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ' پڑھنے اور اس کی خاطر محنتیں کرنے والے یہ نہ سمجھیں کہ ہم ہیں تو دین ہے، یا یہ کہ ہم بچ جائیں تو کچھ 'دین' کا حصہ بھی ہم بچا لیں گے، آپ نے فرمایا:

> "آسمانی حقائق یہ ہیں کہ حق بہر حال غالب رہتا ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ ہم رہیں تو حق غالب ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ہمارے جانے کے بعد، یہ تحریک ایسی زور پکڑے کہ یہاں اسلامی نظام آ جائے۔ اگر اس طاغوتی نظام سے چھٹکارا ہماری جانوں کے جانے سے حاصل ہو جاتا ہے تو میرا خیال ہے کہ یہ سودا مہنگا نہیں ہے!"[5]

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

---

[1] ایضاً

[2] بحوالہ آزاد دائرۃ المعارف وکی پیڈیا (انگریزی)، آرٹیکل کا نام 'Siege of Lal Masjid'

[3] یہ بیان یوٹیوب پر بآسانی دیکھا جا سکتا ہے۔

[4] صحافی 'نصر اللہ ملک' سے بات کرتے ہوئے، غازی صاحب نے اپنے آخری پیغام میں اس بات کی جانب اشارہ کیا۔

[5] بحوالہ دستاویزی فلم 'امام برحق' (۲۰۰۸ء، ادارہ السحاب اردو)

سرمایہ دارانہ جمہوری نظام کی شرعی حیثیت

مولانا محمد احمد حافظ

تکمیلِ دین کا انکار

قرآن مجید میں فرما دیا گیا ہے: الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلاَمَ دِيناً.....اکمال دین اور اتمام نعمت کے بعد کافرانہ نظام حکومت کو اپنی اجتماعی زندگی کا حصہ بنانا اور اس پر مداومت اختیار کیے رکھنا تکمیل دین اور اتمام نعمت کا انکار ہے۔ تکمیل دین و اتمام نعمت کا مطلب ہی یہ ہے کہ سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آغاز ہونے والے دین اسلام کا سلسلہ تدریجی مراحل طے کرتا ہوا نبیٔ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر اپنے اوج کمال کو پہنچ گیا، اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب ہدایت نازل کر دی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا۔ ہمارے نزدیک عمل کے اعتبار سے سب سے بہتر زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ خير القرون قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم کا عین مصداق تھا۔

تمام مسلمانوں کے لیے دین اسلام کی صورت میں ایک خاص طریقہ اور ضابطہ حیات متعین کر دیا گیا ہے۔ اب اس ضابطے سے باہر نکلنا کسی مسلمان کے لیے روا نہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحاً وَالَّذِيَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ (سورۃ الشوریٰ:۱۳)

"اس نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کی ہدایت اس نے نوح کو فرمائی اور جس کی وحی ہم نے تمہاری طرف کی اور جس کا حکم ہم نے ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیا کہ اس دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ پیدا نہ کرو۔ مشرکین پر وہ چیز شاق گزر رہی ہے جس کی طرف تم ان کو دعوت دے رہے ہو۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے:

ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَى شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ○ (سورۃ الجاثیۃ:۱۸)

"پھر ہم نے تم کو ایک واضح شریعت پر قائم کیا تو تم اس کی پیروی کرو اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو علم نہیں رکھتے۔"

قرآن مجید کی ان آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایک مسلمان کے لیے طریقۂ زندگی، ضابطۂ حیات، دائرۂ کار خواہ انفرادی معاملات ہوں یا اجتماعی معاملات، قانون شریعت ہی ہے، اس سے انحراف کی راہیں تلاش کرنا اور کسی دوسرے طریقۂ زندگی کو پسند کرنا جائز نہیں، ایسا کرنا بہت بڑا خسارہ ہے۔

ہمارے خیال میں سرمایہ دارانہ نظام میں شمولیت اختیار کرنے اور اس پورے نظام کو اس طرح اپنے اوپر حاوی کر لینا کہ شریعت معطل ہو جائے، احکامِ دین کھلم کھلا پامال ہونے لگیں اور شعائر اسلام کا مذاق اڑایا جانے لگے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص ہندو ہو جائے، عیسائیت قبول کر لے یا بدھ مت اختیار کر لے، اس لیے کہ جمہوری نظام کو قبول کرنے اور اس پر مداومت اختیار کرنے کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ شریعت اب چند اجزا مثلاً عبادات کے علاوہ قابل عمل نہیں رہی اور خلافت کا ادارہ بحالتِ موجودہ ناقابلِ قیام ہے۔ ظاہر ہے یہ فکر اور طرزِ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں سند قبولیت حاصل نہیں کر سکتا، بلکہ ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے:

وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلاَمِ دِيناً فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ○ (سورۃ آل عمران:۸۵)

"اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب بنے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نامرادوں میں سے ہوگا۔"

آخرت کی نامرادی اور خسارہ کیا ہے؟ اس کی وضاحت بھی ایک دوسری جگہ ارشاد فرما دی گئی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيراً○ (سورۃ النساء:۱۱۵)

"اور جو کوئی راہِ ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرے گا اور مسلمانوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے گا تو ہم اس کے بعد اس کو اسی راہ پر ڈالیں گے جس پر وہ پڑا اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔"

جمہوری نظام کفار کا طرزِ حکومت و سیاست ہے، چنانچہ غیر سبیل المومنین ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت آچکنے کے بعد کوئی دوسری راہ اختیار کرنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہوئے مومنین کے راستے سے الگ راہ نکالنا اپنی حقیقت کے اعتبار سے شرک ہے اور شرک ہر طرح کی برائیوں کا منبع ہے کیونکہ مشرک اللہ سے کٹ کر اپنی باگ شیطان کے ہاتھ میں پکڑا دیتا ہے اور جو شخص اپنی باگ شیطان کے ہاتھوں میں تھما دے وہ معاشرے کا بدترین انسان

ہوتا ہے۔ غیر سبیل المومنین کے شرک ہونے کا قرینہ اگلی آیت ہے جس میں مذکورہ آیت (ومن یشاقق الرسول الخ) کے فوراً بعد فرمایا گیا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ وَمَن يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ○ (سورۃ النساء:۱۱۶)

"بے شک اللہ اس چیز کو نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک ٹھہرایا جائے، اس کے نیچے جس چیز کے لیے چاہے گا بخش دے گا اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے گا وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔"

اکثریتی بنیادوں پر فیصلوں کا باطل فلسفہ

جمہوری سسٹم میں فیصلوں کی بنیاد کتاب اللہ، علم وحکمت نہیں بلکہ اکثریت جس چیز کو چاہے اس چاہت اور خواہش کی بنیاد پر فیصلے کیے جاتے ہیں۔ جس امیدوار کو زیادہ ووٹ مل جائیں خواہ وہ کس قدر کرپٹ آدمی ہو مگر دوسری طرف کوئی شریف امیدوار تھا اور اہل آدمی بھی ہے تب بھی مقابلے میں چونکہ پہلا شخص زیادہ ووٹ لے چکا ہے اس لیے وہی کامیاب کہلائے گا۔ اسی طرح پارلیمنٹ میں بھی قوانین اکثریت کی بنیاد پر مرتب کیے جاتے ہیں۔ اکثریت کی بنیاد پر فیصلوں کا انعقاد بہت بڑی گمراہی اور ضلالت ہے، پھر اکثریت بڑی جہلِ مرکب ہو تو اس کی گمراہی اور ضلالت میں کیا شک وشبہ ہو سکتا ہے۔ یہ اکثریت جب پارلیمنٹ میں مفادِ عامہ کے لیے قوانین مرتب کرے گی تو اپنی افتادِ طبع، نفسانی خواہشات اور جہالت کی بنیاد پر کرے گی۔ چنانچہ زنا کا فروغ، سودی کاروبار کا استحکام اس پارلیمنٹ کا خاص وظیفہ ٹھہرتا ہے (جیسا کہ ہم حقوقِ نسواں بل میں دیکھتے ہیں)۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے محض اکثریت کی بنیاد پر فیصلوں کو رد کیا ہے اور اکثریت کی پیروی کو ضلالت وگمراہی قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللّٰهِ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ○ (سورۃ الانعام:۱۱۶)

"اور اس زمین والوں میں سے اکثر ایسے ہیں کہ اگر تم نے ان کی بات مانی تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے گمراہ کر دیں گے۔ یہ محض گمان کی پیروی کرتے ہیں اور اٹکل کے تیر چلاتے ہیں۔"

آیت کریمہ میں صرف اکثریت کو رد نہیں کیا گیا بلکہ اس کے بارے میں یہ حقیقت بھی بیان کر دی گئی کہ ان کے فیصلے محکم بنیادوں پر استوار نہیں ہوتے بلکہ وہ ظن وتخمین سے کام لیتے اور ہوا میں تیر چلاتے ہیں...... بھلا ایسے لوگ بھی ملت کی قیادت وسیادت کے لیے اہل ہو سکتے ہیں؟ پھر اکثریت کو کسی ایک جگہ قرار نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے ہی عہد کو بار بار بدلتے رہتے ہیں اور یہ فساق وفجار کی خاص نشانی ہے۔ دیکھیے قرآن مجید میں کس خوبی سے اس بات کو بیان فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِم مِّنْ عَهْدٍ وَإِن وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ ○ (سورۃ الاعراف:۱۰۲)

"اور ہم نے ان میں سے اکثر میں عہد کی استواری نہیں پائی، ان میں سے اکثر بدعہد ہی نکلے۔"

دورِ نبوت اور دورِ صحابہ وتابعین میں بھی کبھی اکثریت کی بنیاد پر فیصلے نہیں کیے گئے۔ ذخیرۂ احادیث میں بھی ہمیں کوئی ایک حدیث نہیں ملتی جس میں اکثریت کے فکر ونظر اور فیصلوں کو سراہا گیا ہو اور اکثریت کو بطورِ اصول قبول کیا گیا ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ اکثریت کا فلسفہ باطل، گمراہی اور فسق وفجور کے سوا کچھ نہیں۔

اسلام دینِ توحید ہے، وہ امت کو وحدت کا عقیدہ ونظریہ دیتا ہے، اسلام کے نزدیک تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں، وہ ایک جسم کی مانند ہیں۔ قرآن مجید نے مسلمانوں کو، خواہ عرب کے ہوں یا عجم کے، شرق میں رہتے ہوں یا غرب میں سب کو "امت واحدہ" کا عقیدہ دیا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَإِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ○ (سورۃ المومنون:۵۲)

"بے شک تمہاری امت ہی ایک امت ہے اور میں ہی تمہارا رب ہوں، پس تم مجھ سے ڈرتے رہو۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

"مثل المومنين في توادهم وتراحمهم وتعاطفهم مثل الجسد اذا اشتكى عضوتداعى له سائرالجسد بالسطروالحسنى." (مسلم)

"مسلمانوں کی مثال باہمی مودت ومرحمت اور محبت اور ہمدردی میں ایسی ہے جیسے ایک جسم کی، اگر اس کے ایک عضو میں کوئی شکایت پیدا ہوتی ہے تو سارا جسم اس تکلیف میں شریک ہو جاتا ہے۔"

اس کے ہم معنی صحیحین کی حدیث ہے:

"المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضا."

"ایک مومن دوسرے مومن کے لیے ایسا ہے جیسے کسی دیوار کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کو سہارا دیتی ہے۔"

ان آیات واحادیث سے واضح ہوتا ہے کہ وحدتِ امت، اتحاد واتفاقِ امت اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کتنا اہم ہے۔ وحدتِ امت گویا مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا بنیادی مصدر ہے۔ اور جو شخص اس وحدت کو ختم کرنے کے درپے ہو اس کے لیے شدید وعیدیں ہیں۔

ایک طرف دینِ اسلام کا یہ حکم ہے، دوسری طرف تقسیم، پارٹی بازی اور گروہ بندی جمہوری نظام کا بنیادی عنصر ہے۔ کامیاب جمہوریت وہی تصور کی جاتی ہے جہاں حزبِ اقتدار کے مقابلے میں ایک مضبوط حزبِ اختلاف بھی ہو۔ حزبِ اختلاف ایک پارٹی پر مشتمل ہو سکتی ہے اور کئی پارٹیوں کا مجموعہ بھی، بعینہٖ یہی صورت حال حزبِ اقتدار کی ہو سکتی ہے۔ پارٹی کے اپنے

نظریات اور اپنے اہداف ہوتے ہیں۔ جمہوری سسٹم میں حصہ لینے والی تمام جماعتیں حقوق کی سیاست کر رہی ہوتی ہیں۔ حقوق کی سیاست کا مطلب اغراض کی سیاست ہے۔ مثلاً ایک قوم پرست جماعت محض اپنی قوم کے مفادات کی سیاست کرتی ہے، وہ اپنے دائرۂ کار میں دوسری قوم کو شامل نہیں کرتی، لسانی بنیادوں پر قائم کوئی بھی جماعت دوسرے فرقے یا جماعت کے لیے کام نہیں کرتی۔ مذہبی بنیادوں پر قائم کوئی بھی جماعت دوسرے فرقے یا جماعت کے مفاد کے لیے ہرگز کام نہیں کرتی۔ چونکہ اغراض سب کی جدا جدا ہوتی ہیں اس لیے ہر چند افراد کا گروہ یا ایک جماعت بنا کر سرگرم ہو جاتا ہے، یوں تقسیم در تقسیم کا یہ عمل بڑھتا چلا جاتا ہے، آج ہم اس کے بھیانک نتائج کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں۔ سیکولر اور قوم پرست جماعتوں کی ہم بات نہیں کرتے، یہاں تو علما کی جماعتیں ہی کئی کئی گروہوں میں بٹ گئیں۔ جمہوری سسٹم میں مسلسل شمولیت کی وجہ سے اہل دین کی قوت بکھر گئی، ان کا رعب اٹھ گیا، وہ اجتماعی موقف نہ ہونے کی وجہ سے کوئی آواز اٹھاتے ہیں تو صدا بصحرا ثابت ہوتی ہے، ان کے جائز مطالبات کو بھی درخور اعتنا نہیں سمجھا جاتا۔ فاسق و فاجر حکمران اتنے جری ہو چکے ہیں کہ مسجدیں شہید کریں، معصوم طلبہ اور حیا وعفت کی پیکر طالبات کا قتل عام کریں، مجاہدین کو تہہ تیغ کریں، جہاد کو دہشت گردی قرار دیں، مجاہدین اسلام کو پکڑ پکڑ کر بگرام، گوانتاناموبے اور ملک کے کونے کونے میں قائم عقوبت خانوں اوراذیت گاہوں کو آباد کریں......انہیں کھلی چھوٹ ہے۔

جمہوری ریاست میں پارلیمنٹ کا کردار

پارلیمنٹ جمہوری ریاست کا وہ ادارہ ہے جہاں عوام ووٹ کے ذریعے اپنے نمائندوں کو چنتے ہیں تاکہ وہ ان کی نمائندگی کرتے ہوئے ان کے مفاد میں قانون سازی کریں۔ بادی النظر میں یہی سمجھا جاتا ہے کہ مگر اصلاً پارلیمنٹ سرمایہ داری کے نفاذ کا ادارہ ہے۔ سرمایہ دارانہ اداروں کی اسی کے ذریعے نمو ہوتی ہے۔ پارلیمنٹ میں وہی قانون سازی کی جاتی ہے جو سرمایہ دارانہ مذہب وعقیدہ سے مطابقت رکھتی ہو، اگر عوامی خواہش اس کے برعکس ہو تو اس کی مزاحمت کی جاتی ہے بصورت دیگر اس پورے نظام کی بساط ہی لپیٹ دی جاتی ہے۔ جیسا کہ ہم صوبہ سرحد کی گزشتہ حکومت کے حسبہ بل کے ضمن میں دیکھتے ہیں یا جیسے الجزائر میں اسلامک فرنٹ کی کامیابی کے باوجود پورے نظام کی بساط لپیٹ دی گئی۔ ارکان پارلیمنٹ مقنن یا قانون ساز ہوتے ہیں اور یہ قانون سازی مذہبِ سرمایہ داری کے نصابی صحیفے انسانی حقوق کے چارٹر کے دیے گئے دائرے میں رہتے ہوئے ہوتی ہے۔ قرآن و سنت اور اجماع امت کو حوالہ نہیں بنایا جاتا، بلکہ قرآن وسنت کے علی الرغم قانون سازی ہوتی ہے۔

یوں دیکھا جائے تو حکم اور حکومت کے وہ تمام اختیارات جو اللہ رب العزت کو سزاوار ہیں وہ ارکان پارلیمنٹ اپنے لیے خاص کر لیتے ہیں اور خود خدا بن بیٹھتے ہیں۔ حقوق نسواں بل، سود کے حق میں گزشتہ حکومت کے فیصلے، عائلی قوانین اور کئی دیگر ظالمانہ استبدادی قوانین ارکانِ پارلیمنٹ کی اسی الوہیت کے مظہر ہیں۔ قرآن کریم اور سنت میں اس قسم کی قانون سازی کی کوئی گنجائش نہیں خصوصاً جو شخص اپنے آپ کو مسلمان بھی کہلائے اور پھر مقنن بھی بن بیٹھے، یہ ایمان واسلام کے ساتھ بدترین مذاق ہے۔ قرآن مجید میں واضح ارشاد ہے:

۱. إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ (سورۃ یوسف:۴۰)

”اختیار واقتدار صرف اللہ ہی کا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو۔“

۲. إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ (سورۃ آل عمران:۱۵۴)

”تحقیق سارا معاملہ اللہ کے اختیار میں ہے۔“

ایک طرف قرآن حکیم کی آیاتِ محکمات ہیں دوسری طرف ارکان پارلیمنٹ کا اختیار ہے کہ وہ جو چاہیں قانون بنا دیں خواہ وہ کتاب اللہ کی مخالفت میں ہی کیوں نہ ہو...... یہی وجہ ہے کہ پارلیمنٹ ہماری نظر میں:

- کتاب اللہ کے استرداد (ویٹو) کا مرکز ہے۔
- انسانوں کی حاکمیت اعلیٰ اوراقتدار اعلیٰ کا مظہر ہے۔
- کافرانہ ومشرکانہ اقتدار کا منبع ہے۔
- فحاشی و عریانی، زنا وشراب اوراباحیت زدہ معاشرے کے تحفظ اور فروغ کا ادارہ ہے۔
- سرمایہ دارانہ لوٹ کھسوٹ کی اداراتی صف بندی کرنے کا مرکز ہے۔

یہ ہم نے جمہوریت کے بارے میں چند اصولی باتیں ذکر کی ہیں اور سرمایہ دارانہ مذہب کے چند اساسی نظریات کا تجزیہ کیا ہے۔ ابھی ہم نے بہت سی تفصیلات کو چھوڑ دیا ہے۔ ابھی جمہوری ریاست کی عدلیہ کا کردار بھی زیر بحث نہیں لایا جاسکا جو سرمایہ دارانہ عدل کے قیام کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ یہ بات مخفی نہیں رہنی چاہیے کہ جب سرمایہ دارانہ عدل کی بات کی جاتی ہے تو اس سے مراد ظلم ہی ہوتا ہے، اس لیے کہ سرمایہ دارانہ مذہب جس چیز کو عدل تصور کرتا ہے اسلام کے نزدیک وہ عین ظلم ہے جیسے نظریۂ آزادی اور جس چیز کو اسلام عدل قرار دیتا ہے، سرمایہ دارانہ مذہب اسے ظلم قرار دیتا ہے۔ عبدیت، بندگیٔ الٰہ مثلاً اسلامی احکام جیسے چور کا ہاتھ کاٹنا، زانی کو سنگسار کرنا، شراب پینے پر کوڑے لگانا وغیرہ...... اسی طرح فوج، پولیس، بیوروکریسی، سٹاک ایکسچینج اور بینکنگ سسٹم کو بھی زیر بحث نہیں لایا جاسکا۔

دراصل یہ پورا سسٹم تفصیلی تجزیے اور محاسبے کا متقاضی ہے اور یہ کام طویل دورانیے کا ہے۔ ان شاء اللہ بتوفیق الٰہی آئندہ کبھی اس کی تکمیل کا بیڑا اٹھایا جائے گا۔ سردست جو تفصیل ہمارے سامنے آئی ہے اس کے مطابق سرمایہ داری جمہوریت، انسانی حقوق کا چارٹر، کفر مطلق، شرک، ضلالت و گمراہی، بغاوت الٰہی اور بدترین ظلم و تعدی کا مجموعہ ہے۔ ہم نے اس نظام کو اسی طرح کفر مطلق کہا ہے جس طرح یہودیت، عیسائیت، ہندومت، بدھ مت اور سکھ مت...

(باقی صفحہ نمبر30پر)

بیت المقدس کے کھونے کا سبب کون؟

فضیلۃ الشیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ

ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم حقائق کا بہادری سے سامنا کریں اور حقائق سے نظریں نہ چرائیں۔ پس یہ بات مسلَّم ہے کہ القدس کے کھونے اور اس میں ہونے والے واقعات کا انتہائی اہم سبب ہم خود ہیں۔ ہماری اپنی غیر ذمہ داری، القدس کے معاملے سے دست برداری، دنیا کی محبت، اپنے بچاؤ میں ہی عافیت سمجھنا، اپنے آپ کو بری الذمہ قرار دینا اور سارا الزام امریکیوں اور یہود کو یا ہم پر ان کے مسلط کردہ حکمرانوں کو ہی دینا، القدس کو کھونے کے اہم اسباب ہیں۔ ہم اس لیے القدس کو کھونے کے ذمہ دار ہیں کیوں کہ ہم نے امریکہ، یہود اور ان کے پروردہ حکمرانوں کے خلاف جہاد کی بجائے ان کی اطاعت اختیار کر لی۔ ہم نے غلامی کو قبول کیا جو ہمارے کچھ لوگوں کے اندر رچ بس گئی اور نسل در نسل ان کو وراثت میں ملی۔ یہاں تک کہ ہمارے اندر سے ایسے لوگ نکلے جو کفار سے قربت اور ان کے ساتھ سلامتی ہی سے پیش آنے کے مناہج کی پیروی کرنے لگے جس کی ناکامی کا انہیں خود بھی یقین ہے۔ بات یہاں تک آ پہنچی کہ ہم میں سے ایسے لوگ نکلے جو کہتے ہیں کہ امریکہ کے خلاف جہاد فساد ہے۔ حالانکہ امریکہ اپنی فوجوں کو مسلمان ملکوں کی جانب اکٹھا کر چکا ہے۔ ان کی باتوں سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ کفار کبھی مسلم ممالک پر حملہ آور ہوئے ہی نہیں تھے، جیسے کہ گیارہ ستمبر سے قبل امریکہ کے فوجی اڈے مصر، اردن اور جزیرۃ العرب میں تھے ہی نہیں! جیسے ہمیں اس بات کا علم ہی نہ ہو کہ اسرائیل امریکہ سے باہر امریکہ کا سب سے بڑا فوجی اڈا ہے۔

ہم ہی القدس کو کھونے کا سب سے بڑا سبب ہیں کیونکہ ہم نے اس غلامی کو قبول کیا جس نے ہمیں بتایا کہ ہمارے ملکوں میں مسلط نظام کے ساتھ ٹکرانا منع و حرام ہے یا ہمارے لیے ضروری نہیں کہ ہم ان عرب صہیونیوں (عرب ممالک پر مسلط حکمران) کا مقابلہ کریں بلکہ ضروری ہے کہ ان کے ساتھ امن کے ساتھ رہا جائے اور نرمی کا معاملہ کیا جائے۔ اگر ایسے لوگ سچ بولتے اور اپنے دل کی بات کو ظاہر کر دیتے تو وہ کہتے کہ 'ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم ان کا مقابلہ نہ کریں مگر صرف اس طریقے سے جس سے ہماری نوکری، تنخواہ، منصب اور دنیا کے جن ٹکڑوں کے ہم حریص ہیں وہ خراب نہ ہوں'۔

ہم ہی القدس کو کھونے کا بڑا سبب ہیں کیوں کہ ہم اپنے اندر کے غصے اور کڑھن کو کچھ گھنٹوں کے مظاہروں میں نکالتے ہیں اور پھر لوٹ جاتے ہیں تاکہ ہم اپنی مغلوبیت اور ذلت والی زندگی میں پھر سے مشغول ہو جائیں۔

ہم ہی فلسطین کو کھونے کا سب سے بڑا سبب ہیں کیونکہ ہم میں ایسے بھی ہیں جو صہیونیوں کے ساتھ اتحاد چاہتے ہیں اور انہیں بھائی، عزت مآب، شقیق (سگا بھائی) اور ان جیسے دیگر جھوٹے القابات سے پکارتے ہیں جن کے جھوٹے ہونے کا انہیں بھی بخوبی یقین ہے۔

انہی عرب صہیونیوں[1] کے بارے میں شاعر کہتا ہے (عربی اشعار کا نثری ترجمہ):

یہ نام نہاد اسلامی قائدین خائن ہیں، دھوکے کا سرچشمہ ہیں، یہ کتنے زیادہ مغرور اور نشے میں دھت ہیں۔

یہ حکمران......ان کی حکومت تو بس امریکہ ہی ہے، پس وہ جب بھی انہیں کوئی حکم دیتا ہے تو یہ اس کی تعمیل کرتے ہیں۔

جب بھی انہیں امریکہ کوئی منصوبہ دیتا ہے تو یہ اسے ذلیل ہو کر قبول کرتے ہیں اور اگر وہ ان کو سزا سے ڈراتے ہیں تو یہ ڈر جاتے ہیں۔

اور جب بھی عرب میں کوئی غیر متوقع معاملہ پیش آتا ہے تو کانفرنس منعقد کی جاتی ہے اور کانفرس اسی کے گیت گاتی ہے۔

اور جب بھی وہ جمع ہوتے ہیں تو ان کے اوامر دہراتے ہیں، اور جب بھی وہ ان سے کوئی وعدہ کرتے ہیں غدر کرتے ہیں۔

اور جب بھی یہ کسی بات پر اتفاق کرتے ہیں تو وہ اس کے بعد ان سے اختلاف کر لیتے ہیں اور اگر یہ کسی معاملے کو بڑا سمجھتے ہیں تو وہ اس کو حقیر بنا لیتے ہیں۔

اور جب بھی کہا جائے کہ یہ اپنی بھلائی کی طرف لوٹ آئے اور کہا جائے کہ ایمان لے آئے تو یہ اپنے رب کے ساتھ پھر سے کفر کرتے ہیں۔

اور جب بھی ان کے وطنوں میں سکون ہوتا ہے تو وہ اسے خراب کر دیتے ہیں اور اگر یہ کسی راستے پر چلتے ہیں تو وہ اس میں گڑھے بنا دیتے ہیں۔

اور جب بھی یہ جنگ کی دھمکی دیتے ہیں اور اس کے لیے اپنی توانائیاں صرف کرتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ یہ کامیاب ہو گئے جب کہ یہ اپنی جنگ میں ناکام ہو چکے ہوتے ہیں۔

پس ان کا معاملہ انتہائی عجیب ہے اور ان کی سنجیدگی ہی الٹا کھیل کو دہے، ان کے وعدے جھوٹے اور ان کا عزم انتہائی پست ہے۔

---

[1] عرب صہیونی سے شیخ کی مراد عرب حکمران ہیں جو اسرائیل کا دفاع کرتے ہیں۔

اے زمانے اور تاریخ کی بد بختی کیا تم اس دنیا سے جا نہیں سکتے کہ جہاں نہ کوئی آنکھ دیکھنے والی ہو نہ کوئی آثار باقی رہیں؟

زمین تم پہ ہر گز نہ روئے گی اور قومیں تمہارے ختم ہو جانے پر ہر گز افسوس نہیں کریں گی بلکہ انسان تمہارے جانے پر خوش ہوں گے۔

اے آزاد قوم عرب! پس اٹھ کھڑی ہو کہ موت سے نہ خوف بچا سکتا ہے نہ ہی کوئی تدبیر

ان تختوں کو تاراج کر دو جن کا عزت و شرف ختم ہو چکا ہے اور ان میں آگ بھڑکا دو کیوں کہ اصل خطرہ انہی سے ہے۔

ہم ہی فلسطین کو کھونے کا سب سے بڑا سبب ہیں کیوں کہ ہم نے جہاد فی سبیل اللہ کو چھوڑ دیا اور ہم اللہ کے راستے میں قتل ہونے، اپنے گھروں اور وطنوں کو چھوڑنے، بچوں کے یتیم ہونے اور عورتوں کے بیوہ ہونے سے ڈر گئے، کیوں کہ ہم اپنے اموال اور مناصب کے کھونے اور طویل مدت کے لیے جیلوں میں ڈالے جانے سے ڈر گئے۔ جیسا کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول سنا ہی نہ ہو:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ أَرَضِيتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ○ (سورۃ التوبۃ:۳۸)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا گیا کہ اللہ کے راستے میں (جہاد کے لیے) کوچ کرو تو تم بوجھ ہو کر زمین سے لگ گئے؟ کیا تم آخرت کے مقابلے میں دنیوی زندگی پر راضی ہو چکے ہو؟ (اگر ایسا ہے) تو (یاد رکھو کہ) دنیوی زندگی کا مزہ آخرت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں، مگر تھوڑا۔“

اور جیسے ہم نے یہ آیات پڑھی ہی نہ ہوں:

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ فَإِذَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ مُحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَأَوْلَى لَهُمْ ○ طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَعْرُوفٌ فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ○ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ○ (سورۃ محمد:۲۰-۲۲)

”اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ کیا اچھا ہو کہ کوئی (نئی) سورت نازل ہو جائے، پھر جب کوئی جچی تلی سورت نازل ہو جائے، اور اس میں لڑائی کا ذکر ہو تو جن لوگوں کے دلوں میں روگ ہے، تم انہیں دیکھو گے کہ وہ تمہاری طرف اس طرح نظریں اٹھائے ہوئے ہیں جیسے کسی پر موت کی غشی طاری ہو۔ بڑی خرابی ہے ایسے لوگوں کی۔ یہ فرماں برداری کا اظہار اور اچھی باتیں کرتے ہیں، لیکن جب (جہاد کا) حکم پکا ہو جائے اس وقت اگر یہ اللہ کے ساتھ سچے نکلیں تو ان کے حق میں اچھا ہو۔ پھر اگر تم نے (جہاد سے) منہ موڑا تو تم سے کیا توقع رکھی جائے؟ یہی کہ تم زمین میں فساد مچاؤ، اور اپنے خونی رشتے کاٹ ڈالو۔“

ہم ہی القدس کو کھونے کا سب سے بڑا سبب ہیں کیوں کہ ہم میں اس بات کی تشہیر کرنے والے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ جہاد صرف یہود کے خلاف ہی واجب ہے اور ان کے خلاف بھی صرف فلسطین میں ہی واجب ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسرائیل اور اس کے حریفوں کو فلسطین سے باہر امن میسر آ گیا اور وہ اور بھی بڑھ چڑھ کر اسرائیل کی معاونت کرنے لگے۔ اور نتیجہ یہ نکلا کہ وہ فلسطینی اور غیر فلسطینی مجاہدین کا فلسطین سے باہر بھی پیچھا کرنے سے بالکل بھی باز نہ آئے۔ اور اس سے بھی بڑی مصیبت یہ ہوئی کہ ہم میں سے کچھ شیطان کے اس دھوکے میں آ گئے کہ جہاد صرف فلسطین میں واجب ہے جبکہ وہ خود فلسطین سے باہر تھے لہٰذا ان پر جہاد واجب نہیں! اور وہ اپنا غصہ کچھ مظاہروں، کانفرنسوں، مقالوں اور کبھی تو الیکشن کے ڈرامے میں شریک ہو کر نکالتے ہیں۔

کیا یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ یہود پوری دنیا سے اپنے یہودی بھائیوں کی مدد کے لیے جمع ہو رہیں اور ہم اپنے شیشانی بھائیوں اور ان عرب صہیونیوں کے خلاف اپنے بھائیوں کی مدد سے بری ہو جائیں!

کیا یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ یہود اور ان کے حلیف پوری دنیا میں مجاہدین کا تعاقب کرتے ہیں، جہاں بھی مجاہدین پر قدرت پاتے ہیں ان کو قتل کرتے ہیں اور ہم اس خام خیالی میں مبتلا رہیں کہ جہاد صرف اور صرف فلسطین میں ہی واجب ہے یا صرف یہود کے خلاف ہی جائز ہے!!!؟

اے میرے محبوب فلسطین میں بسنے والے ہمارے بھائیو اور اہالیانِ فلسطین!

اسرائیل اور اس کے حلیف ہم سے صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہم دو میں سے ایک بات اختیار کر لیں، یا تو ہم ان کے سامنے تسلیم ہو جائیں، ان کے سامنے گھٹنے ٹیک دیں، ذلت کے ساتھ رہنا قبول کر لیں، فلسطین کا یہودی گڑھ ہو جانا تسلیم کر لیں اور مسجد اقصیٰ کا مسمار ہو نامان لیں اور یا تو پھر پابندیاں، آگ اور بموں کی برسات ہے۔ پس حل یہ ہے کہ اسرائیل، امریکہ اور عرب صہیونیوں کا مقابلہ ان کے یہ حصار توڑ کے کیا جائے جو کہ جہاد کو صرف فلسطین میں محدود کرتا ہے۔

اے فلسطین اور بیت المقدس کے پڑوس میں رہنے والے میرے مجاہد بھائیو! بلا شبہ ہمارا فلسطین کا قضیہ فقط کسی وطن کی آزادی کا قضیہ نہیں بلکہ یہ تو جہاد فی سبیل اللہ کا قضیہ ہے تاکہ دین سارے کا سارا اللہ تعالیٰ کا ہی ہو جائے:

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ ......اور (مسلمانو) ان کافروں سے لڑتے رہو، یہاں تک کہ فتنہ (کفر) باقی نہ رہے، اور دین پورے کا پورا اللہ کا ہو جائے۔

(باقی صفحہ نمبر 72 پر)

ترکی.....اسلامی انقلاب کے لیے ’آئیڈیل‘ نمونہ؟!

تحریر: چودھری عفّان غنی–اضافہ وترامیم: میاں سعد خالد

سلطان محمدؒ فاتح کی آباد کردہ مسجد ’آیا صوفیا‘ کی قریباً سو سال بعد دوبارہ بطورِ مسجد بحالی پر، ہمارے دل بھی اہلِ ایمان کے دِلوں ہی کی طرح خوشی سے دھڑک رہے ہیں۔ لیکن آیا صوفیا کو مسجد کے طور پر بحال کرنے، اہلِ اسلام کے تاریخی کرداروں پر ’ترک ڈرامے‘ سرکاری سرپرستی میں نشر کرنے، نیز ترکی میں قائم حکومت کے بعض بظاہر ’مذہبی و اخلاقی‘ افعال..... کیا ترکی کی موجودہ حکومت کو ’اسلامی‘ بنا دیتے ہیں اور کیا یہی ’اسلامی انقلاب‘ اور اسلامی انقلاب کا ’ثمرہ‘ اور دیگر امت کے لیے نمونہ ہے؟ اس موضوع پر شہید مجاہد فی سبیل اللہ ’چودھری عفّان غنی‘ نے قریباً تین سال قبل، مجاہد عالمِ دین شیخ ڈاکٹر اِیاد قنیبی (حفظہ اللہ) کی ایک تحریر کو بنیاد بناتے ہوئے ایک مضمون مجلّہ ’نوائے افغان جہاد‘ میں لکھا تھا۔ تازہ احوال کی مناسبت سے اس مضمون کو اضافوں اور تبدیلیوں کے ساتھ نذرِ قارئین کیا جا رہا ہے، البتہ ایک آدھ جگہ موجود ’معاشی و اقتصادی‘ اعداد و شمار تین سال پرانے ہی ہیں۔ (میاں سعد خالد)

ترکی اور اردگان کا نمونۂ عمل کیا ہے اور کیا یہ ایک کامیاب تجربہ ہے؟ کیا یہ تجربہ اتنا کامیاب ہے کہ مسلمان اسے ایک کامیاب سیاسی انقلابی جدوجہد کے لیے ایک قابلِ عمل اور بہترین حل سمجھنے لگیں؟ اس تحریر کے مخاطب وہ حضرات نہیں جو اردگان اور اس کی پارٹی سے غلو پر مبنی محبت وعقیدت کا شکار ہو چکے ہیں بلکہ یہاں اردگان اور اس کی پارٹی کے طریقۂ کار پر ایک مثبت مباحثہ و مکالمہ مقصود ہے، جس کو بعض لوگ ترکی کی سطح پر اور بعض لوگ عالم اسلام کی سطح پر تبدیلی وانقلاب کے لیے ایک بہترین قابل قبول راستہ خیال کرتے ہیں۔

کیا ترکی کا تجربہ ایک کامیاب تجربہ تھا؟ اس کے جواب سے قبل ہم قارئین سے سوال کریں گے کہ کامیابی سے آپ کی کیا مراد ہے؟ اگر کامیابی کا مطلب لوگوں کی معاشی حالت میں بہتری اور اقتصادی خوشحالی ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تو اردگان اور اس کی پارٹی کی حکومت کے تحت حاصل ہو گئی لیکن یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ یہی اقتصادی ترقی اور خوشحالی تو جاپان، جرمنی اور چین نے بھی بدھ مت، عیسائیت اور لادینیت کے ساتھ حاصل کر لی ہے۔ اس لیے ہمارے خیال میں معاشی و اقتصادی ترقی منہجِ عمل اور طریقۂ کار کے مبنی بر شرع ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی۔

اگر ہم یہ بات کریں کہ لوگوں کو ان کے بعض حقوق اِس حکومت کے تحت مل گئے ہیں جیسا کہ لوگوں کی اقتصادی حالت کو درست کرنے کے لیے ایک عمومی بیت المال کی فراہمی، ہر شخص کو گھر بنا کر دینے کی پالیسی اور ترکی میں مسلمان عورت کو یہ حق واپس دلوانا کہ وہ حجاب اوڑھ سکے؛ تو یہ بھی اردگان اور اس کی پارٹی دینے میں کامیاب ہو گئی ہے۔ مگر جیسے پہلے عرض کیا یہ سب کچھ تو عیسائیوں کی قیادت اور یورپ کے لادین حکمران بھی فراہم کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر سپین میں جہاں مسلمانوں کو انتہائی دبا کر رکھا گیا اور جگہ جگہ ان کے لیے تفتیشی نقاط قائم کیے گئے آج وہاں بھی مسلمان اپنی عبادات ادا کرنے میں آزاد ہیں۔ لہٰذا بعض دینی امور پر عمل کی آزادی دے دینا اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ ان کو حاصل کرنے کا طریقۂ کار درست تھا اور وہیں دوسری طرف ایسی دینی آزادیوں کے حصول سے حاصل شدہ فوائد کو ہم بالکلیہ ٹھکراتے بھی نہیں ہیں اور نہ ہی اِنہیں طریقۂ کار کے اندر کسی قسم کے کھوٹ کو ثابت کرنے کے لیے دلیل کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ وہ دنیاوی کامیابیاں جو اردگان اور اس کی حکومت نے حاصل کی ہیں ان کے حصول کی ایک بڑی وجہ اُن کاموں اور اوامر کا التزام اور پابندی ہے جنھیں پورا کر کے کوئی بھی گروہ کامیابی اور ترقی حاصل کر سکتا ہے کہ ترقی کا حصول اللہ تعالیٰ نے اپنی وضع کردہ تکوینی ضروریات واسباب کے ماتحت رکھا ہے۔ لہٰذا چاہے مسلمان ہو یا کافر، جو بھی انہیں پورا کرے گا کامیاب ہو گا۔ مثلاً لوگوں کو زمینی وسائل و اجناس فراہم کرنا، زراعت کے لیے بہترین منصوبہ بندی کرنا، قیادت میں قائدانہ شخصی صفات کی موجودگی جیسا کہ منصوبہ سازی، سچائی، کھرا پن، تحمل وبرداشت اور کرپشن سے پاک ہونا وغیرہ۔[1]

حقیقت پسندانہ نظر سے دیکھا جائے تو اردگان کی کامیابی کا راز دراصل اُس کا اور اس کی پارٹی کا جمہوریت کو مکمل طور پر اپنانا ہے اور پھر اس کے ساتھ تمام نافع اسباب اختیار کرنا، جو کسی بھی ملک میں انقلابی منصوبے کے لیے کامیابی کا سبب ہو سکتا ہے۔ جبکہ اصلاً لازم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کو تھامتے ہوئے اسلامی اصولوں کو اپنایا جائے جو کہ ہمیں درست شرعی اسباب کے اختیار کے ساتھ اللہ کے دین کو نافذ کرنے کا حکم دیتا ہے۔

تیسری بات یہ کہ، ہم بطور مسلمان یہ جانتے ہیں کہ ہم اس دنیا میں کسی مقصد کے لیے آئے ہیں۔ ہمارا دنیا میں آنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی کامل اطاعت وبندگی ہے جس کا اعلیٰ درجہ اللہ کی زمین پر اللہ کے نظام کا قیام ہے۔ اس لیے ہماری کامیابی کے معیارات وہ نہیں ہو سکتے جو ایسے لوگوں کے ہیں جو ہمارے دینِ اسلام کو نہیں جانتے، اور انہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

---

[1] اسی لیے ہمارے اس اصول کہ ”دینی جماعتوں کا سیاسی عمل میں شرکت کرنا جائز نہیں ہے“..... کا اس بات سے تعلق نہیں ہوتا کہ ہم ان نظاموں میں دینی جماعتوں کی شمولیت کے سبب چند قائدین کے ایسے اچھے کرداروں اور پاکیزہ صفات کی حامل بعض شخصیات کے وجود کا انکار کر دیں۔

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ○ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ○ (سورۃ النور: ۵۱، ۵۲)

”مومنوں کی بات تو یہ ہوتی ہے کہ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کریں تو وہ یہ کہتے ہیں کہ: ہم نے (حکم) سن لیا، اور مان لیا۔ اور ایسے ہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کریں، اللہ سے ڈریں، اور اس کی نافرمانی سے بچیں تو وہی لوگ کامیاب ہیں۔“

پس کامیابی اور کامرانی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی کامل اطاعت اور ان کے سامنے سر تسلیم خم کرنے میں پنہاں ہے۔ جن کی تعلیمات میں اس امت میں تبدیلی، اصلاح، بیداری اور انقلاب کے تمام طریقے بتا دیے گئے ہیں۔ اس لیے یہ جاننے کے لیے کہ ترکی کا تجربہ کامیاب رہا یا ناکام رہا، ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا ترکی کے حکمران اور وہاں کی حکومت شرعی اسلامی شرائط پر پورا اترتے ہیں یا نہیں؟

ہم جانتے ہیں کہ جسٹس اینڈ ڈویلپمنٹ پارٹی کو ترکی کے نظام میں کام کرنے کے مواقع تب کھل کر میسر آئے، جب اس نے 'سیکولر' ترکی کے بیشتر مفادات کی حفاظت کی ضمانت دی۔ کیونکہ ترکی صرف سیکولر افواج پر مشتمل کوئی نظامِ حکومت نہیں رہا۔ یہ خلافت عثمانیہ کے سقوط کے بعد سے اسلام کا شدید مخالف اور مسلمانوں اور ان کے مذہبی شعائر تک کا دشمن ملک رہا ہے مثلاً حجاب، عربی زبان، نماز، اذان وغیرہ۔

اتاترک کی ریاستِ ترکی، اسلام کے خلاف جبر و قہر پر قائم تھی اور اردگان کی سیکولر حکومت 'اسلام کے لیے بھی' بعض مذہبی آزادیوں کے موقف پر کھڑی ہے۔

طیب اردگان اور اس کی پارٹی کو حکومت ملی تو انہوں نے اسلام کے ساتھ معاملہ ویسا ہی کر دیا جیسا کہ ترکی میں دیگر ادیان و مذاہب کے ساتھ معاملہ رکھا جاتا تھا، یعنی اب مسلمانوں کو اُن کے دینی شعائر کی ادائیگی کی مکمل اجازت دی گئی جیسا کہ دیگر ادیان کے حاملین کو حاصل تھی۔ اور یقیناً یہ آزادی اسلام اور مسلمانوں کو ترکی میں اس پارٹی کے برسرِ اقتدار آنے سے قبل تو قطعاً حاصل نہیں تھی۔ یعنی اس حکومت نے سیکولرازم کو اس کے اصل مفہوم کے مطابق نافذ کیا جو کہ ریاستی امور میں دین کو مداخلت کی اجازت نہیں دیتا مگر انسان کو اس کی ذاتی عبادات کے معاملات میں ذاتی عمل (یا practice) کی مکمل اجازت دیتا ہے سوائے ان عبادات کے جو ترکی کے قوانین سے ٹکراتی ہوں۔ اور یہی معاملہ لوگوں کے لیے شبہے کا باعث بنا رہا ہے۔ لیکن ہمیں یہ جاننا چاہیے کہ یہ صورتِ حال نہ تو اسلامی ہے اور نہ تھوڑی بہت اسلامی بلکہ یہ ایک مکمل سیکولر طریقۂ حکومت ہے جو کہ اللہ کے لیے تمام اوامر و احکامات کو خالص کر دینے سے متصادم ہے۔ جبکہ اسی نظام کو اردگان اور اس کی پارٹی اپنی عوام کے لیے آخری امید اور آخری ہدف قرار دے رہی ہے جیسا کہ اپنے ایک عوامی خطاب میں اردگان نے قاہرہ میں کھڑے ہو کر کہا کہ:

”ترکی سیکولر جمہوری روایات اور انسانی حقوق کی ادائیگی پر مبنی ریاست ہے اور یہ سیکولر بنیادوں کو قائم کرنے والی ہے اور تمام ادیان کے مابین باہمی ہم آہنگی پر قائم ہے۔“

اسی طرح مشترکہ اسلامی ممالک کی کانفرنس میں اپنے بیان میں کہا کہ:

”کوئی بھی طریقۂ کار یا منصوبہ جس کی بنیادی اساس دین اور مذہب پر قائم ہو، اس منصوبہ کا مستقبل ناکامی پر منتج ہو گا۔“

ابھی چند ہفتے قبل جسٹس اینڈ ڈویلپمنٹ پارٹی پر الجزیرہ انگلش کی ایک ویڈیو رپورٹ دیکھنے کا موقع ملا جس سے قبل اردگان کی ایک تقریر کا منظر ہے جس میں کہا گیا کہ 'آج کا ترکی سلطنتِ عثمانیہ کا تسلسل ہے'، پھر اسی رپورٹ میں جسٹس اینڈ ڈویلپمنٹ پارٹی کا صدارتی مہم کے لیے ایک اشتہار دکھایا گیا جس میں پہلے سکرین پر ارطغرل غازی کا نام ابھرتا ہے، پھر غازی عثمان کا، پھر بایزید یلدرم کا، سلطان سلیم کا، سلطان سلیمان قانونی کا اور اس کے بعد (ننگِ ملت، ننگِ دین اور غدارِ امت) مصطفیٰ کمال اتاترک کا اور پھر اردگان کا۔ سبحان اللہ، کیسا دھوکہ ہے کہاں غازی ارطغرل، غازی عثمان، یلدرم الپ ارسلان، سلیمان قانونی اور کہاں اتاترک؟

اردگان کی 'اسلامی' حکومت کے قیام کی بنیاد سیکولرازم پر مبنی افکار ہیں۔ جبکہ یہ بات واضح ہے کہ سیکولرازم صرف نظامِ حکومت پر مبنی فکر نہیں بلکہ اس سے کہیں زیادہ گہرائی پر مبنی باطل فکر ہے، جو انسان کی ذاتی زندگی حتیٰ کہ سوچنے کے انداز تک پر غالب ہوتی ہے۔ اس سیکولر فکر کی تبدیلی ہی درحقیقت ہمارے نزدیک حقیقی شرعی انقلاب یا حقیقی نظام کی تبدیلی کہلائی جا سکتی ہے۔ پھر سیکولرازم کی خطرناکی (graveness) سمجھنے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ سیکولرازم خود ایک دین ہے۔ ہمارے یہاں دین کسی الہامی یا اس قسم کی چیز کو کہتے ہیں جس میں پوجا پاٹ ہوتی ہے جس کے لیے صحیح اصطلاح مذہب ہو سکتی ہے۔ لیکن دین کا مطلب ہے طریقۂ زندگی یا way of life۔ اور یہی دین آج دنیا کا عالمگیر طریقۂ زندگی بن چکا ہے۔ آج دینِ اسلام محض دینِ عیسائیت یا دینِ یہودیت یا ہندومت وغیرہ جیسے ادیان کا عسکری، سیاسی، فکری اور علمی محاذوں وغیرہ پر مقابلہ نہیں کر رہا بلکہ ان ادیان سے زیادہ اس کی لڑائی سیکولرازم سے ہے جو سراسر مادہ پرستی پر قائم ہے اور اس دینِ سیکولرازم کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ انسان خود ہی اپنا خالق و مالک اور الٰہ ہے۔ یہ سیکولرازم کہیں برملا و جہری نظر آتا ہے مثلاً یورپ و امریکہ وغیرہ میں اور کہیں یہ چھپا ہوا سری ہوتا ہے مثلاً ترکی میں اور آج سعودی عرب بھی اسی ڈگر پر چل رہا ہے۔

طیب اردگان شریعتِ اسلامی کو بطور قابلِ عمل نظامِ حکومت نہیں مانتا جیسا کہ اس کے اوپر درج کیے گئے اقوال سے واضح ہے اور موجودہ عالمی نظام کے اندر رہتے ہوئے یہی 'حکومت و کامیابی' کا راستہ ہے جبکہ در اصل کامیابی اور تبدیلی کا اصل راستہ شریعت ہے، اس راستے کی

اتباع کرتے ہوئے اگر دنیا میں 'حکومت و کامیابی' مل جائے تو فبہا ورنہ 'ہارے بھی تو بازی مات نہیں'۔

ترکی میں اردگان حکومت کے اس پہلو کو امریکی تھنک ٹینکس بہت اچھی طرح جانتے ہیں اور اسی کا اظہار مشہور اسلام دشمن تھنک ٹینک ''رینڈ کارپوریشن'' نے اپنی ایک رپورٹ بعنوان ''The rise of Political Islam in Turkey'' میں کیا ہے کہ جسٹس اینڈ ڈویلپمنٹ پارٹی ترکی میں شریعت کے نفاذ کے لیے بالکل کوشش نہیں کررہی اور یہی بات اس چیز کی غماز ہے کہ مغرب کو ترکی کیوں اِس حالت میں بھی قبول ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ مغرب خود مغرب ہی کے بقول 'شدت پسندی پر مبنی اسلام' سے پوری دنیا میں خوف زدہ ہے اور اسلامی ممالک میں جہاں عوامی تائید 'اسلام' کے لیے ہو، ایک معتدل متبادل دینا اس کے لیے ناگزیر ہے۔ ایسے میں جو مضبوط عوامی تائید کے ساتھ 'اسلام' چاہتا ہو تو جسٹس اینڈ ڈویلپمنٹ پارٹی والا ترکی نمونے کے طور پر مغرب کے لیے ایک قابلِ قبول ریاست ہے جس کے اقتدار میں مغرب کے مفادات کو بھی ٹھیس نہ پہنچے۔[1]

یہاں یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ ترکی کی حکومت کے اِس ''اسلام نما'' نمونے کو تو مغرب قبول کر رہا ہے جبکہ دوسری طرف حقیقی شرعی نظامِ حکومت قائم کرنے والے مغرب کو برداشت نہیں ہیں اور کہیں خود اور کہیں اپنے حواریوں کے ذریعے سے ایسی شرعی حکومتوں یا شرعی حکومتوں کے قیام کی کوشش کرنے والوں کو تباہ کرنے کو لپکتا ہے مثلاً افغانستان، صومالیہ، مالی، یمن، برِّصغیر وغیرہ[2] اور مغرب و مغرب کے کاسہ لیسوں کا ایسی کوششوں کو تہہ تیغ کر دینے کی ایک عظیم مثال ۲۰۰۷ء میں پاکستان کے دارالحکومت کے قلب میں لال مسجد کو مکمل عسکری قوت کے ذریعے کچل دینا تھا۔

وہی ترکی جو اسلامی اقدار اور نبویؐ طرزِ حکومت کا راگ الاپتا نظر آتا ہے اُسی ترکی کے اِسی نام نہاد اسلامی دور میں مغرب و امریکہ کی ناجائز اولاد اسرائیل کے ساتھ نہایت قربت اور گرم جوشی پر مبنی تعلقات قائم ہیں، نیز اسلامی ممالک کی فہرست میں سب سے پہلا ملک ترکی ہی ہے جس نے اسرائیل کو تسلیم کیا۔ (کوئی سوال اٹھا سکتا ہے کہ یہ تو سیکولر حکومت و افواج کے اقتدار میں تسلیم کیا گیا تھا مگر آج اردگان کے سامنے اسرئیل کے ساتھ ان تعلقات کو ختم کرنے میں کیا چیز مانع ہے؟)۔

۲۰۰۵ء میں یہی طیب اردگان اسرائیل گیا جہاں اسرائیلی وزیر اعظم ایریل شیرون سے گرم جوش ملاقاتیں کیں، عسکری اور تجارتی معاہدے کیے، ہالوکاسٹ کی یادگار پر یہودیوں کے ساتھ اظہارِ ہمدردی کے طور پر پھول چڑھائے، اور اس واقعے کو انسانیت کے خلاف جرم قرار دیا۔ یہاں ہمیں ایک ''فریڈم فلوٹیلا'' کا واقعہ دھوکے میں مبتلا نہ کر پائے۔ یہی تو اس حکومت بلکہ درحقیقت اس عالمی نظام کا دجل ہے کہ ایک طرف غزہ کے محصورین کی طرف خوراکی مواد اور ادویات فراہم کرنے کے لیے جہاز روانہ کیا اور اسرائیل نے اسے پہنچنے سے روکنے کی خاطر حملہ کیا اور جواب میں یہی ترکی کی حکومت ایک جز وقتی بائیکاٹ کے بعد دوبارہ سے اسرائیل کو پسندیدہ ممالک کی فہرست میں شامل کرتی ہے اور آج تک اسرائیل کے ساتھ ترکی کے تعلقات معاشی، عسکری اور اقتصادی میدانوں میں قائم ہیں۔ جبکہ غزہ کی ۲۰۱۰ء کے بعد تین مرتبہ اینٹ سے اینٹ بجائی جاچکی ہے اور اب تو القدس باقاعدہ اسرائیل کا دارالحکومت بننے کو جارہا ہے بلکہ امریکہ اپنا سفارت خانہ وہاں کھول چکا ہے، گولان کی پہاڑیاں اسرائیل کو دی جاچکی ہیں مگر ترکی کا ''فریڈم فلوٹیلا'' دوبارہ نکلنے کی جرأت نہیں کر پارہا بلکہ الٹا ترکی کے جہاز اسرائیل میں لگی آگ کو بجھانے کے لیے کئی سو میل کا سفر کرتے ہیں۔ مزید یہ کہ آج ترکی 'انسانی بنیادوں' پر جو امداد غزہ کو بھیجتا ہے وہ پہلے اسرائیل جاتی ہے، وہاں اس کی جانچ پڑتال ہوتی ہے اور اس کے بعد اس کو غزہ بھیجا جاتا ہے۔

یہ فریڈم فلوٹیلا والی بلی خاص کر اس وقت تھیلے سے باہر آئی جب ۲۰۱۶ء کے وسط میں ترکی-اسرائیل معاہدہ ہوا جس کی پہلی شق ہی یہ تھی کہ ترکی کی پارلیمنٹ ایک قانون پاس کرے گی جس کے تحت فریڈم فلوٹیلا والے واقعے میں جاں بحق ہونے والے نو(۹) ترک باشندوں کے اسرائیلی فوج کے ہاتھوں قتل ہونے کے مقدمات منسوخ کیے جائیں گے۔

اس وقت بھی اسرائیل کے ترکی سے اس قدر قریبی معاشی تعلقات ہیں کہ اسرائیل جو سامان دنیا بھر میں ایکسپورٹ کرتا ہے اس میں پوری دنیا میں چھٹے نمبر پر اسرائیل سے سامان خریدنے والا ملک ترکی ہے۔

فلسطین پر قابض اور غزہ کے مسلمانوں پر دن رات تنگ کرنے والے اسرائیل کے ساتھ آج بھی ترکی کی افواج کی جنگی مشقیں جاری ہیں اور باہمی عسکری تربیت اور استخباراتی تعاون کے لیے وفود اور تجارب کا تبادلہ ایک معلوم امر ہے۔ بلکہ اسرائیلی افواج کے فوجی بوٹ اور فوجی یونیفارم ترکی میں بنتے ہیں اور اس 'خدمت' کے بدلے اسرائیل ترکی کو ہائی ٹیک دفاعی نظام فراہم کرتا ہے۔

اور تو اور ترک وزارتِ خارجہ کے مطابق اسرائیلی باشندوں کو ترکی جانے کے لیے ترکی کا ویزا تک درکار نہیں ہے، اسرائیلی باشندے محض اپنے پاسپورٹ پر ترکی کا سفر کرسکتے ہیں۔

---

[1] جبکہ ایک اور عجیب مثال مصر کی ہے۔ مصر میں بھی اردگان قسم کی حکومت قائم ہوئی تھی، لیکن چونکہ مصر کے زمینی حالات امریکہ و مغرب کے لیے زیادہ سازگار تھے (مثلاً فوج ہی اصل قوت تھی) تو اردگان قسم کی حکومت کا دھڑن تختہ کر دیا گیا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مغرب اردگان قسم کی حکومت بھی برداشت نہیں کرتا، لیکن اگر مغرب کے پاس کوئی آپشن نہ رہے تو 'ماڈریٹ اسلام' پر عامل اردگان جیسا قابلِ قبول ہے۔

[2] گو کہ اس وقت امریکہ و مغرب امارتِ اسلامیہ افغانستان سے ایک معاہدہ کرچکا ہے لیکن اس معاہدے کی ذلت کو برداشت کرنے کے اسباب بھی سب کے سامنے ہیں۔ پھر اس معاہدے کے بعد ایسا نہیں ہے کہ امریکہ، مغرب اور ان کے پروردہ ادارے خاموشی سے بیٹھ گئے ہوں، بلکہ وہ مستقل کسی نہ کسی بات کا 'ایشو' بنا کر امارتِ اسلامیہ پر تنقید کرتے رہتے ہیں۔ پھر سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ امارتِ اسلامیہ افغانستان خون اور جنگ کے ذریعے حاکم بنی ہے اور اسے متمسک فی الدین مجاہد عوام کی تائید حاصل ہے۔

دفع عدو الصائل (یعنی حملہ آور دشمن سے دفاع) کے شرعی حکم کی تائید کرنے والے اور صرف افغانستان، کشمیر اور عراق و شام میں غیر مسلم حربی کافروں کے خلاف قتال کو جائز قرار دینے والے ہمارے محترم حضرات کے لیے جاننا ضروری ہے کہ یہی ترکی عرصہ بیس سال کے قریب ہمارے افغانی بھائیوں پر ''نیٹو'' کے ایک مستقل عضو کے طور پر بمباریوں اور مظالم ڈھانے میں بھی مشغول ہے۔ افغانستان کے مغربی صوبے 'فاریاب'، 'بادغیس'، 'ہرات'، اور 'فراہ' میں مستقل ترکی افواج کے یونٹ تعینات رہے ہیں اور ان علاقوں کے مسلمانوں کے خلاف آپریشنز میں شریک رہے ہیں۔

پھر یہی وہ ترکی ہے جس نے شیخ عبد اللہ عزامؒ کے قریبی ساتھی، امیر المومنین ملا عمرؒ اور طالبان افغانستان کے کم و بیش تمام قائدین کے معتمد، شیخ اسامہ بن لادنؒ کے دست راست، امت مسلمہ کے مایۂ ناز عسکری قائد اور سپہ سالار شیخ عبد الہادی عراقی جن کی زندگی کے بائیس سال افغانستان میں روسی عفریت، شمالی اتحاد اور پھر امریکہ کے خلاف جنگ کی قیادت میں گزرے، انہیں عراق جاتے ہوئے اپنی سرحد سے گرفتار کرکے امریکہ کے حوالے کیا جو آج تک امریکہ کی قید میں ہیں۔ یہی ترکی عالمی طاقتوں کے ساتھ مل کر شام کو شام کی عوام کے لیے جیل بنائے ہوئے ہے۔

لیکن ترکی نے شام میں اپنے اس کردار کو بھی نہایت دجل کے ساتھ مخفی رکھا ہوا ہے۔ ایک طرف شامی مہاجرین کو پناہ دی گئی دوسری طرف انہی شامی مہاجرین کے علاقوں پر ''حرب علی الإرهاب والتطرف'' کے نام پر مستقل بمباریاں یا بمباریوں میں تعاون بھی جاری ہے۔ جہاں ایک طرف 'کردوں' اور شامی مزاحمت کار مجاہدین پر بھی بمباریوں میں مستقل تعاون جاری ہے وہیں ترکی بعض جہادی گروہوں کو ''اپنی'' ریاستی پالیسیوں کے تسلسل اور مفادات کے حصول کی خاطر شام میں مکمل مدد بھی فراہم کر رہا ہے۔ غرض ایک لحاظ سے مغربی طاقتوں نے ترکی کے لیے عالم اسلام کے قلب اور فلسطین کے ساتھ پڑوس میں قائم اس عظیم جہادی تحریکِ شام میں کردار تقسیم کر رکھا ہے۔ امریکی ڈرون طیاروں کا سب سے بڑا ہیڈ کوارٹر ترکی میں ہے جہاں سے امریکی طیارے اور جاسوسی طیارے اڑ اڑ کر شام کے نہتے مسلمانوں اور ان کے دفاع میں جانیں نچھاور کرنے والے مجاہدین پر آگ و خون کی بارش مسلط کر رہے ہیں۔ جبکہ دوسری طرف روسی طیاروں کو شام پر بمباری کی کھلی اجازت دی جا رہی ہے اور اسے شام کا داخلی مسئلہ قرار دیا جا رہا ہے مگر دجل کی انتہا کہ روسی طیارہ ترکی کی فضا میں داخل ہوا تو اسے ایک بار مار گرایا گیا جبکہ اس سے قبل ہزاروں روسی (سائٹیز) یا پروازوں سے تجاہل عارفانہ برتا گیا مگر اس کارروائی کی سیکڑوں بار میڈیائی تشہیر کی گئی۔ اور پھر کچھ ہی عرصے میں اردگان نے روسی صدر کے ساتھ دوبارہ تعلقات بحال کر لیے۔ غرض ایک لحاظ سے ترکی کا خطے میں عسکری کردار نہایت دوغلا اور دجل پر مبنی ہے۔ مختصراً یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ جس طرح 'پاکستانی اسٹیبلشمنٹ' نے اپنے مفادات (تزویراتی گہرائی/Strategic Depth) کی خاطر افغانستان اور کشمیر کا استحصال کیا ویسے ہی ترکی اس وقت شام میں کر رہا ہے، بلکہ نیا اکھاڑا تو اس وقت لیبیا میں بھی سجایا گیا ہے۔

ریاستِ ترکی میں شراب کی فروخت پر جو پابندیاں لگائی گئی ہیں تو ایسی پابندیاں تو امریکہ جیسے ملک میں بھی ماضی میں لگ چکی ہیں جنہیں بعد میں ہٹا لیا گیا۔ پھر پابندی بھی جزوی ہے نہ کہ کلی اور جزوی پابندی شریعت کے تقاضے پر اور شریعت کے حکم کے مطابق نہیں بلکہ 'قومی مفاد' کو سامنے رکھتے ہوئے لگائی گئی ہے۔

اگر ترکی کی اقتصادی حالت کا ذکر کیا جائے تو ترکی کی اقتصادی حالت میں بہتری کا ایک جزو اس کی حکومت کی اچھی معاشی پالیسیوں کی وجہ سے ہی ہے مثلاً فساد کی بیخ کنی اور میرٹ و معیار پر عمل درآمد اور اچھا انتظام لیکن اصل میں یہ اقتصادی نشو و نما و ترقی اُسی فاسد سرمایہ دارانہ نظام پر مبنی ہے، جس کا بیشتر انحصار ان سودی قرضوں پر رہا ہے جن کے حصول کی اردگان حکومت مستقل کوششیں کرتی رہی ہے اور کر رہی ہے۔ ترکی کی معیشت ایسے غیر شرعی معاہدات پر کھڑی ہے جو کسی صورت بھی اسلامی شرعی اصول و ضوابط کے پابند نہیں جیسا کہ ترکی کے ساحلوں کو عریانی و فحاشی کے اڈوں کے لیے سیاحت کے نام پر اجرت پر دے دینا وغیرہ۔

ایک بات جو شاید بہت سے لوگ نہ جانتے ہوں کہ ترکی کے ذمے آئی ایم ایف کے جو قرضے واجب الادا ہیں وہ 367-343 کھرب ڈالر کے قریب ہیں اور یہ قرضہ جات اس قرضہ سے سیکڑوں گنا زیادہ ہیں جو اردگان کی پارٹی کے برسرِ اقتدار آنے سے قبل تھے۔ ترکی کی اقتصاد کو سرمایہ دارانہ نظام کے پیمانے کے مطابق کامیاب سمجھا جا رہا ہے کیونکہ ترکی کی اقتصادی نشو و نما کا لیول اور قومی سرمائے میں بڑھوتری کا گراف ان قرضہ جات اور سودی معاہدوں کے باعث اوپر چڑھ رہا ہے۔ یوں یہ 'ترقی' بہت سے اقتصادی ماہرین اور دین پسند حضرات کو خام خیالی میں مبتلا کر رہی ہے۔ ترکی آج یقیناً ایک مضبوط معیشت ہے مگر سرمایہ دارانہ نظام کی بنیادوں پر مکمل طور پر قائم ہے جس سے اس کے لیے الگ ہونا ناممکن ہے۔ یہی وہ سودی نظام ہے جس کے خاتمے کے لیے ہمارے دین پسند حضرات پاکستان میں صدائیں بلند کرتے ہیں لیکن ترکی کے حامی ہیں؟!

یہ چند نکات اس لیے عرض کیے گئے ہیں کہ تاکہ جان لیا جائے کہ ترکی کا تجربہ قطعاً کوئی کامیاب تجربہ نہیں ہے اس لیے کہ اس نظام نے فروعات کی خاطر اصولوں کو پیچھے چھوڑ ڈالا ہے۔

ہماری پریشانی یہ نہیں کہ ابھی تک ترکی میں فساد باقی ہے جسے اردگان ختم نہیں کر سکا یا اپنی پوری صورت میں ابھی تک ترکی میں دینِ اسلام قائم نہیں کیا جا سکا، جیسا کہ بعض حضرات کی سوچ ہے، بلکہ ہماری مشکل یہ ہے کہ اردگان کے طریقۂ کار میں دین کے اہم اور ناگزیر قواعد اور اصولوں کی مکمل خلاف ورزی ہے اور ان میں سب سے اہم اللہ کی شریعت پر مبنی نظام کے قیام کے بجائے عوام کی حاکمیت پر مبنی نظام کا قیام ہے جس سے برأت کے بغیر کوئی فلاح و کامیابی نہیں ہے۔ پھر اس 'حکومت و کامیابی' کے حصول کا طریقۂ کار سرمایہ دارانہ جمہوری نظام پر مبنی ہے جو کہ سراسر اسلام سے متصادم ہے۔

ہمارے یہاں کہ بعض اہلِ دین و انقلابی جماعتوں کے حضرات یہ کہتے ہیں کہ جو مذہبی آزادیاں اور اقتصادی قوت جسٹس اینڈ ڈویلپمنٹ پارٹی نے ترکی میں حاصل کر لی ہیں یہ اللہ کے دین کو ترکی میں اور پھر پورے عالمِ اسلام میں نافذ کرنے کا ایک ابتدائی قدم، ذریعہ اور راستہ ہے۔ اس استفسار کا جواب ''نہیں'' میں ہے اور اس کی درج ذیل وجوہات ہیں:

پہلی یہ کہ ہم اللہ کی اطاعت کرنے کے مکلف ہیں اور تبدیلی کی کوشش شرعی ذرائع سے کرنا ہمارا فرض ہے، شریعت نے جہاں مقصد و منزل کو واضح کیا ہے تو ساتھ ہی راستہ و طریق بھی بتا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً ......(سورۃ النور: ۵۵)

''تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں، ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں ضرور زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا، جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو بنایا تھا، اور ان کے لیے اس دین کو ضرور اقتدار بخشے گا جسے ان کے لیے پسند کیا ہے، اور ان کو جو خوف لاحق رہا ہے، اس کے بدلے انہیں ضرور امن عطا کرے گا۔''

ہم جس امر کے مکلف ہیں وہ اس آیت کے پہلے حصے پر عمل ہے یعنی 'جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے'، یعنی تبدیلی کی خاطر کسی بھی حرام رستے کو اپنائے بغیر کوشش کی اس لیے کہ تمکین و کامیابی اللہ کے فیصلوں کے ساتھ مربوط ہے۔ حقیقی تمکین نہ کہ چند جز وقتی مذہبی آزادیاں بلکہ وہ تمکین جو ممالک کو اس عالمی نظام کے گورکھ دھندے اور فساد سے نکالے اور 'نخرجهم من عبادة العباد الی عبادة رب العباد' یعنی بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر بندوں کے ربّ کی غلامی میں لے جانے کی سمت گامزن کرے۔ ایسی تمکین نہیں جو:

- ترکی کو عالمی سرمایہ دارانہ سودی نظام کا غلام بنائے رکھے۔
- اسے نام نہاد دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ میں صلیبی مفادات کی ایک ''کمپنی'' بنائے رکھے۔
- افغانستان پر قابض نیٹو اتحاد کا ایک حصہ بنائے رکھے اور اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے مفادات پر ضرب لگوائے۔
- ترکی کو مغربی تخطیط و تحلیل (Research and Analysis) کے دفاتر؛ معتدل، سیکولر اور جمہوری اسلام کا ایک نمونہ بنا کر عالمِ اسلام کے سامنے پیش کریں جبکہ اس کے مقابلے میں اصل اسلام کو شدت پسندی پر مبنی اسلام قرار دے کر ترکی اور عالمِ اسلام کے لیے ایک خطرے کے طور پر پیش کریں۔

ہم تو ایسی تمکین کے خواہاں ہیں جس میں شریعت پر عمل سب سے اہم ترجیح ہو اور ایسے تمام امور سے اجتناب ہو جن سے اللہ کا دین منع کرے۔ مثلاً:

- کمزور مسلمانوں کی حتی الوسع نصرت کی جائے، حقیقی نصرت نہ کہ وہ نصرت و مدد کہ سالوں گزر جائیں مگر مسلمانانِ شام ترکی کی سرحد کے اس پار ذبح کیے جائیں۔
- ترکی میں کوئی عریاں ساحل نہ دیکھیں اور نہ ہی انہیں اجرت پر فحاشی و عریانی کی صنعت کے فروغ کی خاطر دیا جائے۔
- شراب نوشی پر پابندی ہو لیکن شرعی قاعدے کو مدِ نظر رکھتے ہوئے۔
- گرم جوشی پر مبنی نام نہاد ریاست اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات نہ دیکھیں جو تعلقات میڈیا پر نہایت دجل کے ساتھ چھپائے جاتے ہیں۔

یہاں سوال یہ ہے کہ ابو طالب جنہوں نے ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر قسم کی نصرت فرمائی اور آپؐ کی پشتی بانی کی، کیا ان کی یہ نصرت انہیں جہنم کی آگ سے بچا پائے گی؟ اور کیا نبیؐ نے ابو طالب سے اپنے اسی مشرکانہ طریقۂ کار یعنی بتوں کی پوجا، شرک اور آباؤاجداد کی رسومات پر قائم رہنے کا مطالبہ فرمایا یا انہیں ان کے آخری سانس تک کلمہ پڑھنے کی ترغیب و دعوت دی؟

اور کیا یہ ممکن تھا کہ آپؐ اپنی ذات کے لیے ابو طالب کو ایک حفاظت یا cover کے طور پر رہنے دیتے اور ابو طالب سے کہتے کہ آپ اپنے منہج پر قائم رہیں یا اگر نبی ﷺ یہ جان جاتے کہ ان کے چچا کا شرک پر قائم رہنا نبیؐ کی دعوت کے لیے فائدہ مند ہے تو کیا آپؐ اپنے اسلام قبول کرنے کے مطالبے سے رک جاتے؟ ان تمام سوالات کا جواب یقیناً نہیں میں ہے، اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا:

''إن الله ليوئيد هذا الدين برجل فاجر .''(فيض القدير)

''بے شک اللہ تعالیٰ اس دین کی مدد و نصرت کا کام فاسق آدمی سے بھی لے لیتے ہیں۔''

یہ مقام اردگان کو فاجر یا کوئی اور لقب دینے کا نہیں اور نہ ہی اس کا فائدہ ہے کہ اردگان کو ابو طالب کے برابر رکھا جائے جو کہ کافر تھے جبکہ اردگان تو اسلام سے اپنی نسبت کا اعلان کرتا ہے۔ لیکن مقصد یہ اصول بیان کرنا ہے کہ ''کسی شخص یا حکومت (بالخصوص اسلام سے منسوب) میں بعض خوبیوں کی موجودگی اور اس کے سبب حاصل شدہ کامیابیاں منہج و طریقۂ کار کے صائب اور برحق ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتیں''۔ اور یہ کسی طور پر بھی ٹھیک نہیں ہے کہ عالمِ اسلام اور دینی تحریکات کے لیے ایسے شخص یا حکومت کو ماڈل کے طور پر پیش کیا جائے جو دین کو اس کی اصل تعبیر کے ساتھ (ذاتی و اجتماعی زندگی دونوں میں اکٹھے نہ کہ سیکولر طریق پر) نافذ کرے۔

یہاں ہم مختصر اًتر کی کا موازنہ پاکستان سے کرنا چاہیں گے۔ پاکستان میں جن حضرات نے پاکستانی فوج کا مشرقی پاکستان میں کردار اور سیکولر دور دیکھ رکھا تھا ان کے سامنے ضیاء الحق کے دور میں آنے والی تبدیلیاں نہایت ہی غیر معمولی تھیں۔ ان کے نزدیک پاکستانی فوج نے کلمہ پڑھ لیا تھا، جن باروں (bars) میں شراب رکھی کی جاتی تھی ان پر اب جوس (juice) اور سافٹ ڈرنکس کو رکھا جانے لگا تھا۔ تربیتی نصاب میں قرآنِ مجید پڑھایا جانے لگا اور ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ کا نعرہ اسی دور میں زبان زد عام کیا گیا تھا، لہٰذا ایسے حضرات کو ہم عذر دیتے ہیں کہ چونکہ وہ اس وقت اپنی آنکھوں سے اس تبدیلی کا مشاہدہ کر رہے تھے چنانچہ اس وقت وہ پاکستانی فوج کے اس منافقانہ دجل پر مبنی پینترے کو سمجھ نہ سکے۔ اس پینترے کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ عالمی طاقتوں نے پاکستان کے ہمسائے میں افغانستان میں روسی عفریت کو چڑھتے دیکھا اور اپنا مفاد بھی اس جنگ میں جانا، لہٰذا اس جنگ کے اثرات لامحالہ پاکستان پر بھی پڑے۔ یہاں ایک ایسے چہرے کی ضرورت تھی جو اس فوج کے سابقہ منفی کردار سے قطع تعلق کر کے اس کے اسلامی تشخص کو قائم کرے تاکہ عوام پھر کر اسی فوج کے خلاف نہ کھڑے ہو جائیں۔ مگر وقت نے ثابت کیا کہ فوج میں یہ تبدیلی حقیقی تبدیلی نہیں بلکہ پالیسی اور نام نہاد قومی مفاد کا اس وقت یہی تقاضا تھا (جیسا کہ آج کل عمران خان و باجوہ کی سربراہی میں ہے)۔ چنانچہ مناسب وقت میسر آنے پر پرویز مشرف فوج کو واپس اسی روش پر لے گیا۔ وہی اسلام دشمنی، امریکی غلامی، روشن خیالی اور اعتدال پسندی کی آوازیں اور اس کے ساتھ ساتھ اقتصادی ترقی کے ایسے بلند بانگ دعوے (جو کلیتاً غلط بھی نہ تھے) جو عوام کو وقتی سکون دیتے تھے۔ وجہ کیا تھی؟ وجہ یہی تھی کہ امریکہ کو اب دوبارہ افغانستان میں پاکستان کے کردار کی ضرورت تھی۔ پہلا کردار ضیاء کی صورت میں روسی اشتراکیت سے نمٹنے کے لیے اس فوج نے عالم مغرب و امریکہ کے ساتھ مل کر ادا کیا۔ جبکہ دوسرا کردار امارت اسلامی سے افغانستان میں نمٹنے کے لیے اس فوج نے ادا کیا، جہادِ کشمیر سے ناتا توڑا، اپنی فضائیں امریکیوں کے لیے مسخر کر ڈالیں، پاکستان کو امریکی ڈرون طیاروں کی آماجگاہ بنا ڈالا، بلیک واٹر اور ریمنڈ ڈیوس و جوئل کاکس جیسے سکیورٹی کنٹریکٹروں اور سی آئی اے کے ایجنٹوں کو کھلم کھلا 'غیر' سفارتی استثنا دی گئی (کہ یہ لوگ سفارتی عملے میں سے نہ تھے)۔

بعض امور ایسے ہوتے ہیں جن پر ہم تقدیری طور پر خوش ہوتے ہیں مگر ان پر شرعی طور پر راضی نہیں رہ سکتے۔ جسٹس اینڈ ڈویلپمنٹ پارٹی کا حکومت حاصل کرنا اور اس کے نتیجے میں ترکی میں بعض مذہبی آزادیوں کا حصول اور مسلم دنیا میں لوگوں کے اس حکومت کو خوش آمدید کہنے کے نتیجے میں ہو سکتا ہے کہ کل کلاں ترکی میں کوئی اور ایسی تبدیلی آجائے جس سے ترکی میں اسلام کی اصل صاف شفاف دعوت دینے کے مواقع پیدا ہو جائیں۔ لہٰذا اردگان اور اس کی پارٹی کی کامیابی ایسے امور میں سے ہے جن پر ہم تقدیری طور پر تو خوش ہو سکتے ہیں مگر اردگان کا اللہ تعالیٰ کے احکامات کی عدم تنفیذ پر عامل ہونا ہمیں شرعی طور پر اردگان اور جسٹس اینڈ ڈویلپمنٹ پارٹی کے منہج کو قبول نہ کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ اور اسی لیے اس کے منہج کی تعریفیں کرنا، اس کو رول ماڈل قرار دینا اور اسلامی تحریکوں کو اپنے اپنے ممالک میں اس قسم کی شخصیات کے پیچھے کھڑا کرنے کا درس دینا اور اس منہج کی مدد و نصرت کو ہم صحیح نہیں سمجھتے۔ لہٰذا کچھ امور ایسے ہیں جو تقدیراً ظہور پذیر ہونے کی وجہ سے ہمیں خوشی تو ہوتی ہے مگر شرعی طور پر ہم کبھی ان پر راضی نہیں ہو سکتے۔

یقیناً اتاترک کے ترکی اور اردگان کے ترکی میں بہت فرق ہے اور اس جبری استبدادی قہر پر مبنی نظام سے ترکی آج بتدریج لادینیت (سیکولرازم، یعنی نظام حکومت / اجتماعی زندگی سے دین غائب مگر ذاتی مذہبی شعائر کی practice پر کوئی روک ٹوک نہیں) کی طرف بڑھ رہا ہے جس کے نتیجے میں مسلمانوں کو ملنے والی چند مذہبی آزادیاں اور ترکی کے بعض دجل پر مبنی مواقف نے بعض حضرات کے نظریات اور طرزِ فکر کو خلط ملط کیا ہے جس کے سبب ان کے دل اور زبانیں اس خلافِ اسلام طریقۂ کار کو قبول کر رہی ہیں۔ شاید ایسی ہی کسی صورتِ حال کے پیشِ نظر اقبالؒ نے کہا تھا (شعر میں لفظی تصرف کے ساتھ) کہ

'مسلم' کو جو ہے 'ترکی' میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

ہو سکتا ہے کہ ان حضرات کے ترکی کی جانب اس میلان کی وجہ یہ ہو کہ دیگر اسلامی ممالک میں کسی سنجیدہ اسلامی سیاسی انقلاب کی صورت تاحال ظہور پذیر نہیں ہو سکی، لیکن یہ 'بیانیہ' بھی کل امارتِ اسلامیہ کے قیام سے قبل تک تو چل سکتا تھا لیکن آج نہیں چل سکتا۔

ساری دنیا کے سیکولر اس بات سے تو چڑتے ہیں کہ سابقاً ایک دینی پس منظر رکھنے والا شخص ترکی کے ایوانِ اقتدار میں بیٹھا ہے لیکن جو 'آزادیاں' سیکولر ترکی میں موجود ہیں ان کو بھی بخوبی جانتا ہے۔ اس پر ایک لطیفہ یاد آگیا کہ پاکستان کی ایک مذہبی سیاسی جماعت کے سربراہ نے بلدیاتی انتخابات کے موقع پر کہا کہ 'اگر ہم جیت گئے تو کراچی کو استنبول بنا دیں گے'۔ اس پر سابقہ سرخے اور حالیہ لبرل سیکولر صحافی 'وسعت اللہ خان' نے کالم لکھا اور کہا کہ میرا ووٹ اس بار اس مذہبی جماعت کے لیے ہے کیونکہ وہ کراچی کو استنبول بنانے کا وعدہ کر رہے ہیں اور پھر استنبول کے تمام 'خصائص' بیان کر دیے جن میں چیدہ چیدہ 'مغربی طرز کے عریاں ساحل، نائٹ کلب، بیلے ڈانسرز سے "سجی" مخصوص گلیاں اور شراب کی فروخت' وغیرہ شامل ہیں۔ اس لطیفے کو لکھنے کا مقصود بھی یہی تھا کہ سیکولر لوگ بھی یہ بات بخوبی سمجھتے اور جانتے ہیں کہ ترکی میں کیسا نظام قائم ہے اور وہ نظام کن خصائص کا مرکب ہے۔

اردگان نے جیسا نظام ترکی میں قائم کر رکھا ہے اور پھر اس کے بعد جب وہ مکا لہرا کر کہتا ہے کہ یہ عثمانی مکا ہے، وغیرہ تو اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے عمران خان اپنے آپ کو محمد بن قاسم کہہ چکا ہے اور جس طرح اپنے آپ کو سفیرِ کشمیر اور وکیل کشمیر کہہ کر کشمیر کا سودا کر چکا ہے یا یوں کہہ لیں کہ عمران خان بالفرض اپنے آپ کو برِّ صغیر کا مغل بادشاہ 'اورنگزیب عالمگیرؒ' کہنا شروع کر دے۔ یہ بھی ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ خلافت عثمانیہ اپنے ضعف کی حالت میں بھی امتِ مسلمہ کو غاصب صلیبیوں صہیونوں سے محفوظ رکھتی تھی اور امیر المومنین سلطان عبد

الحمید ثانیؒ جیسی شخصیات عالمِ ضعف میں بھی تھیوڈور ہرٹزل جیسوں کی پیشکشیں (فلسطین کو بیچنے والی) ٹھکرا دیتی تھیں۔ جبکہ آج کا سیکولر ترکی فلسطین و بیت المقدس پر قابض اسرائیل کے ساتھ عسکری و اقتصادی معاہدے کرتا ہے اور اس غاصب ریاست کو تسلیم بھی کرتا ہے۔ خلافت عثمانیہ امت مسلمہ کے مجاہدین (مثلاً تحریکِ ریشمی رومال) کی تائید کرتی تھی جبکہ آج کا سیکولر ترکی مجاہدین کو اغیار کے حوالے کرنے کے درپے ہے۔

دو نکات پر مضمون کا اختتام کرتے ہیں:

1. بندۂ مومن سے مطلوب یہ ہے کہ وہ ہر معاملے کو شریعت کی نظر سے دیکھے۔ اس اعتبار سے یہ بات واضح ہے کہ ترکی کی حکومت نظامِ اسلامی کو قائم کرنے والی نہیں بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ ترکی کی حکومت کا انداز پاکستان میں نواز شریف یا عمران خان کی حکومت جیسا ہے۔ (ایک لمحے کو شریعت کو چھوڑ دیں تو) ہمارے ملک کا مسئلہ کرپشن اور بد انتظامی ہے اور پاکستان میں سیاست کرتی 'مخلص' مذہبی سیاسی جماعتیں بھی یہی کہتی ہیں کہ اگر شفاف الیکشن کروائے جائیں اور پارلیمان میں پہنچنے والی جماعتیں، حزبِ اقتدار و حزبِ اختلاف دونوں ۱۹۷۳ء کے آئین پر 'دیانت داری' سے عمل کریں اور کروائیں تو یہی ہمیں مطلوب ہے، جبکہ جمہوریت، انتخابات اور یہ آئین روحِ اسلام سے متصادم ہیں اور اس پر مجاہدین کی جانب سے بہت سا لٹریچر موجود ہے۔[1]
2. ہمارے حضرات میں سے بعض اردگان کے حکومت میں ہونے، مقتدر ہونے کو کامیابی سمجھتے ہیں۔ دنیوی پیمانوں سے، اسباب کی دنیا میں رہتے ہوئے بھی اردگان کا ماڈل 'اسلام پسندوں' کے اقتدار میں ہونے کے اعتبار سے ناکام ہے۔ براہِ راست اردگان اور اس کی 'فکر' اور 'پارٹی' کو جدوجہد کرتے ہوئے (اقتدار سے پہلے اور بعد میں) نصف صدی ہو چکی ہے جبکہ 'ریاستِ مدینہ' ابھی بہت دور ہے۔ اس کے مقابلے میں امارتِ اسلامیہ افغانستان کی تحریک تقریباً تیس سالوں میں، شریعت کی بیان کردہ 'عادلانہ و اسلامی حکومت' تک کا سفر طے کر چکی ہے اور اسی طرح کی تحریک کی انتہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق 'خلافت علیٰ منہاج النبوۃ' ہو گی۔

اللہ پاک دنیا میں اسلام کو غالب فرمائے اور اس غلبے کے لیے کھپنے والوں میں ہمیں شامل فرما لے، آمین۔

نورِ ایماں ملے، فہمِ فرقاں ملے، زُور و باطل کی پہچاں سجھا دیجیے
ہو جو حق، اِن نگاہوں کو حق ہی دِکھے، آنکھ کو ایسا سُرمہ عطا کیجیے

آمین یاربّ العالمین!

بقیہ: خطوط از ارضِ رباط

پی ایچ ڈی ہونے کی وجہ سے اس کی اپنی چوائس تھی کہ کوئی اس کا ہم پلہ پی ایچ ڈی ہی ملے۔ بالآخر اڑتالیس سالہ پی ایچ ڈی جو اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے چکا تھا رشتہ لے کر آیا۔ مگر اس کی چوائس اُس کی سب سے چھوٹی بہن ٹھہری کیونکہ وہ سب سے زیادہ خوبصورت اور عمر میں کم تھی۔ ماں باپ مجبور تھے کیا کرتے؟ اللہ کا نام لے کر اڑتالیس سال کے ادھیڑ عمر شخص کے ساتھ بائیس سالہ کنواری بیٹی کا رشتہ طے کر دیا گیا۔ پھر چھوٹی بہن کے رشتے کے بعد اس سے بڑی والی کی شادی ہو گئی۔ (کئی برس گزر گئے) جب کہ وہ (پی ایچ ڈی کرنے والی) ملازمت سے ریٹائر ہونے کے قریب تھی، شادی سے رہ گئی اور اس کے ساتھ اس کی اور دو بہنیں بھی (محض پڑھائی کے چکر میں عمر سے گزر گئیں)۔"

اس اقتباس میں بے دین اور دنیادار لوگوں کی مثال پیش کی گئی ہے۔ اس لیے دنیادار دنیاداروں سے ایسا ہی سلوک کر رہا ہے، یہ عین توقع کے مطابق ہے۔ الحمدللہ، ثم الحمدللہ ہم تو دین دار لوگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان جیسی صورت حال سے محفوظ فرمائے، آمین!

میرا ایک پیارا دوست، پیارا بھائی اور شاگردِ رشید ان ہی دنوں میں الحمدللہ میدانِ جہاد سے ہو کر گھر واپس گیا ہے اور جاتے ہی اس نے میرے لیے تحفہ بھیجا ہے۔ اس کے نام سے تو آپ واقف ہیں ہی، جس کے بارے میں آپ سے تذکرہ بھی کیا تھا کہ وہ میرا بڑا لائق شاگرد ہے، آج کل امتحان سے فارغ ہو کے آیا تھا۔ آپ کے خط کے ساتھ اس کا خط بھی ارسال کر رہا ہوں۔ گو آج کل اس سے ملنا مشکل ہی ہو گا کیونکہ وہ اپنے رشتہ داروں سے ملنے ملانے میں بہت مصروف ہو گا، آپ کے ہاتھ وہ کہاں آئے گا؟ میں بھی اس کے گھر کا اتا پتا بھول گیا ہوں۔ اگر اس سے آپ کی ملاقات ہو تو ضرور میرا اسلام عرض کر دیجیے گا اور اس کے لیے دعا بھی کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کے دین و ایمان میں بھی دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا کرے اور شیاطینِ بد کے شر سے محفوظ فرمائے، آمین!

آخر میں آپ کے والدِ گرامی کو میرا اسلام عرض ہو اور ان سے دعاؤں کی درخواست بھی ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو ایمان و صحت کے ساتھ خیر و عافیت میں رکھے اور سب سے بڑھ کر آخرت میں جنت الفردوس میں اکٹھا فرمائے، آمین!

والسلام علیکم...... دعاؤں کا طلب گار، آپ کا بھائی

شوال ۱۴۳۲ھ

---

[1] جمہوریت و انتخابات کے متعلق مولانا عاصم عمر کی تالیف 'ادیان کی جنگ، دینِ اسلام یا دینِ جمہوریت' اور آئینِ پاکستان کے شرعی محاکمہ پر مشتمل فضیلۃ الشیخ ایمن الظواہری کی کتاب 'سپیدۂ سحر اور ٹمٹماتا چراغ'، نیز ادارہ السحاب برّصغیر کی چار حصوں پر مشتمل دستاویزی فلم 'پیغامِ اسلام' دیکھی جا سکتی ہیں۔

خیالات کا ماہنامچہ

ذہن میں گزرنے والے چند خیالات: اگست ۲۰۲۰ء

معین الدین شامی

اللہ کا نہایت فضل و احسان ہے کہ اس نے ہمیں مسلمان بنایا اور مسلمانوں میں بھی اپنے محبوب کا امتی بنایا، جن محبوب پر اللہ خود بھی درود و سلام بھیجتا ہے، اس کے فرشتے بھی بھیجتے ہیں اور ہمیں بھی اس نے اسی کا حکم دیا ہے، پس اسی کے حکم اور اسی حکم کی بدولت اپنی محبت کے سبب ہم بھی کہتے ہیں 'صلی اللہ علیہ وسلم'! اللہ پاک ہمیں تادمِ شہادت اپنے نبی کے جاری کیے سلسلۂ جہاد پر ثابت قدم رکھیں اور قبول فرمالیں، آمین یا ربّ العالمین!

ضرورت ہے!

اپنی جانوں کو جنت کے بدلے بیچنے والوں کی ضرورت ہے...... کفر و اسلام کا معرکہ پوری دنیا میں جاری ہے...... اور اس جنگ کا فیصلہ ہو چکا ہے...... اور فیصلہ لوحِ ازل میں درج ہے...... لکھنے کے بعد قلم رکھ دیا گیا ہے اور لوح کی عبارت خشک ہو چکی ہے...... فیصلہ ہو چکا ہے کہ اسلام غالب آئے گا!

ایسی جیتی ہوئی جنگ کے لیے ضرورت ہے ایسے سپاہیوں کی، جن کی تاریخ قلم اور روشنائی کے بجائے شمشیر اور لہو سے لکھی جاتی ہے۔ ضرورت ہے ایسے فدائیوں کی جو بارودی قبائیں اوڑھ کر بابری مسجد اور جامع قرطبہ کو پھر سے زندگی بخشیں۔ ضرورت ہے ڈاکٹروں کی جو اس جیتی ہوئی جنگ کے جان ہارتے مجاہدوں کی مرہم پٹی کر سکیں۔ ضرورت ہے انجنیئروں کی جو شکست خوردہ طاقتوں کی ملٹی نیشنل کمپنیوں کو اپنی صلاحیتوں سے بہرہ ور کرنے کے بجائے ایک جیتے ہوئے لشکر کے لیے اپنے علومِ ہندسہ کو استعمال کر سکیں۔ ضرورت ہے ایسے استادوں اور مربیوں کی جن کی یونیورسٹیوں اور جامعات سے جیتی ہوئی جنگ کے لیے فاضلین برآمد ہوں۔ ضرورت ہے ایسے صحافیوں، شاعروں، ادیبوں اور قلم کاروں کی جو جیتی ہوئی جنگ کے کارنامے محفوظ کر سکیں اور اپنی قوم کو اس جیتی ہوئی جنگ کی تازہ ترین خبریں پہنچا سکیں۔

ضرورت ہے ایسی ماؤں کی جن کی گودوں میں حسنؓ و حسینؓ، عبد اللہ ابنِ زبیرؓ، محمد بن قاسمؒ اور ملا عمرؒ پلتے ہوں۔ ضرورت ہے ایسے باپوں کی جو میدانِ جنگ کے لیے اپنے گھٹنے گھٹنے چلتے بیٹوں کو تیار کرتے ہوں۔ ضرورت ہے ایسی بہنوں کی جو اپنے مجاہد بھائیوں کو جہاد و غیرت کے راستوں کی طرف پکارتی ہوں۔ ضرورت ہے ایسے بھائیوں کی جو سندھ کی کسی بیٹی کی پکار پر عرب سے لبیک کہتے ہوئے آتے ہوں۔ ضرورت ہے ایسی بیویوں کی جو اپنے شوہروں کا اس جیتی ہوئی جنگ کے لیے پاؤں کی بیڑی نہیں سہارا ہوں۔

یاد رکھیے...... یہ ایک جیتی ہوئی جنگ ہے۔ اس جنگ میں نہ تو کوئی معتدل ہے اور نہ ہی کوئی غیر جانب دار۔ ہر شخص اس جنگ کا حصہ ہے۔ اور اس جنگ کے فاتح گروہ کو آپ کی ضرورت نہیں، آپ کو اس فاتح لشکر کا حصہ بننے کی ضرورت ہے تاکہ آپ باطل کے شکست خوردہ لشکر کا حصہ نہ بن جائیں۔

آپ کو ضرورت ہے اس فاتح لشکر کا حصہ بننے کی، جس کے مقدر میں اس جنگ میں فتح یاب ہونے کا فیصلہ عرشِ بریں سے نافذ کر دیا گیا ہے۔ اس فاتح لشکر کا حصہ بنیے جس کے مقدر میں سندھ و ہند کی فتح، ایران و فارس کی فتح، جزیرۃ العرب اور عراق و شام کی فتح، آرمینیہ اور سپین و فرانس کی فتح لکھی ہوئی ہے۔

آپ کو ضرورت ہے، اللہ کی رضا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لقا، جنت اور دنیا و آخرت کی فتح کی۔

آج ہی اپنے قریبی محاذِ جہاد سے وابستہ ہو جائیے، جیتی ہوئی جنگ میں فاتح لشکر میں شامل ہونے کا ایسا سنہری موقع، قوموں کی زندگیوں میں بار بار نہیں آیا کرتا!

قاضی نہیں غازی!

کسی کا مشہور مقولہ ہے کہ 'گستاخوں کا فیصلہ قاضی نہیں غازی کیا کرتے ہیں!'۔ کسی زمانے میں جب اسلامی شریعت کی پابند اور غیرت و حمیتِ اسلامی سے مرصع حکومتیں ہوتی تھیں تو قاضی بھی گستاخوں کا فیصلہ کیا کرتے تھے۔ یہاں آج کے نام نہاد قاضیوں/ ججوں کی بات ہو رہی ہے جو گستاخوں کے بجائے غازیانِ ناموسِ رسالت کو تختۂ دار پر چڑھانے کے فیصلے سناتے ہیں۔ آج تو ہم نے جب بھی سنا ہے تو گستاخوں کو زیادہ سے زیادہ جیلوں میں بھیج دیا جاتا ہے اور پھر جیل سے کچھ عرصہ بعد 'باعزت' بری کر دیا جاتا ہے۔ لہٰذا اب جیل میں ہی کوئی عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس گستاخ کو ٹھکانے لگا کر، خود عند اللہ 'بری' ہو جاتے ہیں، ان شاء اللہ۔

چند دن قبل بھی ایک جرأت مند غازئ ناموسِ رسالت فیصل خالد نے پشاور کی ایک عدالت میں ایک مرزائی گستاخِ رسول طاہر احمد نسیم کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پشاور کی عدالت میں جج کے سامنے اس نوجوان کا یہ فعلِ ایمانی حجت ہے ان قاضیوں/ ججوں کے لیے جو اب بھی اس بات کے دعوے دار ہیں کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے دین کے تابع دار ہیں۔

بعد اُجب غازی فیصل خالد کو گرفتار کیا گیا تو بعض پولیس اہلکاروں نے اس کے ساتھ سیلفیاں لیں جو سوشل میڈیا پر وائرل ہو گئیں۔ اللہ ان پولیس اہلکاروں کو بھی غازی ممتاز قادری سا عشقِ رسالت عطا کریں کہ یہ پولیس اہلکار بھی اپنے قریب موجود حکومتی و فوجی اور عدالتی عہدوں پر

فائز گستاخانِ رسالت اور ان کے محافظوں کو مسیلمہ کذاب، مرزا قادیانی اور سلمان تاثیر کے پاس جہنم کے کسی کھڈ میں پہنچائیں!

تیاری اور تقدیرِ امم!

انڈیا نے فرانس کے ساتھ ایک معاہدے کے نتیجے میں چھتیس (۳۶) رفال جنگی طیاروں کا سودا کیا ہے جن میں سے چھ ہندوستان پہنچ چکے ہیں۔ رفال طیارہ جوہری یعنی ایٹمی میزائل داغنے کی صلاحیت رکھتا ہے؛ فضا سے فضا میں اس کی رینج ڈیڑھ سو کلومیٹر ہے جب کہ فضا سے زمین پر اس کی مار تین سو کلومیٹر ہے۔ اس طیارے کی رفتارِ پرواز دو ہزار کلومیٹر فی گھنٹہ سے زیادہ ہے۔ اس رفال کے مقابلے میں پاکستان کی تیاری ماضی کی طرح زبردست ہے۔ دھواں دھار پرفارمنس نور جہاں کے زمانے سے ہو رہی ہے۔ پہلے یہ گانا آیا کہ 'انڈیا جا جا کشمیر سے نکل جا' اور ابھی جن دنوں میں رفال طیارے انڈیا پہنچے ہیں انہی دنوں میں آئی ایس پی آر نے ایک نیا گانا ریلیز کیا 'جا چھوڑ دے میری وادی'۔

اعمال دیکھ کر اور تیاری دیکھ کر تقدیرِ امم کا اندازہ لگا لیجیے!

استحصال

دنیا میں حقوقِ انسانی کا سب سے بڑا علم بردار مغرب ہے۔ بلکہ حقوقِ انسانی کیا، کتوں، سؤروں، گدھوں، سب ہی کے حقوق کے لیے عالمی تنظیمیں ہیں۔ لیکن سچ یہ ہے کہ یہ مغرب کے بد نما چہرے پر محض ایک غازہ ہے۔

غازہ کیا ہوتا ہے؟ عام سا سمجھنے کے لیے جسے عرفِ عام میں 'فیس پاؤڈر' کہا جاتا ہے اس کا اردو فارسی نام 'غازہ' ہے۔ غازہ میک اپ کی اشیا میں اہم ترین جزو ہے اور میک اپ ہی کی اشیا میں شامل ایک اور اہم ترین جزو، مغرب کے بد نما چہرے کا غازہ دھو رہا ہے۔

اس اہم ترین جزو کا نام ہے 'چمک' یا جس کا انگریزی نام زبانِ زدِ عام ہے: glitter۔ میک اپ میں شامل اکثر اشیا فیس پاؤڈر، لپ سٹکس، مسکارا اور نیل پالش وغیرہ میں چمک شامل کی جاتی ہے۔ اس چمک کو بنانے کے لیے ایک معدنی مادے 'مائیکا/Mica' کو بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ دنیا میں مائیکا کی ایک کثیر تعداد ہندوستانی صوبوں جھارکھنڈ اور راجستھان کی معدنی کانوں اور معدنی پہاڑوں سے 'کاسمیٹکس' بنانے والی کمپنیوں کو سپلائی کی جاتی ہے۔ یہ کمپنیاں ذیلی کمپنیوں کو ٹھیکے دیتی ہیں اور سستے داموں مائیکا خریدتی ہیں۔

یہ سارا پس منظر ہم نے اس لیے بیان کیا ہے تاکہ یہ بتا سکیں کہ معدنی کانوں اور پہاڑوں سے دنیا کو چمچماتا رکھنے کے لیے معصوم کم عمر بچوں کے ہاتھ استعمال ہوتے ہیں۔ بچوں سے محنت مزدوری کروانے کو چائلڈ لیبر کہتے ہیں۔ چائلڈ لیبر پوری دنیا کا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے اور مغرب بچوں کے حقوق کے دفاع میں اس چائلڈ لیبر کے خلاف مہم اور قانون سازیوں کا سب سے بڑا پرچارک ہے۔

جھارکھنڈ سے بذریعہ چائلڈ لیبر مائیکا حاصل کرنے والی کمپنیوں میں سرِ فہرست نام جرمنی کی معروف ملٹی نیشنل کارپوریشن 'مرک (Merck)' کا ہے۔ مرک اس وقت دنیا کی بڑی فارما سیوٹیکل اور کیمیکل کا سمیٹکس سپلائی اور بنانے والی کمپنیوں میں سے ایک ہے۔ پاکستان، بنگلہ دیش اور بھارت میں مرک کی بنائی گئی بے تحاشا مصنوعات عام فارمیسیوں یا میڈیکل سٹوروں پر دستیاب ہیں۔ مرک اپنی دو ماتحت کمپنیوں 'کولورونا' اور 'ٹمی رون گروپ' کے ذریعے جھارکھنڈ سے مائیکا خریدتا ہے۔

مرک دنیا کی دو دیو ہیکل کاسمیٹک کمپنیوں 'لوریل (L'Oréal)' اور 'شینیل (Chanel)' کو مائیکا سپلائی کرتی ہے۔

مسئلہ مائیکا کے استعمال اور مائیکا کی سپلائی کا نہیں، ان معصوم جانوں کا ہے جو معدنی کانوں اور پہاڑوں میں اپنی چھوٹی چھوٹی عمروں میں، ننھے ننھے ہاتھوں سے دنیا کی سرمایہ دار کمپنیوں کے لیے مائیکا کی کان کنی میں مصروف ہیں اور جن کے پھیپھڑے مستقل کانوں اور پہاڑی دروں میں موجود زہر کو جذب کر رہے ہیں۔ اپنے ہی بنائے قوانین کو پاؤں تلے کچلنے اور انسانی حقوق کے دعوے کرنے کے بعد، انہی بچوں سے چائلڈ لیبر لینا، یہ مغربی سرمایہ دارنہ جمہوری چہرے کا ایک بد نما داغ ہے![1]

چین اور امریکہ کی سرد جنگ

دنیا کا ایک کونا امریکہ ہے تو دوسرا کہہ لیجیے چین ہے۔ دنیا کی تمام چھوٹی قوتیں اپنے آپ کو ان دو بڑی قوتوں کے ساتھ جوڑ رہی ہیں۔ ہندوستان کا امریکہ کی طرف جھکاؤ بلکہ امریکہ ہی کے کیمپ میں ہونا ساری دنیا کے سامنے ہے۔ پاکستان کے مشرق میں ایران بھی چین کے ساتھ ایک بڑا سودا کر چکا ہے۔ ایسے میں سوال اٹھا کہ 'ہم' (یعنی پاکستان) کہاں جائیں گے؟

کیسی عجیب بات ہے کہ ہم مسلمان ہونے کے باوجود یہ سوچ رہے ہیں کہ ہم جو پہلے امریکی خیمے میں تھے اور ساتھ ہی جو ہم سی پیک کا ہار گلے میں ڈال چکے ہیں، ہم کہاں سیٹ ہوں گے؟

اگر ہم مسلمان ہیں تو ہمیں سمجھنا چاہیے کہ ہم سیٹ ہونے کے لیے مبعوث نہیں کیے گئے، بلکہ باقی دنیا اس لیے پیدا کی گئی ہے کہ وہ ہمارے ساتھ سیٹ ہو!

یہ تو تھی ایمانی بات لیکن، اگر اس ایمان کے بل پر ظاہری طور پر دیکھیں تو نظر آئے گا کہ آج سے چودہ صدیاں پیش تر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جس دنیا میں جی رہے تھے وہاں ایک طرف روم تھا تو دوسری طرف فارس۔ صحابہ نے ایڈجسٹ ہونے کا نہیں سوچا، بلکہ ان کو

---

[1] معلومات مغربی صحافی 'برانڈو بارنزیلی' کی ایک رپورٹ سے لی گئی ہیں۔

اپنے ساتھ ایڈجسٹ کر لیا۔ ایڈجسٹ بھی کس چیز پر کہ ایمان لے آؤ اللہ پر، جو لے آئے تو ہمارے بھائی اور جنت کے حق دار اور جنھوں نے رد کیا تو ذلت سے جزیہ دیتے رہے۔
کہہ تو ہم نے یہ دیا کہ یہ ظاہری بات دیکھیں، لیکن یہ بات جو بظاہر ظاہری محسوس ہوتی ہے، بصارت و بصیرتِ ایمانی کے بنا نہیں دِکھ سکتی!

ترک ڈرامے

یہ فنونِ لطیفہ ہیں؛ مصوری، ادب، داستان گوئی، شعر وغیرہ۔ ان کی شرعی جائز حدود ہیں اور وہ بھی تنگ نہیں ہیں۔ جدید دنیا میں اسی شعر و شاعری، ادب اور داستان گوئی کی شکل فلم اور ڈرامہ ہیں۔ انہی ڈراموں میں ترکی کے ڈرامے بھی ہیں جن کا خوب غلغلہ ہے۔ ارطغرلؒ ہو یا محمد بن قاسمؒ و محمد فاتحؒ، یہ سب ہمارے 'ہیرو' ہیں۔ لیکن بعد میں آنے والے اپنے ماضی کے 'ہیروؤں' کی داستانیں سن اور دیکھ کر اگر اکتفا کر لیں تو یہ کافی نہیں۔ ایسے ہی حال کے متعلق اقبالؒ نے 'ابلیس کی مجلسِ شوریٰ' میں 'ابلیس' کا منشا بیان کرتے ہوئے کہا تھا، تصرفِ لفظی کے ساتھ:

تم اسے بیگانہ رکھو عالمِ کردار سے
تا بساطِ زندگی میں اس کے سب مہرے ہوں مات

خیر اسی میں ہے، قیامت تک رہے مومن غلام
چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہانِ بے ثبات

ہے وہی شعر و 'ڈرامہ' اس کے حق میں خوب تر
جو چھپا دے اس کی آنکھوں سے تماشائے حیات

زندگی تماشا

نجانے یہ فلم کیا ہے اور اس میں کیا تماشا دکھایا گیا ہے، لیکن اس کو ریلیز ہونے سے روک لینا اور پھر کئی ماہ اس کا سینیٹ کی قائمہ کمیٹی میں پھنسے رہنا اور پچھلے ماہ اس کے ریلیز کی اجازت ملنے میں 'اسلامی' پاکستان کا تماشا ساری دنیا کے سامنے آ گیا ہے۔
اسلامی نظریاتی کونسل کی حقیقت، پاکستان کے قانونی و آئینی نظام میں اس کونسل کی حیثیت اور پاکستان کے اسلام قانون و آئین کی اصلیت سمجھانے کے لیے 'زندگی تماشا' ہی کافی ہے۔
سینیٹ کی قائمہ کمیٹی میں اور اس کے علاوہ پاکستان کے بعض دیگر مذہبی حلقوں میں یہ اعتراض اٹھایا گیا تھا کہ اس فلم میں مذہبی شعائر کا مذاق اڑایا گیا ہے لہٰذا اسے 'اسلامی نظریاتی کونسل' کو بھیج دیا جائے۔
جب سینیٹ کی قائمہ کمیٹی میں اس پر بحث شروع ہوئی تو 'اسلامی' آئینِ پاکستان (جس کا بنیادی ڈھانچہ اٹھارہ سو فلانے اور انیس سو فلاں کے 'ہیسٹنگ' اور 'کلائیو' جیسوں کے ایکٹ ہیں) نے بتایا کہ اسلامی نظریاتی کونسل کو یہ حق ہی حاصل نہیں کہ وہ بیٹھ کر کسی فلم کو 'ریویو' کرے۔

اسلامی نظریاتی کونسل تب کسی معاملے کو دیکھ سکتی ہے جب صدرِ مملکت یا پارلیمان یا صوبوں کے گورنر کسی معاملے میں ان سے رائے طلب کریں۔ اس کے علاوہ اگر کوئی 'اسلامی' سفارشات ہوں تو وہ بھی اسلامی نظریاتی کونسل کو اجازت ہے کہ وہ پارلیمان وغیرہ کو بھیج سکے اور بس!
اس عرصے میں اسلامی نظریاتی کونسل جو اپنے اختیار سے بڑھ کر اس پر 'رائے' دے رہی تھی اس کے چیئرمین صاحب کو بھی خط لکھا گیا اور انہوں نے بھی اس بات کی تائید کی کہ یہ معاملہ کونسل کی حدِ اختیار سے آگے کا ہے اور وہ اس ایشو سے پیچھے ہٹ گئے!
ویسے بھی جس اسلامی نظریاتی کونسل کی ناک تلے غیر اللہ کا قانون نافذ ہو، طاغوت کی حکمرانی ہو، شریعت کے خلاف جنگ ہو، حدود اللہ کو پامال کرتا حقوقِ نسواں (حقِ زنا) بل ہو، سودی نظامِ معیشت ہو؛ تو اس کے سامنے جب اتنے تماشے چل رہے ہوں تو ایک 'زندگی تماشا' بھی چل جانے سے کیا ہو گا!!

مصری مفتیٔ اعظم کا فرمان

مفتیٔ اعظم مصر نے فرمان جاری کیا ہے کہ ۳ جولائی ۲۰۱۳ء کو مصر میں آنے والا (فوجی) انقلاب اللہ کی عنایت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا (جس کے نتیجے میں محمد مرسی کو اقتدار سے الگ کیا گیا، محتاط اندازے کے مطابق چار ہزار سے زائد اہلِ دین کو مسجد رابعہ العدویہ میں قتل کیا گیا اور نتیجتاً فرعون رعمسیس کے روحانی فرزند عبد الفتاح السیسی کو صدرِ جمہوریہ بنا دیا گیا)۔
آج کے فوجی ڈکٹیٹروں، بلکہ لادین آمروں، ظالموں، سفاک قاتلوں، کفر کے اتحادیوں اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے حق میں رطب اللسان اس طرح کے سرکاری مفتیوں کو دیکھ کر جو مصر کے اس فوجی انقلاب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ اور سعودی عرب میں محمد بن سلمان کی بیعت کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کے مترادف قرار دیتے ہیں؛ آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے کہ علمائے بنی اسرائیل کس قسم کے تھے اور جن سرکاری و درباری مفتیوں نے اندلس و بغداد کی سلطنتیں ڈبونے میں کردار ادا کیا وہ کس قسم کے تھے۔
اگر اس قسم کے لوگ پچھلے زمانوں میں ہوتے تو فرعون کو 'ظل اللہ علی العالمین' اور نمرود کو 'خلیفۃ اللہ' اور 'خدا کی شکتی' قرار دے رہے ہوتے۔ اللہ ہمیں ہدایت دے اور ایسوں کے شر سے بچائے!

پب جی

اب تک کون ہے جو 'پب جی' سے واقف نہ ہو چکا ہو۔ پھر بھی عرض ہے کہ یہ ایک آن لائن گیم ہے جس میں نوجوان جتھے بنا کر 'ورچوئل' دنیا میں ایک دوسرے......

(باقی صفحہ نمبر 59 پر)

پشتون حقوق

جائزہ و حل

قاری داؤد غوری

ویسے تو مجھے ریڈیو سننے کا زیادہ شوق نہیں لیکن کیا کریں، حالات ہی کچھ ایسے ہیں کہ ریڈیو سنے بغیر چارہ نہیں...... تقریباً پانچ چھ ماہ کی بھاگ دوڑ کے بعد کچھ عرصہ آرام کرنے کا موقع ملا تو ریڈیو خریدنے کی سُوجھی۔ بازار گیا اور چینی ساخت کا ایک عدد ریڈیو خرید ڈالا۔ اب اس پر بی بی سی اردو ڈھونڈنے بیٹھا تو ہاتھ تھک گئے...... اور کان پک گئے۔ اسی چکر میں اپنے ریڈیو کو برا کہہ بیٹھا اور ایک اور ریڈیو خرید ڈالا۔ لیکن نتیجہ پھر بے سود!

ایسے میں ایک مخلص نے بتایا کہ "بی بی سی اردو، اپنی ریڈیو سروس اب فقط ایف ایم پر چلا تا ہے"۔

اب وائس آف امریکہ اردو سننے کا 'آپشن' میرے لیے 'بعید از قبول' تھا۔ کیونکہ مذکورہ ادارے کی سروس اتنی "شاندار" ہوتی ہے کہ سننے کے بعد گریوینیٹ کی گولی کھالینا بہتر ہوتا ہے[1]۔ چلیں خیر "بے چارے" وائس آف امریکہ کو "آڑے ہاتھوں لینا" کسی اور موقع پر (ان شاء اللہ)۔

اب جب یہ سب کچھ ہو گیا تو بندے کے پاس اس کے سوا کوئی 'چوائس' نہ بچی کہ وہ بغیر کسی دوسرے 'آپشن' کے فوراً پشتو میں خبریں سننا شروع کر دے۔ پہلے تو ریڈیو کی پشتو اپنے دماغ کے تین اعشاریہ سات ملی میٹر دائیں بائیں سے گزر جاتی تھی لیکن جیسے ہی سمجھ آنے لگی تو ہوش ٹھکانے آ گئے۔ جی! مجھے خطرے کی بو محسوس ہونے لگی۔

دراصل پشتو ریڈیو کے معروف سر خیل یہ پانچ سٹیشنز ہیں: 1. بی بی سی پشتو، 2. آزادی ریڈیو، 3. آشنا ریڈیو، 4. مشال ریڈیو، 5. ڈیوا ریڈیو۔

اول الذکر تین سٹیشنز افغانستان جبکہ باقی دو پاکستان کے لیے مخصوص ہیں۔

دنیا کے ہر میڈیا چینل کی دعوت کے کچھ 'مستقل موضوعات' ہوتے ہیں۔ ان موضوعات کو ایک سمجھ دار انسان کسی بھی میڈیا چینل کی چند پیشکشوں کا مشاہدہ کر کے جان جاتا ہے۔ ہم مجاہدین کے میڈیا چینلز (اعلام) کے بھی کچھ مستقل موضوعات ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر ادارہ السحاب کے کچھ 'مستقل موضوعات' یوں ہیں:

- اللہ، اس کے دین اور اس کی توحید کی طرف بلانا
- رسول اللہ ﷺ سے محبت کو اجاگر کرنا
- فریضۂ جہاد کی ادائیگی کے لیے بلانا
- ناموسِ رسالت کی حفاظت کی خاطر تن من دھن قربان کرنے کے لیے بلانا
- یہود، امریکہ اور بھارت کی امتِ مسلمہ کے خلاف سازشوں اور مظالم کو آشکارا کرنا
- عالمی نظامِ کفر، اقوام متحدہ، جمہوریت، کفری قوانین اور اس قبیل کی دیگر خرافات کا بطلان واضح کرنا
- امت کو خلافت کی اہمیت سمجھانا اور اسے قائم کرنے کے لیے بلانا
- شریعتِ اسلامیہ کے محاسن (عمدہ باتیں) واضح کرنا
- عالمی کفر کے زر خرید غلاموں (مسلم ملکوں پر مسلط حکمرانوں اور افواج) کی حقیقت امت کو دکھانا
- مجاہدین کے حالات سے امت کو باخبر رکھنا (جیسے کارروائیاں، شہدا، روز مرہ کے حالات وغیرہ کی خبریں دینا)

اسی طرح اگر میں پاکستانی میڈیا میں بی بی سی اردو، وائس آف امریکہ اور بیشتر میڈیا چینلز کی بات کروں تو ان کے موضوعات یہ ہیں:

- وحی، قرآن، حدیث، علمِ دین، علما، مدارس اور ہمارے بنیادی اسلامی عقائد میں شکوک وشبہات پیدا کرنا اور ان کو تضحیک کا نشانہ بنانا
- عالمی نظامِ کفر کی ترجمانی، اس کو مضبوط کرنا، پاکستان میں ریاستی اداروں کی 'رِٹ' کو (سیکولر مقاصد کے لیے) مضبوط کرنا
- عورت کی آزادی کے نام پر فحاشی کے پھیلاؤ کے لیے راہ ہموار کرنا
- عالمی نظامِ کفر سے بر سرِ پیکار مجاہدین "دہشت گردوں" کے خلاف پراپیگنڈا کرنا
- مسلم ممالک میں رہنے والے کافروں اور گمراہ فرقوں کو مضبوط کرنا اور ان کی پشت پناہی کرنا

شاید ان میڈیا چینلز کے کچھ اور بھی مستقل موضوعات ہوں لیکن ان تمام سے بندے کی فی الحال بحث نہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ میں نے جب پشتو ریڈیو سٹیشنز سننا شروع کیے تو ان کا 'ایک اور مستقل موضوع' بندے کے سامنے آیا، جو میرے لیے کسی دھچکے سے کم نہ تھا۔ وہ یہ کہ:

'پاکستان، اس کی حکومت، فوج، آئی ایس آئی، پاکستانی دینی طبقے اور حتیٰ کہ پاکستانی عوام کے خلاف پراپیگنڈا کرنا۔'

اس پراپیگنڈے کا اگر سادہ سے الفاظ میں خلاصہ پیش کیا جائے تو وہ یہ ہے:

[1] گریوینیٹ ابکائی روکنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔

"پاکستانی قوم خصوصاً پنجابی انتہائی مکار قوم ہے۔ پاکستان کی فوج اور آئی ایس آئی اسی پنجابیت کی عکاس ہے۔ یہ اتنے مکار ہیں کہ اپنے آقاؤں، برطانیہ اور امریکہ کو یہ بہت بڑے بڑے دھوکے دے چکے ہیں۔ اسلام سے ان کا کوئی لینا دینا نہیں اصلاً تو یہ سیکولر ہیں، مگر اپنی شر انگیزیوں کے لیے یہ مولویوں، مدرسوں اور جہادی تنظیموں کو بھی پالتے ہیں۔ یہ پشتونوں اور افغانوں کی ازل سے دشمن چلی آ رہی ہے۔ افغانستان اور پشتونوں کی سالمیت پاکستان کو ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ روس کے خلاف اسی پاکستان نے پشتون معاشرے میں انارکی پیدا کر کے یہاں کے امن کو خراب کیا۔ پھر جب افغانستان میں امن آنے لگا تو انہوں نے جہادی گروپوں کو آپس میں لڑوانا شروع کر دیا۔ اس طرح پاکستان نے اپنے مخالف جہادی گروپوں کو کمزور کر دیا۔ اس کے بعد یہ اپنے غلاموں یعنی افغان طالبان کو مضبوط کر کے افغانستان پر حکمرانی کرنے لگا۔ امریکہ دراصل ہم افغانوں کو پاکستان کے ظلم اور تسلط سے آزادی دلوانے کے لیے افغانستان آیا ہے۔ اب ظاہر سی بات ہے کہ افغانستان میں تھوڑی بہت جنگ تو ہونی تھی۔ لیکن پاکستان کی شر انگیزی یہ ہے کہ ایک طرف تو وہ امریکہ کو جنگ کرنے کے لیے آسانیاں فراہم کرتا ہے اور طالبان کو بھی اسلحہ اور پیسہ دیتا ہے، جس کے نتیجے میں جنگ طول پکڑتی ہے۔ اس طرح افغانستان مزید سے مزید تباہ ہوتا ہے۔ دوسری طرف پاکستان میں بسنے والے پشتون بالخصوص قبائل نے قریب سے پاکستان کے ظلم کا نظارہ کیا ہے جس کی وجہ سے وہ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ اس کی پاداش میں ان پشتونوں کے خلاف آپریشنز اور قتلِ عام کا بازار گرم ہے۔"

پشتو ریڈیو سٹیشنز سے صبح و شام اس 'فلسفے' کی دہائی کو سن کر (جس کے بارے میں جب بعد میں مَیں نے افغان اور پشتون عوام سے استفسار کیا تو ان کا کہنا تھا کہ 'یہ طرز تو گزشتہ اٹھارہ سال سے جاری ہے!') میرے سادہ سے ذہن میں یہ سوالات ابھرے:

1. اردو کے کسی بھی رسمی میڈیا چینل میں اس قسم کی ذرا سی بات پر 'بندے اٹھا لیے جاتے ہیں'۔ جبکہ معاملہ یہاں کیوں برعکس ہے؟
2. 'بی بی سی اردو' اور 'وائس آف امریکہ اردو' کی باگ ڈور 'ڈائریکٹ' برطانیہ اور امریکہ کے ہاتھ میں ہے۔ ان کی فوج کی حمایت کرنا روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ لیکن اگر کبھی ان چینلز سے پاکستانی فوج کے خلاف کوئی بات نشر ہو جاتی ہے تو وہ بھی مکھی کی ہلکی سی بِھن بِھن کے برابر ہی ہوتی ہے۔ جبکہ درج بالا پشتو کے تمام ریڈیو سٹیشنز کی باگ ڈور بھی امریکہ اور برطانیہ ہی کے ہاتھوں میں ہے۔ وہ پاکستان اور اس کی فوج کے خلاف کیسے اور کیوں بولتے ہیں؟ حتیٰ کہ عمومی کالرز سے پاکستان کے خلاف گالیاں سنوانے سے بھی نہیں چوکتے!؟
3. بالآخر بے چاری پاکستانی حکومت بھی تو افغان حکومت کی طرح امریکہ اور برطانیہ کی "ٹھیٹھ اتحادی" ہے۔ تو اس بے چاری کو سوتیلا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟
4. جب پشتو سٹیشنز میں کام کرنے والے صحافیوں کی بھی ایک عظیم تعداد پاکستان ہی میں رہتی ہے (مثلاً اسلام آباد، کراچی، پشاور، ڈیرہ اسماعیل خان اور وزیرستان میں) تو وہ پاکستان میں رہتے ہوئے اتنی آزادی سے پاکستان کے خلاف کیسے بول لیتے ہیں؟
5. ایک ہی صحافی جب اردو سٹیشنز سے پاکستان کے حوالے سے بات کرتا ہے، اور جب وہی صحافی پشتو سٹیشنز سے بات کرتا ہے...... تو ان دونوں 'ٹونز' میں زمین و آسمان کا فرق کیوں آ جاتا ہے؟ (مثال کے طور پر داؤد اعظمی اور خدائے نور ناصر نامی صحافیوں ہی کو لے لیجیے)

جس طرح یہ سوال سادہ سے ہیں اسی طرح ان کا جواب بھی سیدھا سادہ سا ہے، اور وہ ہے: "یہ امریکہ کی پالیسی ہے"۔ اس پالیسی کے جو کفر کو بڑے بڑے فوائد ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

1. افغانستان میں کٹھ پتلی حکومت اور افغان ملی فوج کے وجود کا جواز پیدا کیا جائے۔ جیسے ماضی میں شاہی ہندی فوج کی دو دھڑوں میں تقسیم کے بعد دونوں کو آپس میں مخالف دکھا کر پاکستانی عوام کے لیے پاکستانی فوج اور ہندوستانی عوام کے لیے بھارتی فوج کے وجود کا جواز پیدا کیا گیا (کچھ کچھ مخالفت ہے اور باقی دکھائی جاتی ہے)۔ اس طرح جب ملی افغان فوج سے پوچھا جاتا ہے کہ تم طالبان کے خلاف کفر کی مدد کیوں کرتے ہو؟ یہ تو مسلمان ہیں، ان کی شرعی حکومت کے خلاف کیوں جنگ کرتے ہو؟ تو ان کا جواب بالعموم یہی ہوتا ہے کہ "ہماری جنگ پاکستان سے ہے، چونکہ طالبان پاکستان کے ایجنٹ ہیں اور یہ ہمارے ملک کو پاکستان کے قبضے میں دینے کے لیے جنگ کر رہے ہیں اس لیے ہم ان سے برسرِ پیکار ہیں"۔ اور امریکہ کے نکل جانے کے بعد بھی اسی فلسفے کو دلیل بنا کر ایک عرصے تک طالبان کے مقابل ایک فوج کو کھڑا رکھا جا سکتا ہے۔ اس طرح امریکہ اپنے ہی دو بغل بچوں کو آپس میں دشمن ظاہر کر کے اسلام اور جہاد کے خلاف اپنے مقاصد حاصل کرتا ہے۔
2. پشتون علیحدگی پسند تحریک شروع کروا کر پاکستان کو مزید توڑا جا سکے۔ تاکہ "تقسیم کرو اور راج کرو" (Divide and Rule) پر پوری طرح عمل ہو سکے۔ جیسا کہ عالمِ کفر کی سندھی، بلوچ، گلگت بلتستان، کشمیری اور مہاجر قوم کے نام پر علیحدگی پسندوں سے ہمدردی کی صورت میں واضح ہے۔
3. پاکستان اور قبائلی عوام کے ذہنوں پر اس فلسفے کی بھرمار کر کے یہاں موجود 'شرعی جہادی بیداری' کو 'قومی لسانی جنگ' میں تبدیل کیا جا سکے۔ اس صورت میں ایک اہم خطے یعنی پاکستان میں جہاد کی جڑیں کھوکھلی کر دی جائیں۔

جہاں تک بات ہے افغانستان کی تو اس سارے فلسفے اور خطرے سے نمٹنے کے لیے نجات دہندہ کے طور پر امریکہ اور عالمِ کفر نے افغان حکومت اور ملی فوج کو کھڑا کیا۔ مگر پاکستان کے معاملے میں یہاں یہ 'یہود کی روحانی اولاد' پاکستانی مجاہدین اور طالبان کو حل اور نجات دہندہ کے طور پر

نہیں پیش کرتے (حالانکہ پاکستانی مجاہدین ایک عرصے سے پاکستانی فوج اور حکومت کے خلاف برسرپیکار ہیں)۔ کیونکہ مجاہدین کے خلاف زہر اگلنا تو ان کے ''مستقل موضوعات'' میں شامل ہے۔ تو اس سب کے لیے انہوں نے کیا کیا؟ اس کا مختصر سا جواب ہے؛ ''انتظار''۔

لیکن کس چیز کا انتظار؟

اصل میں اس چیز کا انتظار کہ جب تک پاکستان میں مجاہدین مضبوط تھے تو یہ ریڈیو سٹیشنز اس بات کا ڈھنڈورا پیٹتے رہے (یا بالفاظ دیگر 'سٹیج تیار کرتے رہے') کہ ''پشتون قوم ہر جانب سے پِس رہی ہے۔ ایک طرف پنجاب کی فوج اس کو پیس رہی ہے دوسری طرف ''ملا اور طالب'' بھی اس کام میں فوج سے کم نہیں۔''

لیکن جیسے ہی پاکستانی مجاہدین پر آزمائش کے کڑے سال شروع ہوئے (جس کا اعتراف کرنے میں ہمیں کسی قسم کی جھجک نہیں ہونی چاہیے) جس کے سبب وہ پاکستانی عوام کے سامنے منظر سے غائب ہوئے تو ان 'نامرادوں' کے ''انتظار'' کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔

راہِ راست، راہ نجات، ضربِ عضب اور رد الفساد......! اتنے ظالمانہ آپریشنز کے باوجود اگر وہ کسی کو حل کے طور پیش نہ کرتے تو ان کے کیے کرائے پر پانی پھر جاتا۔ پاکستانی قوم بالخصوص قبائلی عوام لاوے کی مانند پھٹ پڑتی!

ایسے میں کچھ قبائلی نوجوان اپنے حقوق کی خاطر سڑکوں پر نکل آئے۔ چونکہ ان نوجوانوں کا مطالبہ محض 'قومیت' کی بنا پر تھا، اس لیے پشتو کے میڈیا اداروں نے اس تحریک اور اس کی قیادت کی بھرپور حمایت شروع کر دی۔ پندرہ سولہ سال ان اداروں نے جو محنت کی تھی، اب اس کے ثمرات سمیٹنے کے لیے انھیں 'عملی آپشن' مل گیا تھا۔

اب حال یہ ہے کہ پشتون قومیت کا نعرہ لگانے والے نوجوانوں کے حق میں سارا پشتو میڈیا یک زبان ہو کر بولتا ہے۔ دنیا کے ہر معاملے پر یہ میڈیا ادارے کچھ نہ کچھ تنقید تو کرتے نظر آتے ہیں......نہیں ملتی تو پی ٹی ایم پر ایک نقد سننے کو نہیں ملتی۔

ایک انتہائی اہم بات میں عرض کر دوں کہ جب ہم کسی شخصیت یا تحریک کا تجزیہ کرتے ہیں تو بعض 'ناداں' ہماری کسی بات کو دلیل بنا کر مخالفت میں آگے بڑھتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ کوئی تکفیر تک معاملہ پہنچا دیتا ہے، اور کوئی اس سے بھی آگے۔ حالانکہ نہ یہ ہمارا مطمح نظر ہوتا ہے اور نہ مقصود۔ ہم تو یہ سمجھانا چاہ رہے ہیں کہ عالمی غنڈے ان مظلوم نوجوانوں کو کس سمت لے جانا چاہتے ہیں اور اس کے ذریعے کون کون سے فوائد سمیٹنا چاہتے ہیں اور کیا کیا مقاصد پورا کرنا چاہتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ میڈیا پر اس تحریک کی زور و شور سے تشہیر کر کے ان ''عالمی بدمعاشوں'' کے درج ذیل مقاصد پورے ہو رہے ہیں:

1. پاکستانی عوام بالخصوص پشتون قبائل میں جو لاوا پاکستانی حکمرانوں اور افواج کے خلاف ابلنے والا تھا، اسے دینی رخ سے ہٹا کر لادینی رخ پر ڈالنا، دینی نعرے کی جگہ قومیت کے نعرے پر ہی سب لوگوں کو جمع کرنا، کیونکہ جب کوئی تحریک دینی نعروں پر کھڑی ہو جاتی ہے تو وہ عالمی غنڈوں کے لیے خطرہ ہوتی ہے، جبکہ قومیت کی تحریک کو یہ عالمی غنڈے اپنے کھینچے ہوئے دائروں میں بآسانی بند کر کے اپنی مرضی کے تابع کر لیتے ہیں۔ جہاد کے جذبے سے سرشار وہ قبائلی عوام جن کے ہیرو کچھ عرصہ قبل تک حاجی میرزا علی خان (ایپی فقیر)، ملا پائندہ، سرتور فقیر، نیک محمد وزیر، بیت اللہ محسود، عبد اللہ محسود اور مفتی ولی الرحمن رحمۃ اللہ علیہم اجمعین جیسے مجاہدین تھے کہ جن کی اللہ سے محبت اور اس کے دشمنوں سے دشمنی پر ان کی زندگی شاہد ہے، ان کے مقابل ایسے لوگوں کو ان قبائلی عوام کا رہبر و رہنما بنا دیا گیا کہ جن کی دین و جہاد سے وابستگی کی سرے سے کوئی تاریخ نہیں۔ ڈیرہ اسماعیل خان کی جیل میں دو ہفتے گزارنے اور دو چار مرتبہ فلائٹس ''کینسل'' ہو جانے سے زیادہ ان کی 'قربانی'' بھی کچھ نہیں۔
2. خطۂ قبائل سے تعلق رکھنے والے وہ مجاہدین جو ایک عرصے سے اللہ اور اس کے دین کی خاطر قربانیاں دیتے چلے آ رہے ہیں، ڈرون حملوں میں اپنے جسموں کے چیتھڑے اڑوا رہے ہیں، آئی ایس آئی کے جیل خانوں میں ڈرل مشینوں سے اپنے بدن میں سوراخ کروا رہے ہیں جن کی دین اور جہاد کے راستے میں ہجرتوں، دربدریوں اور لاپتہ ہونے کی داستان رقم ہے، ان کی جدوجہد اور قربانیوں کے ثمرات بٹورنے کے لیے میدان میں اب کوئی اور موجود ہے۔
3. اس سے قبل قبائلی عوام کا جو بھی قومی مسئلہ ہوا کرتا تھا اُس کی نمائندگی مجاہدین کیا کرتے تھے، لیکن اب یہ 'سٹیرنگ' دوسرے ہاتھوں میں ہے۔
4. بہت سے نوجوان جو ایک عرصے سے جہاد کرتے چلے آ رہے تھے ان کو اس پُر امن طریقے سے جدوجہد کرنے کا جھانسہ دے کر سرنڈر کروایا گیا۔
5. ریڈیو نشریات کے اندر اس موضوع کو بڑھا چڑھا کر بیان کر کے مجاہدین کو یہ راہ سجھانے کی کوشش کی گئی کہ وہ بھی اگر کفر اور عصبیت کی قائم کردہ اصطلاحات میں بات کریں گے، اور ان کو اپنی دعوت و مقاصد میں جگہ دیں گے تو وہ بھی جم غفیر کو اپنی طرف کھینچ سکیں گے اور ان کی منزل 'قریب تر' ہو جائے گی۔

اس لیے ہم...... مجاہدین کو، پشتون قوم کو اور مجموعی طور پر ظالم پاکستانی فوج اور حکومت کے ظلم سہتے پاکستانی عوام سے کہتے ہیں کہ پاکستان کے جملہ مسائل کا حل اس سہ نکاتی ایجنڈے میں ہے:

1. اپنے آپ کو اللہ کے آگے سرینڈر کر دیا جائے، ہر معاملے میں دینِ اسلام کو میزان بنایا جائے، اور اسی سے پوچھا جائے کہ کیا حق ہے اور کیا ظلم ہے؟ اور مظلوم کے پاس ظلم کے رفع کا راستہ کیا ہے؟
2. امریکہ سمیت تمام عالمی غنڈوں اور ان کے عالمی نظام کی بالادستی سے اپنے ملک کو بچایا جائے، اور ان کے آلۂ کاروں کو ملک بدر کر دیا جائے۔
3. اللہ کی زمین پر اللہ کے نظام کو نافذ کیا جائے۔

یہ تینوں نکات ایک دوسرے سے مربوط ہیں، کسی ایک کو بھی اگر ہم نظر انداز کریں گے تو ہم اپنے آپ کو دھوکہ دینے سے زیادہ کچھ نہ کر پائیں گے۔

اس لیے سمجھنے کا نقطہ یہ ہے کہ ہم (بحیثیتِ طبقۂ مجاہدین) اس خطرے سے آگاہ رہیں۔ 'پشتون تحفظ' یا کوئی اور نام یہ ہمارے جہاد کو مضبوط کرنے یا ہماری منزل کے قریب آنے کی نشانی نہیں۔ قیامِ پاکستان کی مثال کو دیکھ لیجیے۔ دین سے مضبوطی سے چمٹے ہوئے جس طبقے نے تقریباً ڈیڑھ صدی تک بالاکوٹ سے دہلی تک اپنے خون کی ندیاں بہائیں...... ہجرتیں دیکھیں...... سولہ ہزار علما جس مقصد کی خاطر ایک شہر دہلی میں تختۂ دار پر لٹکا دیے گئے...... جس مقصد کے لیے جیلیں بھر دی گئیں...... اور جب انقلاب کا وقت آیا تو اس ساری قربانی کے ثمرات کوئی دوسرا لوٹ لے گیا؟ دراصل اُن علما اور اہلِ دین طبقے کا مسئلہ 'حقیقی مسئلہ' تھا، اُن کا 'کاز' ایک وزن رکھتا تھا۔ لیکن انگریز کو گوارا نہیں تھا کہ اہلِ دین طبقے کا مقصد حاصل ہو سکے (یعنی لا الہ الا اللہ کی حکومت قائم ہو)۔ اس کی خاطر انگریز نے اپنے ہی رنگ میں رنگا ہوا ایک ٹولہ کھڑا کیا جس نے بظاہر اسی اہلِ دین طبقے سے 'ملتی جلتی' باتیں کیں۔ اور یوں سارے مجمع اور قوم کو ان سیاست دانوں کی چکنی چپڑی باتیں کسی اور کے کھاتے لے گئیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''لا يلدغ المؤمنُ من جُحْر مَرّتين.'' یعنی ''مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا''۔ (مسندِ احمد)

یاد رکھیے کہ عالمِ اسلام کے ہر محاذ کے لیے کفر کے پاس فی الحال سب سے کار آمد پالیسی یہی ہے کہ وہاں کے مجاہدین کو 'عالمی جہاد' سے کاٹ کر 'علاقائی جہاد' تک محدود کیا جائے۔ پھر ان کے خلاف کسی مقامی فوج کو کھڑا کر کے پوری دنیا میں سکون سے حکومت جاری رکھی جائے۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ اللہ اور شریعت کی خاطر جہاد کے نظریے کو مٹا کر ملک و قوم کی آزادی کے لیے مخصوص کر دیا جائے۔ یوں ان مجاہدین سے ''کچھ لو اور دو'' کر کے ان کو حریت پسند یا Freedom Fighters کے عنوان سے عالمی قوانین کے تحت 'ایڈجسٹ' کیا جا سکے۔ ایسی صورت میں وہی گروہ جس نے اللہ کے دین کی خاطر جہاد شروع کیا تھا، وہ عالمی کفر کے منصوبوں میں رکاوٹ نہیں بلکہ ممد و معاون ثابت ہو جاتا ہے۔

پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ!

اے پاکستان میں دعوت و جہاد کے میدانوں میں بر سرِ پیکار میرے محبوب مجاہد بھائیو!

اس موقع پر دشمن کی جانب سے آپ کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کی جائیں گی۔ کبھی آپ میں اہلِ غلو کو داخل کروا کر، اور کبھی 'اہل التنازل' کو، کبھی مسلکی تعصبات میں الجھا کر اور کبھی قومی تعصبات میں، کبھی باطل نظریات والے گروہوں کو بظاہر 'فتح' دلوا کر، دشمن آپ کو دوسرے اور تیسرے راستے اپنانے پر مجبور کرے گا۔

ہم مجاہدین کے کرنے کے کام یہ ہیں کہ راہِ دعوت و جہاد سے مضبوطی سے چمٹے رہیں۔ اپنے جہاد کو اللہ کے لیے خالص رکھیں۔ پاکستان کے جہاد میں در آنے والی غلطیوں کا ازالہ کریں۔ اللہ ہی کی طرف رجوع اور توبہ کریں۔ اللہ کی مدد اور نصرت آپ کے قدم چومے گی۔ واعبد ربك حتىٰ يأتيك اليقين!

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

وصلى الله على النبى محمد وعلىٰ آله و صحبه أجمعين

بقیہ: خیالات کا ماہنامچہ

کا قتل کرتے ہیں۔ بنیادی طور پر یہ گیم ایک جرائم پر مبنی گیم ہے اور اس میں عالمی لیول کے جتھے ہوتے ہیں جو عالمی غنڈوں اور قاتلوں کو خود بھی غنڈہ اور قاتل ہوتے ہوئے قتل کرتے ہیں۔ ایسی عجیب گیم ہے کہ اگر آپ اس کو چھوڑ کر چند ثانیوں کے لیے بیت الخلاء گئے یا کھانے میں لگ گئے تو مخالف آپ کو قتل کر سکتا ہے، یعنی یہ گیم رک یا pause نہیں ہو سکتی۔ اب جب کھانے اور بیت الخلاء کا امکان ختم ہے تو نماز اور دیگر عبادات کا تو سوال ہی نہیں۔

ماں باپ نے چند نوجوانوں کو اس گیم سے روکا اور پابندی عائد کی تو قلبِ پاکستان لاہور میں تین نوجوانوں نے اپنی ہی جان اس گیم کی محبت میں تلف کر ڈالی۔ پہلے کسی عاشق معشوق اور آشنا واشنا کے چکر میں مرتے مارتے تھے جو عبث ہی سہی لیکن حقیقت کی دنیا سے اس کا کوئی تعلق تو تھا، اب اس خیالی/رورچوئل دنیا کے لیے مرے جا رہے ہیں۔

تازہ اطلاع تو ہمارے پاس نہیں لیکن پرانی اطلاع یہی تھی کہ حکومتِ وقت نے اس پر کوئی پابندی عائد نہ کی تھی۔ حکومت اور اس کے اداروں (خفیہ بھی شامل ہیں) کو شاید اس قسم کے مواد اور 'تفریح' کو بلاک کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ یہ سب یہی چاہتے ہیں کہ نوجوان اسی بے مقصدیت میں الجھے رہیں، عریاں و فحش ویب سائٹیں دیکھیں، گیموں میں وقت برباد کریں اور گیمیں بھی صحت افزا یا ذہانت میں اضافہ کرنے والی نہیں، حتیٰ کہ وقت گزاری والی بھی نہیں بلکہ گرینڈ تھیفٹ آٹو سے بھی دس قدم آگے پب جی جیسی ہوں تو کوئی پابندی نہیں۔

لیکن دوسری طرف ستم ظریفی یہ ہے کہ راقم کو مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' کی مجلسِ ادارت کے ایک رکن نے بتایا کہ نوائے غزوۂ ہند کی ویب سائٹ بلاک کر دی گئی ہے۔ نوائے غزوۂ ہند جو امتِ مسلمہ کے لیے غلبۂ دین کا داعی رسالہ ہے اس کی ویب سائٹ کو بند کرنے کے لیے امریکی 'این ایس اے'، پاکستانی 'آئی ایس آئی' اور بھارتی 'را' سب ہی متفق ہیں؛ کہ غلبۂ دین کی دعوت، جہاد کی پکار اور نفاذِ شریعت کی صدا میں 'زندگی' ہے، لیکن پب جی اور لاکھوں اس قسم کی زہر آور چیزیں اس لیے چل رہی ہیں؛ کہ ان میں امتِ مسلمہ خصوصاً اور باقی ساری دنیا (بشمول اہلِ کفر) کے لیے ظاہری اور معنوی، دنیوی اور اخروی 'موت' کا سامان ہے۔

أللهم إنّا نجعلك في نحورهم ونعوذبك من شرورهم. أللهم انصر من نصر دين محمد صلى الله عليه وسلم واجعلنا منهم واخذل من خذل دين محمد صلى الله عليه وسلم ولا تجعلنا منهم، آمين يا ربّ العالمين!

کیا ہم پاکستان کے دشمن ہیں؟

قاضی ابو احمد

بہت سے لوگ، بشمول بعض ان لوگوں کے جو مجاہدین سے محبت رکھتے ہیں اور ان کے حامی ہیں، یہ سمجھتے ہیں کہ ہم مجاہدین کو پاکستان سے کچھ محبت نہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں پاکستان کے وجود سے ہی نفرت ہے اور ہم اسے نیست و نابود کر دینا چاہتے ہیں۔

ہم یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ہمارے بارے میں یہ خیال بالکل بھی درست نہیں۔ ہم ایسا کچھ نہیں چاہتے۔ اور ہم ایسا چاہ بھی کیسے سکتے ہیں کہ ہم ہی تو اس پاکستان کے حقیقی وارث ہیں۔ وہ سرزمین کہ جسے ہمارے پرکھوں نے حاصل ہی اسلام کے نام پر کیا تھا، اسلام ہی کے نام پر، اسلام ہی کی خاطر قربانیاں دی تھیں اور اسی کی خاطر ہجرت کی، جدائیوں کی، ظلم و ستم کی صعوبتیں اٹھائی تھیں۔

اگر محض زمین کے ٹکڑے کی بات کی جائے تو نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر ساری زمین ہی ہماری، ہم مسلمانوں کی ہے کہ اس زمین پر اللہ رب العزت کا دیا ہوا نظامِ شریعت اسی امت مسلمہ نے نافذ کرنا ہے اور اس زمین پر کسی کو سر اٹھا کر جینے کا حق اگر ہے تو صرف اسی کو ہے جو اپنے رب کا حقیقی غلام ہے اور حقیقی معنوں میں اس کی بندگی کرنے والا، سرِ تسلیم خم کرنے والا مسلم ہے۔

مگر محض زمین کے ٹکڑے کا حصول ہمارا مسئلہ ہی کب رہا ہے؟ بعض زمین زرخیز ہوتی ہے، بعض سیم اور تھور والی، بعض پتھریلی اور بعض ریتلی۔ زمین تو موجود ہو مگر اس میں تھوہر کے سوا کچھ نہ اگتا ہو تو ایسی زمین داری کس کام کی؟ زمین تو حاصل ہی اس لیے کی جاتی ہے کہ وہ نافع بنے، اپنے مالک کے لیے بھی اور اس زمین پر محنت کرنے والے ہاریوں، کسانوں کے لیے بھی؛ نفع اٹھائیں اس سے انسان بھی اور چوپائے بھی، چرند بھی اور پرند بھی۔ پس یہی مثال زمین کے اس ٹکڑے کی بھی ہے جسے ملک کہا جاتا ہے۔ زمین کا وہ ٹکڑا کہ جسے اسلام کی لہلہاتی فصل کے حصول کے لیے حاصل کیا گیا تھا، اسے حاصل کرتے ہی مقصدِ حصول بھلا دیا اور اس میں حاکمیتِ اسلام کی بجائے حاکمیتِ غیر اللہ کا بیج بو دیا۔ اب خواہ وہ دینی سیاسی جماعتیں ہوں یا اسلام پسند مسلمان عوام، کوئی بھی اگر یہ چاہے (بے شک اخلاصِ نیت کے ساتھ ہی) کہ غیر اللہ کی حاکمیت کا بیج تو زمین میں جوں کا توں برقرار رہے مگر اس سے شاخیں اور پھل پھول اسلام کے ہی پھوٹیں تو یہ اتنا ہی ناممکن ہے جتنا آم کی گٹھلی سے گنے کا پیدا ہونا۔

ہم مجاہدین سرزمینِ پاکستان کے خلاف نہیں ہیں، ہم اس کے درپے نہیں ہیں، بلکہ ہم تو اس کی سالمیت کے خواہاں ہیں، البتہ ہم اس میں قائم نظامِ کفر اور اس نظامِ کفر کی حفاظت اور تقویت پر مامور افراد اور اداروں کے خلاف ہیں۔ ہم اس نظامِ کفر کی بیخ کنی چاہتے ہیں جسے عرف میں نظامِ جمہوریت کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ جس نام پر یہ زمین الاٹ ہوئی تھی اسی نام کی عمارت اس زمین پر بنے اور اس عمارت کا انتظام و انصرام اور اس میں رہنے بسنے والوں کا طرزِ زندگی زمین کے مالک کی عین مرضی کا ہو۔ اس عمارت کے محافظین اسی کی حفاظت پر مامور ہوں اور اس کے مالک سے مخلص ہوں، نہ کہ اس کے دشمنوں سے مخلص اور اُن کی حفاظت پہ مامور۔

گر فقط نماز روزے حج زکوٰۃ کی ادائیگی کی آزادی مطلوب ہوتی، صرف مسلمانوں کی معاشی حالت کی بہتری مقصود ہوتی، معاشرے میں مسلمانوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جانا محض مطمحِ نظر ہوتا تو ہندوستان کے ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ رہنا ہی کیا برا تھا!! پھر مطالبہ محض اس بات کا ہوتا کہ زمین یہی رہے گی، نظام یہی کفر کا رہے گا، فقط اتنا مطلوب ہے کہ کسی بھی نظامِ جمہوریت کے تحت بسنے والے دیگر ادیان کے ماننے والوں کو ملنے والی مذہبی آزادیوں کی طرح مسلمانوں کو بھی ہر طرح کی مذہبی آزادی ملنی چاہیے، انھیں بھی ترقی اور روزگار کے حصول کے مساوی مواقع ملنے چاہیے ہیں، انھیں بھی معاشرے کا اول درجے کا شہری سمجھا جانا چاہیے اور بس۔ مگر ایسا نہ تھا۔ برصغیر میں بسنے والے مسلمانوں کی سیاسی قیادت کا منصب سنبھالنے والوں کے پیشِ نظر جو کچھ بھی تھا، مگر عام مسلمان کے نزدیک علیحدہ وطن کے حصول کا مقصد فقط ایک تھا کہ وہاں اسلام کا نظام نافذ ہو گا، وہ نظام جو اللہ رب العزت نے اپنے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے نافذ کروا کر دکھایا اور جسے خلفائے راشدین نے تقویت و ترقی دی اور جس کے خواب امت مسلمہ کا فرد فرد دیکھتا ہے۔

ہم نے پاکستان حاصل کیا اور دعویٰ کیا کہ ہم اسے اسلام کا قلعہ بنائیں گے۔ مگر ہم نے اس کے قیام کے پہلے دن سے اسلام کو پس پشت ڈالا اور وطنیت کے بت کو گلے لگایا، گویا

> مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
> تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور

اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، جن کے نام پر یہ وطن حاصل کیا تھا، انھوں نے تو نفسِ زمین سے محبت کرنا نہیں سکھایا تھا، بلکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس کے برخلاف نہ صرف اپنے محبوب وطن، بلکہ ایسی سرزمین سے جس میں اللہ رب العزت کا گھر ہے سے اللہ ہی کی خاطر ہجرت کر کے دکھائی اور پھر دوبارہ کبھی بھی اس کو مسکن بنانے کا نہ سوچا۔ ہم نے اپنے نبی کا اسوہ چھوڑ دیا۔ ہم اس زمین سے چمٹ کر رہ گئے اور اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات سے روگردانی کی اور یہ سمجھا کہ یوں یہ زمین بھی ہماری رہے گی، دنیا بھی ہم سے راضی رہے گی اور دنیا میں ترقی کے دروازے بھی ہمارے لیے وا ہو جائیں گے۔ ہم پر تو تہمت ہے کہ ہمیں پاکستان سے محبت نہیں، مگر اس سے محبت کا دعویٰ کرنے والوں نے کیا کیا؟ دعوے تو کیے زمین سے محبت کے مگر عملاً کیا کیا اور کیا ہوا؟ ہوا یہ کہ قیامِ پاکستان کے محض چوبیس سال بعد ہی

پاکستان دولخت کر دیا گیا۔ زمین سے یہ کیسی محبت تھی جس نے زمین کو دو ٹکڑے کرنا گوارا کر لیا؟ اپنے وطنی بھائیوں سے یہ کیسی محبت تھی کہ جس نے اپنے ہی بھائیوں کے گلے کاٹنے پر مجبور کیا؟ محبت تو وہ ہوتی ہے کہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ، کفر پر قائم اپنے سگے اسیر بھائی بارے اپنے ساتھی صحابی سے کہتے ہیں کہ اسے ذرا کس کر باندھنا، اس کی ماں بہت مال دار ہے، اس کا اچھا فدیہ دے گی۔ اور محبت تو وہ ہوتی ہے کہ جو ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو اپنے سگے باپ ابوسفیان (جو اس وقت مسلمان نہ ہوئے تھے) کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھنے نہیں دیتی، اور محبت تو وہ ہوتی ہے جو بلال حبشی، صہیب رومی اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم کو ایک ہی صف میں ایک ہی جھنڈے تلے لا کھڑا کرتی ہے اور محبت وہ ہوتی ہے جو حجاز تا عراق تمام کی تمام زمین کو ایک امیر المومنین کے تحت اس طرح جوڑ دیتی ہے کہ مکہ میں بسنے والے کا دل شام میں بسنے والے مسلمانوں کے لیے تڑپتا ہے اور خراسان میں بسنے والے فلسطین کے مسلمانوں کی حفاظت کی خاطر جان کی بازی لگا دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ اور ایسا جب ہوتا ہے جب مملکت کی زمینی سرحدوں کی حفاظت سے پہلے اس کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کی جائے۔ نظریہ ایک ہو تو گورے کالے کا فرق کوئی معنی نہیں رکھتا، مشرقی اور مغربی پاکستان میں بسنے والے ایک ہوتے ہیں، فقط مسلم ان کی پہچان ہوتی ہے، لیکن جب آپ نے پہلے ہی قدم پر نظریے کو بالائے طاق رکھ چھوڑا تو پھر جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کیسے ہو سکتی تھی؟ لہٰذا وہ بھی پامال ہو کر رہیں۔

پھر باقی بچ جانے والے پاکستان میں رہنے والے مسلمانوں کو کیا ملا؟ افسوس تو اس بات کا ہے کہ عام مسلمان کو تو یہاں وہ تک بھی نہ مل سکا جو کسی بھی ملک کے شہری کا بنیادی حق ہے۔ آج قیامِ پاکستان کو ستر سال سے زائد گزر چکے ہیں اور حال یہ ہے کہ یہاں کے مسلمان روٹی پانی تک کو ترس گئے ہیں۔ بے روزگاری ہے تو وہ ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتی ہی چلی جاتی ہے اور یوں خطِ غربت سے نیچے زندگی گزارنے والوں کی تعداد بھی۔ صحت کی سہولیات یا ناپید ہیں یا عوام کی استطاعت سے باہر۔ مہنگائی اس قدر بڑھ چکی ہے کہ متوسط طبقہ کے لیے اپنی سفید پوشی کا بھرم قائم رکھنا تک مشکل ہو گیا ہے۔ ملک میں گندم کی بھرپور پیداوار کے باوجود عام شہری کے لیے آٹا یا ناپید ہے یا نہایت مہنگا ہے۔ آٹا، چینی، دالیں، چاول، سبزی، گھی...... یہ سب تو بنیادی ضروریات ہیں اور یہی عام شہری کی استطاعت سے باہر ہیں؛ دودھ، پھل، گوشت، مرغی کی تو بات ہی کیا۔ مسلمانوں کی اپنی زمین پر غیر تو مراعات یافتہ ہیں (ان کے تو ایک ایک گردوارے پر مسلمان عوام کے خون پسینے سے کشید کیے اربوں روپے قربان ہیں اور ابھی اسلام آباد میں ہندوؤں کے مندر کی تعمیر کے لیے دس کروڑ کی گرانٹ) جب کہ دوسری طرف مسلمان ہی اس پاکستان میں سب سے دبا اور پسا ہوا طبقہ ہیں، اور وہی ہیں کہ جن کی مساجد و مدارس کے درپے ہر آنے والی حکومت ہے۔ پاکستان میں بسنے والے مسلمانوں کی مذہبی آزادی بھی محض فرض عبادات کی ادائیگی تک ہی محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ اس میں بھی دیگر اور جمعے کے اجتماعات میں لاؤڈ اسپیکر پر بیان کی ممانعت ہے، سفرِ حج کے کرائے اس قدر زیادہ ہیں کہ عام مسلمان کی پہنچ سے باہر ہیں، جہاد کی بات کرنا اور مجاہدین کی نصرت و معاونت حرام ہے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر پکڑ ہے...... ہاں اسلام کے نام پر اگر کسی چیز کو سرکاری سطح پر ترویج دی جا رہی ہے تو وہ گلیمر سے بھرپور ترکی ڈرامے ہیں اور مسلمان عوام اتنے سادہ ہیں کہ ان کی حسِ مسلمانیت کی تسکین کے لیے فقط اتنا ہی کافی ہے کہ سرکاری ٹی وی پر 'اسلامی' ڈرامہ نشر کیا جا رہا ہے۔

پاکستان میں بسنے والے مسلمانوں کی بات کی جائے یا بالعموم دنیا بھر میں بسنے والے اہلِ اسلام کی، ہمارا حال یہ ہو گیا ہے کہ ہم مسلمانوں پر باقاعدہ بے حسی اور جمود کا غلبہ ہے۔ ہم یہ تو چاہتے ہیں کہ ہم اور ہمارے متعلقین، ہمارے بیوی بچے ایک آرام دہ، پر آسائش زندگی گزاریں، اچھی تعلیم، بہترین روزگار، صحت کی بہترین سہولیات تک ہماری بلا رکاوٹ رسائی ہو اور ہمارا ملک ترقی پذیر کی فہرست سے نکل کر ترقی یافتہ کی فہرست میں شامل ہو جائے مگر اس پورے منصوبہ میں اسلام کہیں بھی نہیں ہے، حتیٰ کہ ہمارے بعض اہلِ دین کے قائدین بھی بس 'خوشحال پاکستان' کے پیچھے بھاگ رہے ہیں اور ٹرک کی اس بتی کے پیچھے پوری قوم کو بھگا رہے ہیں۔ اسلام کو ہم نے دل و ذہن کے کسی تاریک گوشے میں سلا دیا ہے۔ اپنی تاریخ سے ہم واقف نہیں، قرآن و حدیث کا علم ہم حاصل نہیں کرتے، اہلِ حق علما سے تعلق ہم جوڑتے نہیں، کیوں؟ محض اس وجہ سے کہ کہیں ہمارے اندر سویا ہوا مسلمان جاگ نہ اٹھے اور اگر وہ کہیں جاگ گیا تو وہ کب ہمیں اپنی موجودہ زندگی پر مطمئن رہنے دے گا؟ وہ تو اٹھ کھڑا ہونے کی بات کرے گا، وہ تو دین کے نفاذ کی بات کرے گا، وہ تو تعمیر سے پہلے تخریب کے مراحل سے گزرنے کی تحریض دے گا اور وہ بہر حال ہماری موجودہ زندگی کے پر سکون دریا میں تلاطم پیدا کر دے گا۔ نفس ہے تو وہ یہ سجھاتا ہے کہ تم اپنے دین کے نفاذ کے لیے اٹھے بھی تو کیا کر لو گے؟ محض تمہارا نکلنا کیا فائدہ دے گا؟ تمہاری اپنی اور تمہارے گھر والوں کی زندگی تو مزید مشکلات میں گھر جائے گی مگر کیا تمھیں اپنی زندگی میں اپنی آنکھوں کے سامنے شریعت کی سربلندی اور نفاذِ شریعت کے ثمرات کا اپنا خواب سچ ہوتا دکھائی دے گا؟ کیا تم وہ امن اور مساوات پا سکو گے جو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور کا خاصہ تھا؟ یقیناً اس منزل تک پہنچنے کے لیے بہت وقت لگے گا، لہٰذا تم یوں کرو کہ اپنی موجودہ حالت کو بہتر بنانے کی کوشش کرو اور بس۔ اس سے زیادہ سوچنا تمہارا کام نہیں۔ حالانکہ بقول اقبالؒ

تو سمجھتا ہے یہ ساماں ہے دل آزاری کا
امتحاں ہے ترے ایثار کا، خودداری کا

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اسلام کے اولین مخاطبین، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی اگر یہی سب کچھ سوچا ہوتا اور نفس کے انھی تقاضوں پر عمل کیا ہوتا تو اسلام مکی دور سے بھی آگے نہ چلا ہوتا۔ مگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو، قرآن کی تعلیمات کو دانتوں سے تھاما اور پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اس رستے میں حمزہ بن عبد المطلب بھی ہیں اور مصعب بن عمیر بھی، ابو عبیدہ بن جراح بھی اور معاذ بن جبل بھی، جعفر بن ابی طالب بھی ہیں اور سعد بن معاذ

بھی...... رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ پھر کیا یہ رستہ محض خون کی قربانی دے کر طے کیا گیا اور مزید کسی قسم کی قربانی اس رستے نے نہیں مانگی؟ نہیں! بلکہ اس رستے میں شعب ابی طالب بھی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا گھیراؤ بھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کی قیمت بھی لگتی ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھروں سے لہولہان بھی کیا جاتا ہے، عین میدانِ جنگ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم زخمی بھی ہوتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک سر پر اونٹ کی اوجھڑی بھی رکھی جاتی ہے، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی جھوٹی خبر پر کی جانے والی موت پر بیعت بھی ہے تو عین پکی فصلوں کے موسم میں غزوۂ تبوک بھی اور پھر احزاب کے حملوں سے دفاع کے لیے فاقوں کی حالت میں خندق کھودنا بھی...... یہ رستہ تو ہے ہی ایسا کہ اللہ کے حکم پر انسان کے تن من دھن یعنی جان، نفسانی خواہشات، محبت کے رشتوں، گھر بار اور مال سب کی قربانی مانگتا ہے، تب کہیں جا کر وہ منزل آتی ہے کہ جہاں ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک تنہا سفر کرتا ہے اور اسے ایک اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہوتا۔ لیکن ہم میں سے ہر شخص اگر خود غرض بن جائے اور اجتماعی مقاصد کی خاطر سوچنا چھوڑ دے تو پھر

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذبِ باہم جو نہیں محفل انجم بھی نہیں

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اور آپ اپنے اپنے ذاتی مفادات پس پشت ڈالتے ہوئے اپنی امت کی فلاح کا سوچیں۔ ہم یہ تو سوچیں کہ ہم نے پاکستان حاصل کرنے کے بعد اس کا جو حشر کیا تو اس کے بعد ہندوستان میں بسنے والے مسلمان کس طرح یہ حوصلہ کریں گے کہ وہ اپنے دین کی خاطر اٹھ کھڑے ہوں؟ آج ہم ان کی حالتِ زار پر ترس کھاتے ہیں مگر محض ترس کھانا اور ہمدردی کے چند بول انھیں کیا فائدہ دے سکتے ہیں؟ ہاں اگر آج ہم اپنی نظریاتی سرحدوں کی مضبوطی پر توجہ دیں، اپنے گھروں کو، اپنے معاشرے کو، اپنے ملک کو اسلام کا قلعہ بنانے کی کوشش کریں تو ہم ہندوستان میں بسنے والے اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے ایک مضبوط پناہ گاہ کا کردار ادا کر سکتے ہیں، ہم انھیں ان کی موجودہ حالتِ کسمپرسی سے باہر نکالنے میں اور اسلام کے لیے ان کی جدوجہد میں ان کے معاون و مددگار بن سکتے ہیں اور انھیں یہ سمجھا سکتے ہیں کہ یہ اسلام ہی ہے جس کی وجہ سے مسلمان کی عزت ہے، گر اسلام کو چھوڑا تو نہ مسلماں باقی رہے گا اور نہ ہی اس کی عزت۔

اسی طرح کشمیر میں بسنے والے اپنے مسلمان بھائیوں کو بھی ہمارا یہی پیغام ہے کہ آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ وطن پرستی اور قوم پرستی نے مسلمانوں کو ہمیشہ ذلیل و خوار ہی کیا ہے۔ آپ آج اپنی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ ضروری ہے کہ آپ کا فہم درست ہو، آپ یہ جان لیں کہ محض زمین کی آزادی تب تک آپ کے لیے بارآور نہیں ہو سکتی جب تک اس کی پشت پر ایک مضبوط نظریہ، اسلام کا، توحید کا نظریہ نہ ہو۔ امارت اسلامیہ افغانستان کی مثال آج ہم سب کے سامنے ہے۔ محض توحید کی قوت اور شریعت کی برکات کے سہارے بلند کیے گئے عَلَمِ جہاد کے ذریعے اللہ رب العزت نے انھیں ایسی عزت اور عظمت سے نوازا ہے کہ کفر کے ایوان انگشت بدنداں اور لرزہ براندام ہیں۔

پس پاکستان کی سرزمین سے ہمیں محبت ہے، اور اسی محبت کی وجہ سے ہم اس سرزمین میں بنیادوں تک پیوست نظامِ کفر کے ناسور کو جڑ سے اکھیڑنا چاہتے ہیں۔ ہم اس سرزمین کو حقیقتاً اسلام کا قلعہ دیکھنا چاہتے ہیں؛ ایسا قلعہ کہ امت مسلمہ کے ہر فرد کے لیے جو پناہ گاہ ہو اور پوری امت کے مسلمانوں کے لیے جو مینارۂ نور بنے اور یہیں سے وہ لشکر نکلیں جو ہندوستان کے حکمرانوں کو بیڑیوں میں جکڑ کر لائیں گے اور ہندوستان کے مسلمانوں کو ان ظالم حکمرانوں کے ظلم و جور سے نجات دلائیں گے۔ پس اے ہمارے دلوں میں بسنے والے ہمارے محبوب اہل پاکستان! اس حقیقت کو پہچانیے کہ ہماری اور آپ کی قوت، شوکت، عزت اور عظمت کا راز توحید میں پنہاں ہے، اللہ رب العزت کے دین، اس کی شریعت پر عمل، اس کی دعوت اور اسی کے لیے جدوجہد میں پوشیدہ ہے۔ گر یہ راز آپ نے اور ہم نے پالیا تو پھر ایک پاکستان کیا، پوری دنیا کی ہر سرزمین ہی ہماری ہے۔

بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے، تو مصطفوی ہے

ہم کبھی مسجدِ اقصیٰ کو تنہا نہ چھوڑیں گے!

”ہم اللہ سبحانہ کے فضل و کرم سے پچھلے تیس سالوں سے اپنے ہتھیار کندھوں پر اٹھائے شرق و غرب میں باطل کفری قوتوں کے خلاف برسرپیکار ہیں اور الحمد للہ اس سارے عرصے میں ہمارے ساتھیوں میں ایک بھی خودکشی کا واقعہ پیش نہیں آیا۔ یہ تمہارے لیے ہمارے نظریے کی سچائی اور ہمارے مقصد کی حقانیت کی دلیل ہے۔ ہم ان شاء اللہ اپنی ارض مقدس کو آزاد کرانے کے راستے پر رواں دواں ہیں، صبر ہمارا ہتھیار ہے اور ہم اپنے اللہ سے نصرت طلب کرتے ہیں اور ہم کبھی مسجدِ اقصیٰ کو تنہا نہیں چھوڑیں گے کیونکہ فلسطین ہمیں اپنی جانوں سے بڑھ کر عزیز ہے سو تم جتنا چاہو جنگ کو طول دو لیکن اللہ کی قسم ہم اس پر ذرہ برابر بھی سمجھوتہ نہیں کریں گے۔“

(محسنِ امت فضیلۃ الشیخ اسامہ بن لادن شہید رحمہ اللہ)

دو پاکستان

عامر سلیم خان (سابقہ آفیسر پاکستان آرمڈ فورسز)

رات کے تقریباً ساڑھے دس بج چکے تھے۔ ہم نے دعوت کھا کر اپنے رشتے دار میزبان سے اجازت لی اور گاڑی میں بیٹھ کر گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ گھر تقریباً آدھے گھنٹے کے فاصلے پر تھا۔ بارش بہت تیز برس رہی تھی، گرمیوں کی بارش اکثر تیز ہوا کرتی ہے۔ ہمیشہ کی طرح گاڑی والد صاحب ڈرائیو کر رہے تھے اور میں ان کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ یہ ہمارے علاقے میں رواج سا ہے کہ گاڑی بڑے ہی چلاتے ہیں، ہاں جب بڑے بہت بڑے (بوڑھے) ہو جائیں تو پھر وہ یہ سیٹ چھوڑ دیتے ہیں۔

میں بھی بہت عرصے بعد گھر چھٹیوں پر گیا ہوا تھا۔ والد صاحب بھی بہت عرصے بعد رات کے اس وقت سفر کر رہے تھے کہ پاکستان میں اور خصوصاً ہمارے علاقے میں جہاں ہر طرف فوج تھی اب امن کی وہ حالت نہیں تھی جو کبھی ہوا کرتی تھی، اس لیے ہم علاقے کے رات کے وقت کے سکیورٹی انتظامات سے مکمل واقف نہیں تھے۔ اوپر سے تیز موسلا دھار بارش کہ صحیح سے کچھ نظر ہی نہیں آرہا تھا۔ ایسے میں والد صاحب نے ایک عارضی سی چیک پوسٹ کو کراس کیا، جس کی سڑک پر کوئی نشانی وغیرہ موجود نہیں تھی؛ بس ایک فوجی اہلکار سڑک کے کنارے کھڑا تھا۔ فوجی اہلکار نے ٹارچ سے لائٹ ماری اور والد صاحب نے گاڑی فوراً روک دی۔ گیئر شافٹ کو ریورس (reverse) میں ڈالا اور پیچھے ہونے لگے۔ اہلکار کے قریب جا کر گاڑی روک دی۔ گاڑی چیک پوسٹ کوئی دس قدم بھی آگے نہیں گئی تھی کہ واپس ہو گئی۔

یہاں سے پاک فوج کے ساتھ ایک سول پاکستانی اور ایک فوجی پاکستانی کا معاملہ شروع ہوتا ہے۔ ڈیوٹی پر مامور اہلکار لانس نائیک رینک کا تھا۔ اس نے ڈرائیور سیٹ کی طرف آکر والد صاحب کو ایسے تیز آواز میں ڈانٹنا شروع کر دیا جیسا کہ فوج میں کوئی سینئر اپنے جونیئر کو ڈانٹتا ہے۔ مجھے آج بھی اس فوجی کے الفاظ صحیح طرح یاد ہیں۔ سب سے پہلے اس نے چیخ کر کہا:

"اندھے ہو کیا؟

نظر نہیں آرہا تمہیں کہ یہ چیک پوسٹ ہے؟

اتار کے کان پکڑواؤں تمہیں؟"

والد صاحب نے جواب دیا:

"بھائی بارش ہے نظر نہیں آیا اور یہاں کون سی ایسی نشانی ہے کہ یہ چیک پوسٹ معلوم ہو؟ اور تو اور جب آپ نے لائٹ آن کی، ٹارچ ماری تو ہم رکے اور حاضر ہو گئے۔"

نائیک صاحب کو جب سویلین کی طرف سے جواب ملا تو وہ اور آگ بگولہ ہو گئے۔ کہنے لگے:

"غلطی اور اوپر سے reasoning (حجت بازی) بھی کر رہے ہو......وہ بھی ایک فوجی کے ساتھ...... تمہاری یہ اوقات......"

مجھے والد صاحب نے بہت پہلے سے منع کر رکھا تھا کہ اپنا سروس کارڈ، سروس کے علاقوں سے باہر کبھی کسی کو نہیں دکھانا اور سروس علاقے سے سروس یونیفارم میں بھی نہیں نکلنا، حالات ٹھیک نہیں۔ بہر حال یہ معاملہ میرے لیے اتنا سنگین تھا کہ مجھ سے رہا نہیں گیا اور کسی بھی پاکستانی، کسی بھی مسلمان کے سامنے اس کے والد کے ساتھ ایسا سلوک، ایسا رویہ رکھا جائے، اس کی اولاد کیسے برداشت کر سکتی ہے؟

میں نے اہلکار کو اپنی طرف بلایا۔ سروس کارڈ دکھایا اور اپنا تعارف کروایا۔ بس یہاں سے دوسری قسم کا رویہ شروع ہو گیا۔ لانس نائیک نے زوردار سیلوٹ جھاڑا اور:

"سر! Sorry۔ مجھے پتہ نہیں تھا کہ آپ سروس پرسنیل (Service Personnel) ہیں...... آپ پ پ پپ...... سر آپ جاسکتے ہیں...... میں نے تھوڑا ڈانٹا بھی......"

آخر ہم بھی ان ہی میں سے تھے، تو میں بھی برس پڑا:

"تمہیں تمیز نہیں ہے بڑوں سے کیسے بات کرتے ہیں؟"

لیکن والد صاحب نے جلدی سے درمیان میں آکر اس کی جان بخشی کرا دی اور ہم گھر کی طرف چل دیے۔ ایک گاڑی میں دو پاکستانیوں کے ساتھ دو مختلف رویے۔ خیر اس وقت میں نے اس طرف اتنا دھیان نہیں دیا، ظاہر سی بات ہے کون اس بات سے خوش نہیں ہوتا کہ اس کو privilege دیا جائے۔

لیکن ان دو پاکستانیوں کے ساتھ کیا گیا الگ الگ سلوک تب میری سمجھ میں آیا جب ایک کرنل صاحب کی اہلیہ کی ویڈیو سوشل میڈیا پر مشہور ہوئی۔ خبر ملی کہ ایک لیفٹیننٹ کرنل کی بیوی نے ہزارہ ایکسپریس وے پر ایک سی پیک کے پولیس اہلکار اور سابقہ نائب صوبیدار کی کسی روڈ بیریئر پر بہت بے عزتی کی ہے اور یہ سب کچھ اس نے اس لیے کیا کہ اس کے مطابق وہ کرنل کی بیوی ہے۔ جی ہاں لیفٹیننٹ کرنل فاروق ایف ایف کی بیوی۔ جس پولیس اہلکار کی بے عزتی ہو رہی ہے وہ کچھ نہیں کر رہا، یہاں تک کہ جب کرنل کی اہلیہ یہ سب کچھ (بیریئر ہٹانا

وغیرہ) کر رہی ہوتی ہے تب (اتفاق سے) دیانت دار پولیس اہلکار کہتا ہے میں آپ کو ہاتھ نہیں لگا سکتا آپ غیر محرم ہیں جبکہ دوسری طرف کرنل صاحب کی بیوی گالیاں دینے تک سے گریز نہیں کرتی۔ خاتون کرنل یہ سب کچھ کر کے نکل جاتی ہے صحیح سلامت اور دوسری طرف عوام کی گاڑیوں کی لائن لگی ہے اس انتظار میں کہ کب ایکسپریس وے پر ان بلڈی سویلینز (فوج کے مطابق) کو اجازت ملے گی اور یہ جائیں گے۔ ایکسپریس وے، پولیس اہلکار اور کرنل کی بیوی کا یہ واقعہ پڑھنے کے بعد آیئے ایک اور پاکستانی خاتون کا حال ایک اور ہائی وے پر پولیس والوں کے ساتھ ملاحظہ کرتے ہیں۔

ساہیوال کا علاقہ۔ ہائی وے پر گاڑی کھڑی ہے۔ آگے دو مرد گولیاں لگنے کی وجہ سے خون میں رنگے ہوئے اس دنیا سے کوچ کر گئے ہیں۔ پچھلی سیٹ پر ایک خاتون جس کو پتہ نہیں کیوں کچھ بہادر پولیس والوں نے اپنی گولیوں کا نشانہ بنا کر انتہائی بے دردی کے ساتھ شہید کیا ہے۔

یہ عام شہری نہتے ہیں، غیر مسلح ہیں، پاکستان کے وسط میں ہیں، بھاگیں گے بھی تو کہاں ؟ نہ انہیں روکا، نہ انہیں پوچھا، نہ ہی معصوم بچوں اور خاتون کا خیال رکھا...... بس گولیوں کی بوچھاڑ ! کیوں؟ وہاں بھی ایک خاتون تھی، لیکن یہ رویہ کیوں ؟ اس لیے کیونکہ یہ دوسرا پاکستان ہے۔

ایک پاکستان ان کا ہے جس میں صفائی اور سہولیات سے آراستہ جدید قسم کے رہائشی علاقے ہیں، اچھے سٹینڈرڈ کے سکول و کالج ہیں، یونیورسٹیاں اور معیاری ہسپتال ہیں، اچھی سڑکیں اور پختہ گلیاں ہیں، ہوائی جہاز اور ریل گاڑی کے واؤچرز ہیں، جم خانوں کی فری ممبر شپیں ہیں، مکان ہیں، پلاٹ ہیں، اچھا کیریئر اور روشن مستقبل ہے، پنشن ہے اور سب سے بڑھ کر دوسرے پاکستان والوں پر حاکمیت، فوقیت اور برتری ہے۔ یہاں تک کہ اس پاکستان میں کوئی قانون کی دھجیاں اڑا دے تو بھی مسئلہ نہیں ہے (کرنل کی اہلیہ ہی کو دیکھ لیجیے اور یہ بھی کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے)، یہاں تک کہ آئین سے بھی کوئی غداری کرے، اس پر ثابت ہو جائے، اسے سزا بھی سنا دی جائے تب بھی وہ محفوظ ہے، کسی مائی کے لال میں جرأت نہیں کہ مشرف کا بال بھی بیکا کر سکے۔ اسے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ وہ پہلے پاکستان سے تعلق رکھتا ہے۔

جہاں تک دوسرے پاکستان کی بات ہے تو وہ میں کیا بیان کروں بس دوسرے پاکستان کے شہریوں کو خود ہی احساس کرنا چاہیے کہ ان کا کیا حال ہے۔ وہ اگر اس ملک کے لیے ایٹم بم بھی بنا دیں تب بھی بے چارے غدّار کہلائیں گے اور پابندی کی زندگی گزاریں گے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر پاکستانی اس حالت سے نکلنے کے لیے سنجیدگی سے غور و فکر کرے اور اس عظیم مقصد کی طرف قدم اٹھانے کا فیصلہ کرے جس کے لیے یہ ملک بنایا گیا تھا یعنی پاکستان کا مطلب کیا "لا الٰہ الا اللہ"۔ ہاں یہ مقصد کہ ہمارے ملک میں اسی ایک اللہ کا نظام ہو گا نہ کہ کسی اور "الٰہ" کا۔ اگر یہ نظام آئے گا تو پھر تاریخ گواہ ہے کہ خلیفۃ المسلمین سیدنا عمرؓ سے بھری مسجد میں، خطبے کے دوران پوچھا جاتا ہے کہ ہم سب کو تو ایک چادر ملی ہے آپ کے تن پر دوسری چادر کس کی ہے؟

پھر امیر المومنین عمر ثالث بت شکن ملا عمر کی والدہ بھی قندھار کے ایک ہسپتال میں قطار میں کھڑے ہو کر اپنی باری کا انتظار کرتی ہیں۔ پھر امیر المومنین شیخ ہبۃ اللہ اخوندزادہ کا بیٹا باقی عوام سے پہلے دین و ملت کی آزادی کے لیے شہید ہوتا ہے۔

فیصلہ کیجیے کہ آپ کو کیسا اور کون سا پاکستان چاہیے؟

پاکستان کو 'آزاد' کروانے کی ضرورت ہے!

"جب پاکستان وجود میں آیا تھا تو اس وقت کا نعرہ یہی تھا کہ 'پاکستان کا مقصد کیا، لا الٰہ الا اللہ'۔ لوگوں کو اس نعرے پر (حکمرانوں نے) ورغلایا اور دھوکے میں ڈالا...... میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ پاکستان پر قبضہ کیا گیا ہے، آزاد نہیں کرایا گیا۔

۱۵ اگست کو انڈیا آزاد ہوا اور پاکستان پر 'پاکستان کا مقصد کیا، لا الٰہ الا اللہ' کے نام پر قبضہ کیا گیا۔ جن لوگوں نے اِس کے لیے قربانیاں دی تھیں، انہوں نے صدقِ دل سے اس کے لیے قربانیاں دی تھیں، جنہوں نے ہجرتیں کی تھیں، اللہ تعالیٰ ان کی ہجرتوں کو قبول کرے، انہوں نے صدقِ دل سے اسلام کے نفاذ اور شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں میں اپنی بقیہ زندگی گزارنے کا ایک عزم رکھا تھا۔ مگر ان کو مایوسی کے سوا کچھ نہیں ملا۔ ان شہیدوں کے خون کی کوئی لاج نہیں رکھی گئی۔ تو میں تو سمجھتا ہوں کہ ان کی ناقدری کرنے اور ان کی بد دعاؤں کے سبب ہے کہ آج پوری دنیا میں پاکستان کی تذلیل ہو رہی ہے...... بھیک مانگتا پھر رہا ہے۔

یہاں کے تمام مسائل کا حل اسلامی نظام میں ہے۔ اگر پاکستان میں اسلام ہو تو تمام مسائل حل ہوں گے۔ اور اسلام میں جغرافیائی حدود کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اس میں پاکستان، افغانستان اور 'فلانستان' کی کوئی گنجائش نہیں ہے!"

(شہید مولانا مفتی ولی الرحمٰن محسود رحمہ اللہ)

ایل جی ایس واقعات......علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی!

اُمِ عمار

حال ہی میں لاہور کے نجی سکول کے اساتذہ اور عملے کی جانب سے طالبات کو جنسی طور پر ہراساں کرنے کے جو واقعات سامنے آئے ہیں وہ یقیناً کسی بھی مسلمان کا سر شرم سے جھکا دینے کے لیے کافی ہیں۔ بہنیں بیٹیاں سب کی سانجھی ہوتی ہیں، لہٰذا ان کا دکھ درد بھی سانجھا ہی ہوتا ہے۔ ہمیں بھی اس قسم کے واقعات پر بہت دکھ اور تکلیف پہنچی ہے اور ہم بھی تہہ دل سے اس قسم کے واقعات کا سدّباب چاہتے ہیں۔ مگر کیا محض دکھ، تکلیف، ہمدردی اور چند افراد کا نوکری سے نکال دیے جانا ہی اس مسئلے کا حل ہے؟ کیا محض چند افراد کی فکر و عمل کی گمراہی ان واقعات کا واحد محرک ہے؟ کیا سکول کی انتظامیہ اور والدین کلیتاً بری الذمہ ہیں؟ کیا خود طالبات پر کسی قسم کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی؟ ہمارا پاکستانی معاشرہ جس ڈگر پر جارہا ہے، کیا اس سانچے کی تبدیلی کی بھی فکر ہونی چاہیے؟ حکومت، میڈیا، والدین، اساتذہ، علمائے دین اور طلبہ و طالبات ان سب کی کیا ذمہ داری بنتی ہے؟ یہ ایک غور طلب موضوع ہے۔ آیئے ان واقعات اور انھی جیسے چند دیگر واقعات کی روشنی میں ان کی وجوہات، اصلاح اور ان کے سدّباب کے لیے اپنے کرنے کے کاموں کی جانب کچھ توجہ دیتے ہیں۔

سب سے پہلے تو اس بات کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ ہم حصولِ علم اور تعلیم و تعلّم کے خلاف ہر گز نہیں ہیں کہ ہمارے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کو اسی علم کی بنا پر تو مسجودِ ملائک بنایا گیا۔ اللہ رب العزت نے اپنے تمام انبیا کو اہل دنیا کو کتاب و حکمت کی تعلیم دینے ہی کے لیے مبعوث فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نا صرف اپنے صحابہ کو کتاب و حکمت کی تعلیم دی بلکہ انھیں دیگر علوم کے سیکھنے پر تحریض بھی دی اور بعض مواقع پر ضرورت اور بعض مخصوص صحابہ کی صلاحیت کو دیکھتے ہوئے انھیں دیگر علوم سیکھنے کا حکم بھی فرمایا، جیسا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عبرانی زبان سیکھنے کا حکم فرمایا۔ لہٰذا ہم، جو اپنے رب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع کی دعوت لے کر اٹھے ہیں تاکہ اپنے رب کو راضی کر سکیں اور اس کی زمین پر اسی کا عطا کردہ نظام نافذ کر سکیں، کیوں کر علم اور تعلیم کی مخالفت کر سکتے ہیں؟ ہاں یہ ضرور ہے کہ علم وہ ہونا چاہیے کہ جسے اللہ اور اس کے رسول نے علمِ نافع کہا، ایسا علم جو انسان کو اپنے رب سے بے گانہ نہ کر دے بلکہ اس کی معرفت عطا کرے، ایسا علم جو فقط دنیا کمانے اور شہرت کی بلندیوں پر پہنچانے کا ذریعہ نہ ہو بلکہ وہ دنیا و آخرت کے سنوارنے اور دائمی فوز و فلاح کے حصول کا ذریعہ بنے۔

دورِ حاضر میں عصری تعلیمی ادارے جس نہج پر چل رہے ہیں اور ان سے جو پراڈکٹ بر آمد ہو رہی ہے، افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اپنے دین سے نابلد بلکہ بے زار، مغربیت سے مرعوب اور اسی کے رنگ میں رنگی مادر پدر آزاد یہ مخلوق کم از کم وہ نہیں جو اللہ اور اس کے رسول کو مطلوب ہے۔ مذکورہ سکول ان اداروں میں سے ہے کہ جن میں قوم کا اَپر مڈل، اَپر و ایلیٹ طبقہ ہی اپنے بچوں کو بھیجنے کی استطاعت رکھتا ہے۔ کئی شہروں میں اس کی شاخیں ہیں اور بعض شاخوں کے حوالے سے تو یہ تک مشہور ہے کہ ان میں قدامت پسند گھرانے ہی اپنے بچوں کو بھیجتے ہیں۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ اس سکول میں عمومی طور پر مخلوط تعلیمی نظام نہیں ہے مگر طرفہ تماشا یہ کہ یہ واقعات لاہور شہر میں موجود اس سکول کی محض طالبات کے لیے مخصوص شاخوں کے حوالے سے ہی سامنے آئے ہیں اور مذکورہ شاخوں کی شہرت بہر حال ویسی ہی ہے جس قسم کی خبریں ان کے بارے میں میڈیا پر اب سامنے آئی ہیں۔ کم و بیش یہی حال تمام جدید تعلیمی اداروں کا ہے۔ یہاں ضمناً یہ بھی عرض کرنا چاہوں گی کہ نجی تعلیمی اداروں میں طالبات کے لیے تو پھر بھی علیحدہ شاخوں کا اہتمام کیا جاتا ہے مگر طلبہ کے لیے یہ انتظام تقریباً ناپید ہے۔ گویا طلبہ کو تو نہ نگاہ کی حفاظت کی ضرورت ہے اور نہ ہی اختلاطِ مرد و زن سے انھیں کوئی خطرہ۔ اور یہی حال پروفیشنل تعلیمی اداروں کا بھی ہے۔

یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ کسی بھی تعلیمی ادارے کے معیار کا اندازہ معاشرے میں اس ادارے سے فارغ التحصیل طلبہ و طالبات کے مقام سے لگایا جاتا ہے۔ مذکورہ سکول سے فارغ التحصیل 'نامور' طلبہ و طالبات کی فہرست میں بیشتر بھانڈ میراثیوں (جنھیں عرف عام میں ایکٹرز، ایکٹریسز اور سنگر کہا جاتا ہے) کی ہے اور بلاشبہ یہ سکول 'بدنام جو ہوں گے تو کیا نام نہ ہو گا' کے مصداق ان پر فخر بھی کرتا ہے۔

بہر حال، اس موضوع پر بات کرتے ہوئے سب سے پہلے تو یہ مد نظر رکھنا ضروری ہے کہ اہل دین اور اسلام پسند مسلمانوں کو چھوڑتے ہوئے باقی قوم کا بیشتر حصہ پاکستان کو اسی ڈگر پر گامزن دیکھنا چاہتا ہے جس کی مثال اس قسم کے فحش واقعات ہیں۔ عورت کی شتر بے مہاری، مرد و زن کے اختلاط کی آزادی، جیسے چاہو جیو والا طرز زندگی......کیا اس قسم کے واقعات کے سوا بھی کچھ نتائج بر آمد کر سکتا ہے؟ ان واقعات میں بھی دراصل جس بات کا شور شرابا ہے وہ یہ ہے کہ طالبات کی مرضی اور رضامندی کے خلاف مقدماتِ زنا کا ارتکاب کیا گیا۔ اگر یہی عمل طالبات کی اپنی رضامندی سے ہوتا، اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اکثر اوقات ایسے واقعات دو طرفہ رضامندی کی بنا پر ہی ظہور پذیر ہوتے ہیں، اور بعد ازاں کسی خفگی اور ناراضگی، پسند ناپسند کا معیار بدل جانے، بہتر سے بہتر کی تلاش میں 'تو نہیں اور سہی' یا 'حد سے گزر جانے کے اندیشے کے تحت' ان کی بازگشت سنائی دینا شروع ہوتی ہے۔ پھر ایسے موضوعات پر دین پسند طبقے کی جانب سے اگر آواز اٹھائی جاتی ہے تو اسے عورت کی آزادی پر قد غن تصور کیا جاتا ہے اور پورے ملک میں اس کے خلاف ایسا واویلا ہوتا ہے کہ اہل دین کو سر چھپانے تک کی جگہ نہیں ملتی۔ آزادیٔ نسواں کے علم برداروں کے یہاں اگر چودہ پندرہ سال کی لڑکی کی شادی اس

کے والدین اپنی مرضی سے کر دیں تو وہ تو 'حرام' ہے، مگر اسی عمر کی لڑکی اگر زنا بالرضا یا مقدمات زنا میں ملوث ہو تو نا صرف یہ کہ اس کی پکڑ نہیں ہونی چاہیے بلکہ اسے پوری پوری (غیر) اخلاقی اور قانونی حمایت بھی حاصل ہونی چاہیے۔

یہ واقعات طالبات کی مرضی سے رونما ہوئے یا اس کے خلاف، ہر دو صورت میں سب سے پہلی ذمہ داری طالبات کے والدین پر عائد ہوتی ہے؛ بلکہ بقول وفاقی وزیر تعلیم کہ ہمیں تو لڑکوں کے تعلیمی اداروں سے بھی اسی قسم کے واقعات رپورٹ ہو رہے ہیں، لہٰذا طلبہ و طالبات کے والدین پر اس بات کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ دیکھیے جب بھی کسی لڑکے یا لڑکی کے ساتھ کوئی فحش اور نازیبا حرکت کی جاتی ہے تو یقیناً بچے کی ذہنی حالت اس سے متاثر ہوتی ہے۔ پھر اگر ایسا عمل بار بار دہرایا جا رہا ہو تو یہ ہو نہیں سکتا کہ اس طالب یا طالبہ کی ذہنی یکسوئی متاثر ہونے کی وجہ سے اس کا تعلیمی گراف اور اس کا معاشرتی رویہ یعنی لوگوں کے ساتھ گھلنا ملنا اور اس کا اعتماد متاثر نہ ہو۔ والدین اگر اپنے بچوں کی شخصیت اور ان کے روزمرہ امور کا بغور مشاہدہ کرنے والے ہوں اور انھیں شیر کی آنکھ سے دیکھنے والے ہوں تو اس قسم کی تبدیلی کبھی بھی ان سے چھپی نہیں رہ سکتی۔ والدین کی ذمہ داری صرف اتنی تو نہیں ہے کہ وہ لاکھوں روپیہ خرچ کر کے اپنی اولاد کو ان اداروں کے حوالے کر دیں اور خود بے نیاز ہو جائیں۔ جب آپ نے بچے کو ایسے ادارے میں بھیجا جہاں ہر قسم کی غلاظت دیکھنے، سننے اور اس میں عملاً شریک ہونے کی کھلی اجازت ہے، جب آپ نے اسے انٹرنیٹ تک کھلی اور بلا روک ٹوک رسائی دے دی، جب آپ کو یہ نہیں معلوم کہ آپ کا بچہ یا بچی کس کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے اور اس کے دوست، سہیلیاں اور اساتذہ کس قسم کے ہیں تو اس کے بعد جب آپ کو اخبارات اور سوشل میڈیا کے ذریعے اپنے بچوں اور ان کے سکولوں اور اساتذہ کے بارے میں ایسی خبریں ملیں تو حیران اور پریشان ہونے اور کسی اور کو ان واقعات کا ذمہ دار ٹھہرانے کا بھی آپ کو حق نہیں پہنچتا۔

پھر اگلی بات یہ کہ مذکورہ اشخاص کئی سال سے اس قسم کی حرکتوں کا ارتکاب کر رہے تھے، لہٰذا یہ بات بعید از قیاس ہے کہ سکول کی انتظامیہ ان افراد کے غلیظ کردار اور ان کی نازیبا حرکتوں سے کسی نہ کسی درجے میں واقف نہ ہو۔ بالخصوص تب جبکہ طالبات کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے سکول کی انتظامیہ کو متوجہ کرنے کی کوشش کی مگر ان کی ایک نہ سنی گئی۔ پاکستان کے نجی تعلیمی ادارے جتنی بھاری بھرکم فیسیں وصول کرتے ہیں تو کیا اس کے بعد ان پر یہ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی کہ وہ اپنے اداروں میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ و طالبات، اساتذہ اور دیگر عملے کے اخلاق و کردار اور افعال کی جانچ پڑتال اور محاسبے کا بھی کوئی مؤثر نظام وضع کریں؟ میٹھا میٹھا ہپ اور کڑوا کڑوا تھو کی طرح جب آپ کے ادارے کے طلبہ و طالبات تعلیمی میدان میں نمایاں کامیابی حاصل کریں تو سارا کریڈٹ آپ سمیٹ لے جائیں اور جب کوئی سکینڈل سامنے آئے تو اسے طلبہ و طالبات کی ذمہ داری قرار دے کر اس سے بری الذمہ ہو جائیں!!! شرعی نقطۂ نظر کو ایک طرف بھی رکھ دیجیے تو کیا اخلاقاً بھی ان تعلیمی اداروں کے مالکان اور انتظامیہ پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی؟ پھر یہ بات ذہن میں رہے کہ پاکستان کے بیشتر ایلیٹ سکولوں کے مالکان وہی یا ان کے متعلقین ہی ہیں جنھیں ہم حکومتی ایوانوں میں گردش کرتا پاتے ہیں۔ گویا اگر یہ کہا جائے کہ ریاستی سرپرستی میں ہی اس قسم کے گھناؤنے واقعات رونما ہو رہے ہیں تو کچھ غلط بھی نہ ہو گا۔

والدین اور سکول کی انتظامیہ اگر ان واقعات کے ذمہ دار ہیں تو طالبات کو بھی اس ذمہ داری سے کلیتاً بری قرار نہیں دیا جا سکتا۔ تیرہ، چودہ، پندرہ سال کی بچیاں بالغ ہوتی ہیں اور اپنا اچھا برا کم از کم اس حد تک ضرور جانتی ہیں کہ مہذب اور فحش لباس و حرکات میں فرق کر سکیں۔ ہمارے معاشرے میں یہ سوچ بہت حد تک پختہ ہو چکی ہے کہ عورت چاہے جس حلیے میں بھی گھر سے باہر نکلے، مرد اسے تب تک نظر اٹھا کر نہ دیکھے جب تک وہ خود نہ چاہے۔ یونیفارم پہننے والی طالبات کے سفید یونیفارم صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں کی عملی مثال ہیں تو بعض اداروں میں او اور اے لیولز کی طالبات کے لیے تو یونیفارم کی پابندی بھی نہیں ہے۔ لہٰذا جب طالبات ایسے چست، باریک اور نامکمل لباس پہنیں گی اور مرد اساتذہ اور عملے کے سامنے بھی اعتماد کے نام پر اپنی شوخیوں، شرارتوں کا اظہار کریں گی اور پھر سوشل میڈیا پر ہر ایک کے ساتھ بے باک تعلق رکھیں گی تو پھر وہی ہو گا جو ہو رہا ہے۔ کوئی عورت کتنی ہی لادین کیوں نہ ہو، اللہ رب العزت نے اس کے اندر حیا پیوست کر رکھی ہے۔ بہت سی بے پردہ خواتین ایسی بھی ہوتی ہیں جن کا بظاہر دین سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا مگر ان کے لباس اور اندازِ نشست و برخاست میں تہذیب اور شائستگی نمایاں ہوتی ہے اور اسی بنا پر صنف مخالف کا کوئی فرد ان کی طرف دیکھنے تک کی جرأت نہیں کر سکتا۔ یہ کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ایسی بے پردگی کی حمایت کرتے ہیں، بلکہ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ عورت کا وجود ہی حیا سے عبارت ہے، اِلّا یہ کہ وہ خود اسے کچل ڈالے۔

مذکورہ واقعات میں اساتذہ کی جانب سے طالبات کے خلاف یہ رویہ سامنے آیا، جب کہ تقریباً دو ڈھائی ماہ قبل سوشل میڈیا پر طلبہ و طالبات کی جانب سے اساتذہ کے خلاف میمز[1] سامنے آئیں جن میں سے بعض خواتین اساتذہ کی انتہائی ذاتی اور نازیبا تصاویر پر مبنی تھیں۔ اصل بات یہ ہے کہ نہ اساتذہ کے دل و ذہن میں یہ ہے کہ وہ کس پیشے سے وابستہ ہیں، فقط پیسے بنانا اور وقت گزاری کرنا ان کا مقصد ہے اور نہ ہی طلبہ و طالبات حصولِ تعلیم کا مقصد اپنی دنیا و آخرت کی اصلاح سمجھتے ہیں۔ طرفین ایک دوسرے کے اس طرح مدمقابل ہیں گویا ہر دو کا مقام برابر ہے۔ پس اساتذہ اگر پستیوں میں گرے نظر آتے ہیں تو طلبہ و طالبات بھی ان سے پیچھے رہنے

[1] memes: وہ پوسٹرز جن میں کسی ایشو یا شخص کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور عموماً ان پوسٹرز کو پھیلانے کے لیے سوشل میڈیا وغیرہ کا استعمال کیا جاتا ہے۔

والے نہیں ہیں۔ پس یہ جیسے کو تیسا والی بات ہے۔ جیسا ہمارا نظام تعلیم ہے، ویسے ہی تعلیمی ادارے اور ویسے ہی اس میں درس و تدریس کے فرائض انجام دینے والے اور ویسے ہی طلبہ و طالبات۔ جس طرح جمہوریت کے شجرِ خبیثہ سے صرف شر اور فساد کا کڑوا پھل ہی پیدا ہو سکتا ہے اسی طرح جدید طرزِ تعلیم سے بھی الحاد اور لادینیت، فحاشی و عریانی کے سوا کیا برآمد ہو سکتا ہے؟

پھر یہ مسائل محض فحش کاری تک ہی محدود نہیں ہیں۔ بالخصوص اس سکول اور بالعموم جدید تعلیمی اداروں کی اگر بات کی جائے، الّا ماشاءاللہ، تو طلبہ و طالبات، خصوصاً طالبات کا نشے کا عادی بن جانا بھی یہاں عام ہے۔ اسی سکول سے اے لیولز کرنے والی ایک طالبہ نے آنکھوں دیکھا واقعہ سنایا کہ ایل جی ایس گرلز سکول کیمپس کے کامن روم میں اے لیولز کی ہم دو طالبات نماز ادا کر رہی تھیں کہ دورانِ نماز ہمیں دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور ساتھ ہی پورے کمرے میں سگریٹ کی شدید بدبو پھیل گئی۔ نماز مکمل کرنے کے بعد پلٹ کر جو دیکھا تو اسی سکول کی تین طالبات بیٹھی ہوئی تھیں، جن میں سے ایک علانیہ سگریٹ پی رہی تھی اور دوسری (کسی نشے کے زیرِ اثر) تقریباً مدہوش تھی اور گری جاتی تھی۔ طالبات کا سرِ عام سموکنگ کرنا اور اسی مدہوش حالت میں کلاسز اٹینڈ کرنا کیا اساتذہ اور سکول کی انتظامیہ سے پوشیدہ رہ سکتا ہے؟ اور جب یہ پوشیدہ نہیں رہ سکتا تو کیا اس قسم کی حرکات اور نشہ آور اشیا کے استعمال پر کسی قسم کے محاسبے کا بھی کوئی نظام ہے؟

ایک طرف تو فحاشی، عریانی اور نشے کی لعنت اور دوسری طرف یہی وہ سکول ہے کہ جب ایک باپردہ خاتون اس سکول میں نوکری کی غرض سے اور باپردہ بچیاں داخلے کے لیے گئیں تو سکول انتظامیہ نے واضح الفاظ میں کہا کہ ہم پردے والی طالبات اور سٹاف کو اپنے سکول میں جگہ نہیں دیتے۔ پاکستانی معاشرے میں، جہاں عوام کی اکثریت الحمدللہ مسلمان ہے، شعائرِ دین سے دشمنی اور دین بے زاری کی اس سے واضح مثال اور کیا ہو گی؟ نیز یہی وہ سکول ہے کہ جہاں چند سال قبل comparative religion پڑھائے جانے کی باتیں بھی سننے کو ملیں۔ ایک طرف آپ اس سکول کی شہرت اور اس میں رونما ہونے والے ان واقعات کو دیکھیں، دوسری جانب دین اور شعائرِ دین سے ان کی بے زاری ملاحظہ کریں اور تیسری طرف ادیان کا تقابلی مطالعہ پڑھائے جانے کی بات سنیں تو دو جمع دو کا جو واضح نتیجہ نکلتا نظر آتا ہے وہ الحاد پرستی کی ترویج کے سوا اور کچھ نہیں[1]۔ پھر جیسے ہم نے ذکر کیا کہ اگر بعض شہروں میں موجود اس سکول کی شاخوں کی اخلاقی شہرت اچھی بھی ہے تو بھی نظریے کے لحاظ سے تو سکول کی تمام شاخیں ایک ہی ڈگر پر گامزن ہوں گی۔ لہٰذا اقدامت پسند مسلمانوں کے بچے بھی ان سکولوں میں جا کر وہی کچھ سیکھیں گے جو سیکولر اور لادین ذہنیت رکھنے والوں کی اولادیں سیکھیں گی۔ شراب کی بوتل پر زم زم کا لیبل لگا دینے سے شراب کی حقیقت تو نہیں بدل جاتی۔

معاملہ خواہ معصوم بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی اور قتل کا ہو یا ریپ کے واقعات، صنفِ نازک کے ساتھ پیش آنے والے نازیبا واقعات ہوں یا لڑکوں کے ساتھ دست درازی...... پوری دنیا میں اس قسم کے واقعات کو اتنی کوریج دی جاتی ہے اور اس قسم کے واقعات کے سدباب کے نام پر ان کی ہر پہلو سے اتنی ترویج کی جاتی ہے (#Me too مہم اس کی ایک مثال ہے) کہ مزید کئی افراد اس تشہیر کے ذریعے ان برائیوں میں ملوث ہونے کی ترغیب سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ بھلا بتایئے تو کہ اشاعتِ فحش اور کس چڑیا کا نام ہے کہ جسے اسلام نے حرام قرار دیا ہے اور جس کے مرتکب کے لیے ذلیل کر دینے والے عذاب کی وعید سنائی ہے؛ اور حقیقت یہ ہے کہ جو اس دنیا میں اللہ کے بندوں کو ذلیل کرتا ہے اس کے لیے ذلیل کر دینے والا رسوا کن عذاب ہی مناسب ہے۔

کورونا کی وبا کی وجہ سے لوگوں کی مصروفیات محدود ہو گئی ہیں تو اب ساری قوم وقت گزاری کے لیے انٹرنیٹ پر چڑھی بیٹھی ہے اور بحیثیت مجموعی ہماری قوم کا مزاج تعمیری اور تحقیقی مصروفیات میں مشغول ہونے کا ہے نہیں لہٰذا اب یا تو گھر بھر کی لمحہ لمحہ کی ویڈیوز بنا کر اپ لوڈ کرنا رہ جاتا ہے یا لاف و گزاف کرنا اور اسے پھیلانا۔ محض ایل جی ایس اور فاسٹ یونیورسٹی ہی کی مثال لی جائے تو خبر آنے کی دیر تھی کہ وہ لوگ جنھیں نہ ان واقعات سے کوئی سروکار ہے اور نہ انھیں اس کی خبر تھی، انٹرنیٹ پر فقط بیٹھ ہی اس لیے رہے ہیں کہ متعلقہ افراد کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات اکٹھی کریں اور ان کی تشہیر کے 'کارِ خیر' میں اپنا حصہ بھی ڈالیں۔

پھر ایک تو وہ لوگ ہیں جو محض لذت اور چسکے کے لیے ان خبروں کی ٹوہ میں لگے ہیں اور دوسرا ایک طبقہ وہ بھی ہے جس کا انٹرنیٹ استعمال کرنے کا واحد مقصد ہی اشاعتِ فحش ہے۔ متعلقہ افراد کا ڈیٹا اور ان کی تصاویر اکٹھی کرنا اور پھر اسے مزید فحش طریقے سے سوشل میڈیا پر پھیلانا اور پہلے سے ہراسگی کا شکار ہونے والوں کو مزید ہراساں اور بلیک میل کرنا ہی ان کا کام ہے۔ پھر کل کو خدانخواستہ اگر انھی متعلقہ افراد میں سے کسی کے ان واقعات کی تشہیر سے دل برداشتہ ہو کر خودکشی کرنے کی خبر آ گئی تو پھر تو بارہ مسالے کی چاٹ مکمل ہو جائے گی اور ایک اور چٹخارے دار موضوع ہاتھ آ جائے گا؛ إنا لله وإنا إليه راجعون۔

یہ تو ان واقعات کے مختلف پہلوؤں کا مختصر سا جائزہ تھا، اصل بات یہ ہے کہ ان کے سدباب اور ان کی اصلاح کے لیے کیا کیا جائے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اپنے آپ کو مسلمان کہنے والے اپنے دین اسلام سے اپنا حقیقی تعلق جوڑیں؛ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا[2]؛ اور جس ایمان

[1] یہ ادیان کا تقابلی مطالعہ بھی میٹرک-انٹر/او-اے لیولز کے طلبہ و طالبات کو پڑھایا جا رہا ہے، حالانکہ دینِ جدیدیت کے علم بردار غامدی کے بھی بقول بارہ سال (یعنی انٹر لیول تک) تک بچے کو تخصص والے علوم پڑھانا درست نہیں۔

[2] سورۃ النساء: ۱۳۶؛ ترجمہ: "اے ایمان والو! ایمان لاؤ"......

اور جس اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں اسے حقیقت میں اپنا کر دکھائیں۔ اور اسلام کی حقیقت اللہ رب العزت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع کے سوا کچھ نہیں۔ اس دین کو دانتوں سے تھامیں گے تو دنیا و آخرت میں فلاح پائیں گے، بصورتِ دیگر یہ تو ہو سکتا ہے کہ اِس دنیا میں جزوی کامیابی کبھی نہ کبھی کسی درجے میں حاصل ہو ہی جائے مگر ابدی فلاح کا حصول بہر حال ناممکن ہی رہے گا۔

اپنے گھروں کے ماحول کو آزاد اور بے باک بنانے کی بجائے اسے اسلام کے ماتحت تہذیب، حیا، اخلاق اور شائستگی کو فروغ دینے والا بنائیں۔ ٹی وی، انٹرنیٹ، اخبارات و رسائل اور اشتہارات کی لعنت نے فحاشی اور عریانی کو اس قدر عام کر دیا ہے اور (ارادتاً یا بلا ارادہ) فحاشی دیکھ دیکھ کر آنکھیں اس کی اتنی عادی ہوگئی ہیں کہ دل و ذہن سے برائی و اچھائی کا فرق ہی مٹتا جارہا ہے، یہاں تک کہ محرم رشتوں کی نگاہیں بھی حیا سے عاری ہوتی جارہی ہیں۔ نتیجتاً دین دار گھرانوں تک میں ایسے واقعات سامنے آرہے ہیں کہ جہاں نہایت محترم و مقدس سمجھے جانے والے محرم رشتہ دار اپنی ہی بچیوں اور بچوں کی حرمت پامال کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

ہم عصری تعلیم کی ضرورت سے انکار ہرگز نہیں کرتے مگر نظامِ تعلیم اور تعلیمی اداروں کے مروجہ ماحول کی تائید و حمایت بہر حال نہیں کرتے۔ پس اپنے بچوں اور بچیوں کو تعلیم دلوائیں مگر اس سے پہلے انھیں دین اور حیا کے زیور سے آراستہ کر دیں اور ان کے لیے ایسے اداروں کا انتخاب کریں جہاں کا ماحول مخلوط اور مادر پدر آزاد نہ ہو اور جہاں سکول کے مالکان اور انتظامیہ اور اساتذہ کسی نہ کسی درجے میں اللہ کے دین پر کاربند ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ ایسا ادارہ خوب تر کے معیار پر پورا نہ اترتا ہو، مگر وہ آپ کے بچے کے دین کی حفاظت کے سلسلے میں شاید زیادہ معاون ثابت ہو۔

نیز والدین پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے بچوں اور بچیوں کے افعال پر، ان کے دوستوں اور سہیلیوں سے ان کے تعلقات پر، انٹرنیٹ پر ان کی مصروفیات پر، ان کی گفتگوؤں کے موضوعات پر، ان کی دل چسپیوں پر اور ان کی نصابی و غیر نصابی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھیں۔ اگر آپ کا بچہ یا بچی نشہ کر رہا ہے یا غیر اخلاقی سرگرمیوں میں ملوث ہے تو آپ کو اس کی گفتگو اور اس کے طور طریقوں میں واضح تبدیلی نظر آئے گی۔ اس تبدیلی کو نظر انداز نہ کیجیے بلکہ اس کے اسباب تلاش کیجیے۔ نیز اپنے بچوں کو اتنا اعتماد دیجیے کہ وہ کسی بھی نامناسب واقعے یا بات کا تذکرہ بروقت آپ سے کر سکیں۔

اپنے بچوں کو وقت دیجیے، ان کی بات ان سنی نہ کیجیے بلکہ ان سے باتیں کیجیے اور سنیے کہ وہ کس قسم کی باتیں کرتے ہیں اور کس طرح کے قصے سناتے ہیں۔ اپنے آپ کو اپنے رب اور قرآن سے جوڑیے، اسلامی تعلیمات سے جوڑیے، ایسے حق پرست حلقوں سے اپنے آپ کو جوڑیے جو آپ کو اپنے رب سے قریب تر کر دیں، خود کو ایسی کمیونٹی کا حصہ بنانے کی کوشش کیجیے جو اصلاح کی ان کوششوں میں آپ کا ہاتھ قوی کرنے والی بن جائے۔ اپنے اندر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا کیجیے اور اسے اپنی اولاد کے اندر تک اتاریے۔

جن والدین کے بچے ابھی چھوٹے ہیں ان کے ہاتھ میں بہت کچھ ابھی باقی ہے، البتہ جن کے بچے بالغ ہو چکے ہیں انھیں بھی مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ اللہ رب العزت کا در ہر ایک کے لیے کھلا ہے، پس محبت اور دل سوزی کے ساتھ ایسے وقت میں نصیحت کہ جب دل نرم ہوا نظر آئے، تعمیری مصروفیات میں انھیں غیر محسوس طریقے سے شامل کرنا، معاشرتی میل جول اور انٹرنیٹ کے استعمال پر کسی نہ کسی درجے میں پابندی اور محاسبہ اور اللہ رب العزت کے حضور عاجزی کے ساتھ دعا، وہ نکات ہیں کہ جن پر توجہ دینے سے اصلاح کی امید ہے۔ اللہ رب العزت ہم سب کو، خواہ خواتین ہوں یا مرد، اور ہماری نسلوں کو باحیا اور متقی بنادے اور ہمیں مکمل طور پر اسلام کے سانچے میں ڈھلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

سبحانك اللّهم وبحمدك نشهد أن لا إله إلا أنت نستغفرك ونتوب إليك!

☆☆☆☆☆

جنگ، جھوٹ اور ہیش ٹیگز

ایک مختصر مطالعاتی جائزہ

سیلاب خان

جون ۲۰۲۰ء میں الجزیرہ انگلش پر فلم ڈائریکٹر 'ہشام کبیر چیمہ' کی ایک دستاویزی فلم 'War, Lies & Hashtags' نشر ہوئی۔ سوشل میڈیا پر بھی یہ فلم تبصروں اور تجزیوں کا موضوع رہی اور روایتی میڈیا پر بھی اس کی کچھ کچھ بازگشت سنائی دی۔[1]

اس دستاویزی فلم کو ہم ایک مطالعاتی جائزے کے طور پر لیتے ہیں۔ یہ فلم پاکستان میں اس وقت قائم نظام و اندازِ حکومت کی عکاس ہے؛ وہ حکومت جس کا ایک جزو تو ظاہری طور پر سویلین حکومت ہے جس کا چہرہ 'عمران خان' ہے، جبکہ اس کا اصلی رخ وہ ہے جس کے بارے میں معروف ادیب و مزاح نگار 'انور مقصود' نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

"جو نظامِ ملکی چلا رہا ہے، وہ باجوہ ہے......
دکھائی بھی جو نہ دے، نظر بھی جو آ رہا ہے......وہ باجوہ ہے!"

یہ فلم بنیادی طور پر فروری ۲۰۱۹ء میں انڈیا کے پاکستان پر کیے گئے فضائی حملے کے حوالے سے سوشل میڈیا پر چلنے والی خبروں اور ٹرینڈز کے حوالے سے ہے۔ یہ فلم بتاتی ہے کہ اس زمانے میں بیشتر خبریں اور ٹرینڈز من گھڑت تھے، بلکہ جھوٹ اور دجل پر قائم تھے اور آج بھی دیگر تمام معاملات میں بھی حکومت و فوج کو اچھا دکھانے کے لیے اسی طرح کے جھوٹ، دھوکے اور یاوا گوئی کا سہارا لیا جا رہا ہے۔

اس مطالعاتی جائزے میں ہم درج ذیل نقاط کو مخاطب (address) کرنے کی کوشش کریں گے:

- سوشل میڈیا کا کردار (ٹرولنگ، جھوٹ، جعلی اکاؤنٹس وغیرہ)
- سیاسی پارٹیوں کے سوشل میڈیا سیل
- تحریکِ انصاف اور فوج کا گٹھ جوڑ
- روایتی میڈیا میں موجود افراد کی اصلیت
- قومی مفاد
- ضعیف الاعتقادی
- سازشی نظریات
- فوج کی چمچہ گیری

اس وقت پاکستان میں ایک ایسی حکومت قائم ہے جس کے بارے میں اس حکومت کا سربراہ عمران خان خود کہہ چکا ہے کہ "پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار، حکومت اور فوج ایک پیج پر ہیں"۔ ابھی چند دن قبل جاری کردہ شیخ رشید کا بیان بہت ہی واضح ہے، جس میں اس نے کہا "عمران خان وقت کی ضرورت ہے، پاک فوج، پاک فوج کے ادارے......جمہوریت کے لیے، سربلندی کے لیے اس سسٹم کے ساتھ کھڑے ہیں"۔ پاکستان کی اپوزیشن پارٹیاں بھلے یہ بات اب دہرائیں یا نہ دہرائیں لیکن یہ حقیقت ہر چڑھتے سورج کے ساتھ واضح ہوتی جا رہی ہے کہ شاید تاریخ کی بدترین دھاندلی کے نتیجے میں عمران خان کی حکومت قائم ہوئی، بلکہ شاید دھاندلی کی ضرورت بھی اس بار پیش نہ آئی، سیدھا سیدھا 'سلیکٹ' کر لیا گیا اور 'منتخب' نمائندوں، وزیروں سے لے کر ٹیکنوکریٹ و فوجی وزیروں اور مشیروں تک سب ہی باجوہ ڈاکٹرائن کا حصہ ہیں۔

اس فلم کا مرکزی کردار فرحان وِرک ہے، جو پیشے کے اعتبار سے ڈاکٹر ہے، سیالکوٹ سے اس کا تعلق ہے اور اس دستاویزی فلم میں سپورٹنگ کیریکٹر اس کی بیوی کا ہے۔ یہ دونوں میاں بیوی سوشل میڈیا ایکٹوسٹ رہے ہیں، بلکہ ان کی اپنی اصطلاح میں ان کو ٹرول / troll (لفظی مطلب 'چکرباز') یا spammer کہنا زیادہ بہتر ہو گا۔ فرحان وِرک ٹوئٹر پر اپنے ابلاغی مقاصد کے لیے ایک ٹیم رکھتا تھا جس کا نام 'ٹیم آئی کے'[2] تھا اور اس کی بیوی 'ٹیم گرین' کے نام سے کام کرتی تھی۔ بقول ان کے اپنے ان کی ٹیم میں سو سے ڈیڑھ سو فعال سوشل میڈیا کارکنان کام کرتے تھے۔

دینی و شرعی نقطۂ نظر کے سوا دیکھا جائے تو دنیا کے بہت سے تجزیہ کاروں کے مطابق سوشل میڈیا ایک ایسی چیز ہو سکتی تھی جس کا معاشرے پر مثبت اثر پڑتا اور لوگوں تک معلومات زیادہ خالص صورت میں پہنچ پاتیں (کسی درجے میں یہ بات اب بھی درست ہے)۔ لیکن یہ حقیقت اب ہر سطح پر واضح ہو چکی ہے کہ سوشل میڈیا بھی اسی کارپوریٹ دنیا کا اہم حصہ اور محض پراپیگنڈا کا ایک آلہ ہے۔ اس میں سب سے اہم اعتراف 'سوشل میڈیا دیو (social media giant)'، فیس بک کے مالک 'مارک زکربرگ' کا ہے جس نے تقریباً تین سال پہلے فیس بک کے صارفین سے اس بات پر معافی مانگی تھی کہ 'فیس بک پر چلنے والے ٹرینڈز قدرتی نہیں تھے،

---

[1] بنیادی طور پر سوشل میڈیا پر جو بھی زبان استعمال کی جاتی ہے اس میں انگریزی کی آمیزش حد درجہ زیادہ ہے۔ پاکستان میں 'اُردِش' استعمال ہوتی ہے تو عالَمِ عرب میں استعمال کی جانے والی زبان 'عرَبِش' ہے۔ اس لیے اس تحریر میں انگریزی کے متعدد الفاظ و اصطلاحات استعمال کیے گئے ہیں۔ خالص زبان بولنے والے اور اردو دان طبقے کی سہولت کے لیے بعض الفاظ و اصطلاحات کا ترجمہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، البتہ بہر صورت ہم اپنی 'اُردش' پر معذرت خواہ ہیں۔

[2] TeamIK یعنی ٹیم عمران خان۔

بلکہ فیس بک انتظامیہ کے خیال میں جن ٹرینڈز کو ٹاپ ٹرینڈز ہونا چاہیے تھا، ان ٹرینڈز یا عنوانات کو ٹاپ ٹرینڈ دکھایا جاتا تھا'[1]۔

یہ فلم واضح کرتی ہے کہ ریاستی اداروں، فوج اور حکومت سے لے کر اس فوج کی چمچہ گیری کرنے والوں تک، سب ہی لوگوں کے یہاں ایک نام نہاد 'قومی مفاد' ہے، جس کی خاطر 'ظلمت کو ضیا'، 'صر صر کو صبا' اور 'بندے کو خدا' کہنا سب جائز ہے۔ جب فروری ۲۰۱۹ء میں انڈین ایئر فورس نے پاکستان کے علاقے بالاکوٹ پر حملہ کیا تو فرحان ورک یہ ٹرینڈ چلاتا رہا کہ 'ہندوستان نے نہایت بزدلانہ کارروائی کرتے ہوئے (حالانکہ انڈین ایئر فورس کے جہازوں نے تقریباً پاکستانی حدود میں اکیاسی (۸۱) کلو میٹر تک اندر داخل ہو کر بم گرائے[2]) ہماری شجر کاری مہم کو نشانہ بنایا ہے اور یہ صوبہ خیبر پختونخوا کی تحصیل بالاکوٹ پر حملہ نہیں کیا گیا بلکہ بارڈر کے ایک چھوٹے سے گاؤں بالاکوٹ پر بمباری کی گئی ہے'۔ حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی۔ اس خبر کے علاوہ سیکڑوں اور جھوٹی باتیں ہیں جو اس قسم کے لوگ چلاتے رہے۔ یہ شخص اس بات پر فخر کرتا ہے (بالکل جس طرح پاکستانی جرنیل اپنے حلف نامے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سیاست میں مداخلت اور پارٹیاں بنانے اور توڑنے پر فخر کرتے ہیں) کہ مجھے troll یا چکر باز سمجھا جاتا ہے۔ یہ شخص سوشل میڈیا پر خبروں اور حالات کو 'قومی مفاد' کے تحت ہیر پھیر کر پیش کرنے اور جھوٹ کو سچ بنا کر پیش کرنے کے متعلق کہتا ہے:

> ''میرا نظریہ 'قومی مفاد' ہے۔ میرا خیال ہے کہ جہاں قومی مفاد سامنے آجائے تو وہ ہر چیز سے زیادہ اہم ہو جاتا ہے اور قومی مفاد کے تحفظ میں اگر آپ کوئی ایسی بات کر جاتے ہیں جو کہ 'سچ نہ بھی ہو'، لیکن لوگوں کو ایک مثبت انداز میں متاثر کرتی ہو تو میں اسے پراپیگنڈا نہیں گردانتا!''

جب کہ پراپیگنڈا کی تو ایک تعریف ہی یہ ہے کہ 'معلومات کا ایسا ہیر پھیر جس سے وہ عوامی رائے پر اثر انداز ہو سکے'، خواہ مثبت طریقے سے ہو یا منفی طریقے سے۔ دروغ گوئی اور دھوکہ بازی کی انتہا یہ ہے کہ فرحان ورک کو اپنے والد سے بات کرتے دکھایا جاتا ہے جس میں وہ صاحب استفہامیہ انداز میں پوچھتے ہیں کہ واقعی یہ بالاکوٹ کوئی گاؤں ہے؟ اور جواباً فرحان ورک اپنے والد صاحب کو بھی اسی ڈھیٹ پنے کے ساتھ اوپر بیان کردہ بالاکوٹی چورن بیچ دیتا ہے۔

فرحان ورک کی بیوی بھی بالکل اسی طرح کی سوچ رکھتی ہے اور اس کی ٹیم گرین جو ٹرینڈز چلاتی رہی ہے، جو جو جھوٹ پھیلاتی رہی ہے، انڈیا کے بارے میں جو پراپیگنڈا کرتی رہی ہے اور پاک فوج کے بارے میں حقیقت کے برعکس بلند و بانگ دعوے سوشل میڈیا پر چلاتی رہی، یہ اس پر فخر کرتی ہے۔ کہتی ہے:

> ''لوگ ہمیں army troll سمجھتے ہیں جبکہ ہم نہیں ہیں، مگر ہمارے لیے آرمی کے troll کہلانا بڑے فخر کی بات ہے۔''

پھر اپنے جھوٹ بولنے کے متعلق کہتی ہے:

> ''(ہم ہر قسم کے میڈیا پر) اتنا جھوٹ بولتے ہیں کہ وہ سچ لگنے لگتا ہے......''

آج یہی جھوٹ بولنے، چلانے اور اس پر فخر کرنے والی عورت مین سٹریم میڈیا کا حصہ ہے، دھندا وہی ہے بس سٹیج بدل گیا ہے اور یہی پاکستان کے مین سٹریم میڈیا کی حقیقت ہے جو باجوہ ڈاکٹرائن کے مطابق چل رہا ہے۔ باجوہ حکومت میں میڈیا کی آزادی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ پرویز مشرف جیسے ڈکٹیٹر کے زمانے میں جن صحافیوں کو آزادئ اظہار کی اجازت تھی آج وہ بھی میڈیا پر نہیں آسکتے؛ طلعت حسین، مطیع اللہ جان، رؤف کلاسرا، نصرت جاوید سے لے کر مبشر لقمان جیسوں کو بھی بات کی اجازت نہیں!

جس طرح ماضی میں جنگوں کے لیے پاک فوج گانے اور ڈرامے بناتی تھی، آج اس کام کے لیے سوشل میڈیا کو استعمال کیا جاتا ہے۔ ہم انتہائی دکھ سے اس بات کا اظہار کر رہے ہیں کہ سنہ ۴۸ء، ۶۵ء، ۷۱ء اور ۹۹ء کی جنگوں اور نشانِ حیدروں کا جو غوغا ہم سنتے ہیں وہ بس منہ کے فائر ہی ہیں، کل تک میڈم نور جہاں کے سُر اس فوج کا سرمایہ تھے جبکہ آج نیلم منیر کے رقص، عامر لیاقت کے ڈرامے (خبری بھی اور فلمی بھی)، ڈی جے آئی ایس پی آر کی پرفارمنس اور فرحان ورکوں کے 'چکر' سے اپنی ہی قوم کو دھوکہ دیا جا رہا ہے۔

فرحان ورک نے اپنے سوشل میڈیا کیریئر کا آغاز 'ڈاکٹر عبد القدیر خان صاحب' کے ایک جعلی اکاؤنٹ سے کیا۔ اس اکاؤنٹ سے بھی جھوٹ، دھمکیاں اور جعلی سوشل میڈیا ٹرینڈز چلائے جاتے تھے۔ جعلی اکاؤنٹس کا ایسا دھندا تھا کہ فرحان ورک نے اپنی بیوی کو نکاح کے موقع پر تحفے میں ٹوئٹر کا ایک اکاؤنٹ تحفے میں دیا جس پر 'دو لاکھ' فالوورز تھے۔ سوشل میڈیا استعمال کرنے والے جانتے ہیں پاکستان میں ٹوئٹر پر دو لاکھ فالوورز بہت بڑی چیز ہے کہ پاکستان میں

---

[1] قدرتی ٹرینڈ اس کو کہتے ہیں جہاں لوگ خود کسی موضوع پر زیادہ بات کر رہے ہوں، جبکہ فیس بک انتظامیہ پیسوں اور حکومتی و نظیلی جنس مقاصد کے لیے خود سے کسی ایسے موضوع کو ٹاپ ٹرینڈ دکھاتی تھی جو اصلاً ٹرینڈ نہیں کر رہا ہوتا تھا (اور معافی کے بعد اس بات کی کوئی ضمانت نہیں کہ اب نہیں کرتی)۔

[2] ہم ہندوستان کے اس حملے پر خوش نہیں ہو رہے، بلکہ ہم ہی تو اصلاً ہندوستان اور اس کے مفادات کے دشمن ہیں اور ہم ہی اس لشکر کے سپاہی ہیں جس نے غزوۂ ہند کی صورت میں ہندوستان کو تاراج کرنا ہے۔ یہاں صرف ایک حقیقت/fact واضح کرنا مقصود ہے، ہاں افواجِ پاکستان کی بے خبری اور کم ہمتی کی بات ہم ضرورت کرتے ہیں اور سچ یہ ہے کہ ہم ہی پاکستان کے اصل محافظ ہیں جو زمینی سرحداتِ پاکستان سے پہلے نظریاتی سرحداتِ پاکستان (پاکستان کا مطلب کیا...... لا الٰہ الا اللہ!) کی حفاظت کو اہم تر خیال کرتے ہیں۔

سوشل میڈیا کے استعمال کرنے والوں کی بیشتر تعداد فیس بک سے منسلک ہوتی ہے۔ پاکستان میں فیس بک و ٹوئٹر کا تناسب ہمارے اندازے کے مطابق 'بیس' اور 'دو' کا ہے۔

یہی فرحان ورک رسماً بھی تحریکِ انصاف کے اسلام آباد کے ایک سوشل میڈیا سیل کا رکن رہا ہے اور اس سب میں شریک رہا ہے جو کچھ پی ٹی آئی کے سوشل میڈیا سیلز اور اکاؤنٹس کی طرف منسوب تھا اور ہے یعنی عریاں زبان، انتہا درجے کی بد اخلاقی، گالم گلوچ اور جعلی طریقے سے مخالفین کے اکاؤنٹس کو رپورٹ کروا کر بلاک کرنا۔ کسی خاص طبقے یا سیاسی مکتبِ فکر کو اٹھانا یا گرانا ہو، کسی کی عزت اچھالنی ہو یا اسے آسمان کی بلندیوں پر پہنچانا ہو، کسی کو نیک نام اور مخلص اور وفادار ثابت کرنا ہو یا نیک ناموں کی بدنامی اور انہیں ذلیل کرنا مقصود ہو، عوام کی رائے کو کسی خاص طرف مبذول کرانا ہو یا کسی اہم موضوع سے ان کی توجہ ہٹانا، اس سب کے لیے میڈیا سے بہتر کوئی ہتھیار شاید آج موجود نہیں ہے اور متبادل میڈیا (alternate media) بصورتِ سوشل میڈیا اس میں بہت ہی اہمیت کا حامل ہے۔

فرحان ورک صرف ٹوئٹر پر ٹرولنگ، بہتان بازی، سپیمنگ، کذب گوئی وغیرہ نہیں کرتا بلکہ اسی جھوٹ و دھوکے کے ذریعے کمائی کے لیے یوٹیوب کو بھی استعمال کرتا ہے۔ یوٹیوب پر اس کا کام خالصتاً سازشی نظریات (conspiracy theories) پھیلانا ہے اور اس کام کے لیے یہ اپنے لیے رول ماڈل دو مشہور امریکیوں الیکس جونز (Alex Jones) اور سٹیو بینن (Steve Bannon) کو بتاتا ہے۔ الیکس جونز اور سٹیو بینن دونوں مشہورِ زمانہ سازشی نظریاتی یا conspiracy theorists ہیں۔ الیکس جونز اب تک سیکڑوں سازشی نظریات تخلیق کر کے عوام و خواص کو گمراہ کر چکا ہے۔ جبکہ سٹیو بینن کے لیے یہی بات کافی ہے کہ یہ ۲۰۱۶ء میں ٹرمپ کی صدارتی مہم کا سربراہ رہا ہے۔ سیاہ کو سفید دکھانے کا ملکہ رکھنے والے سٹیو بینن کی صدارتی مہم میں مہارت اور ٹرمپ کی نتیجتاً کامیابی دیکھتے ہوئے، ٹرمپ نے صدر بننے کے بعد سٹیو بینن کے لیے ایک نیا عہدہ اور ایک نیا محکمہ وائٹ ہاؤس میں کھولا اور اس کو 'وائٹ ہاؤس کے امورِ حکمتِ عملی کا مرکزی سربراہ (White House Chief Strategist)' بنا دیا[1]۔

سٹیو بینن وغیرہ کا تعلق (بلکہ ٹرمپ کا بھی) امریکی 'آلٹ-رائٹ (Alt-Rights)' سے ہے جسے سادہ سا سمجھنے کے لیے کہا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ دائیں بازو کے شدت پسند نظریات رکھتے ہیں جن میں ایک نظریہ گورے رنگ کی بنیاد پر افضلیت کا قائل ہونا ہے (White Supremacism)۔ سٹیو بینن کا ذکر کر کے فرحان ورک کہتا ہے کہ:

''میں (خود) کو پاکستانی آلٹ-رائٹ کہتا ہوں لیکن اس کا امریکی آلٹ-رائٹ سے کوئی تعلق نہیں۔''

پاکستان پر قابض موجودہ پاکستانی آلٹ-رائٹ جس کا دائیں اور بائیں سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ یہاں بلڈی سویلین کا تصور پایا جاتا ہے۔ پاکستان میں نظریے وغیرہ کے پیچھے جائے بغیر مختصراً یہی سمجھنا کافی ہے کہ پاکستانی فوج جس چیز میں ریاست کی بقا گردانتی ہے اس کے پرچارک فرحان ورک اور ریاستی انٹیلی جنس اداروں کے 'لگائے' گئے لوگ ہیں جن کی رسماً تعداد ہمارے ذرائع کے مطابق ایک ہزار سے زائد ہے۔ یہ وہ ملٹری الائنس ہے جو کبھی مذہبی سیاسی پارٹیوں کے ساتھ ہوتی ہے اور آج کل عمران خان اس الائنس کا حصہ ہے۔

اسی فلم میں فرحان ورک کو پاک فوج کے حق میں نکالے جانے والی ایک ریلی میں شامل دکھایا جاتا ہے۔ اس ریلی میں شرکت کرنے والی مخلوق ویسی ہی ہے جیسی عمران خان کے جلسوں میں عموماً دکھائی دیتی تھی۔ یہ مخصوص حلیوں اور مخصوص ذہنوں اور ڈرائنگ روم پالیٹکس کے مزاج والی مخلوق 'پاکستان کا مطلب کیا...... لا الٰہ الا اللہ!' کے نعرے لگا رہی ہے۔ فرحان ورک کہتا ہے کہ 'یہ سوشل میڈیا وار فیئر کا زمانہ ہے اور میرے خیال میں سوشل میڈیا پر سب سے زیادہ وجود پاک فوج کا ہونا چاہیے' (اور حقیقتاً یہ ہے بھی)۔ اسی مظاہرے میں وفاقی وزیر عالمگیر خان اور ڈپٹی کمشنر اسلام آباد حمزہ شفقات بھی آن وارد ہوتے ہیں اور حمزہ شفقات اسلام آباد میں دس لاکھ درخت لگانے کے عمران خانی دعوے اور ہدایت کا ٹوئٹر پر پرچار کرنے کا فرحان ورک کو کہتا ہے۔ فرحان ورک جہانگیر ترین اور عثمان ڈار جیسے لوگوں کا سوشل میڈیا کے میدان میں معاون رہا ہے۔

فرحان ورک بھی مذہبی معاملات میں ضعیف الاعتقادی کا مظہر اسی طرح ہے جس طرح افواجِ پاکستان، عمران خان اور باقی حکومت، سیاست دان و بیوروکریٹ ہیں۔ عجیب بات ہے کہ فرحان ورک کہتا ہے کہ 'بابا بری امام کی طرف سے مجھے خواب میں اشارہ دیا گیا تھا کہ تم سوشل میڈیا کا کام کرو اور جب بھی مجھے اس کام میں کوئی مشکل پیش آتی ہے یا میں ڈپریس محسوس کرتا ہوں تو بری امام کی درگاہ پر حاضری دیتا ہوں'۔ پھر فرحان ورک بری امام اور ایک اور صاحبِ قبر کے مزار کے سامنے رکوع کی سی ہیئت بنا لیتا ہے اور ایک کی قبر کا بوسہ لیتا ہے جبکہ دوسرے کی قبر کا فرش چومتا ہے۔ یہ بات سمجھنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ پاکستانی حکمرانوں کے اعتقادات کی تاریخ یہی رہی ہے[2]، ایوب خان کی توہم پرستی اور عید کے جمعے کے دن ہونے کا چکر معروف ہے؛ بھٹو اور اس کی بیٹی بے نظیر کی مزاروں پر حاضریاں، امام ضامن، پیروں سے جھاڑوئیں مروانا؛ نواز شریف و شہباز شریف کا داتا دربار و دیگر جگہوں پر منتیں ماننا؛ زرداری کے دور میں

---

[1] ٹرمپ اور عمران خان میں بہت کچھ مشترک ہے، جس میں سے ایک اپنے چاپلوسوں اور ٹٹ پونجیوں کو عہدے دینا بلکہ ان کے لیے نئے نئے محکمے بنانا بھی شامل ہے۔ ٹرمپ کے یہاں کی مثال بینن، اس کی بیٹی ایوانکا اور اس کا داماد جیرڈ ہیں، لیکن امریکہ میں پھر بھی کچھ اصول ہیں، ہمارے پاکستان، جس کو بے اصولیوں کا مرکز بنا دیا گیا ہے میں یہ تعداد بیسیوں میں ہے، جس میں چند ناموں میں جہانگیر ترین (گو کہ اس کی گُڈی اتر چکی ہے)، زلفی بخاری، ندیم بابر، ثانیہ نشتر ہیں۔

[2] ان کا اسلام کے خلاف جنگ کرنا اور غیر اللہ کے قانون کو نافذ کرنا جیسی کفریاتِ بواح کو بیان کرنے کا یہ مقام نہیں ورنہ اصل امر تو یہی ہے۔

اسلام آباد میں کالے بکروں کا ناپید ہو جانا اور مستقل ایک جادو گر پیر ایوانِ صدر میں ہی رکھ لینا؛ اور اب کے عمران خان کی جادو گر پیرنی بیوی کے مشاغل، عمران خان کا عقیق پہننا اور بابا فرید کے مزار پر جا کر سجدہ کرنا...... یہ سب اس کی مثالیں ہیں۔ یہ چور اچکوں، ڈاکوؤں، جھوٹوں، نو سربازوں اور فراڈیوں کا ٹولہ عمران خان و باجوہ سے عام درجے کے 'ٹشو پیپر' کے طور پر استعمال ہونے والے فرحان ورک اور سیکڑوں اور جوانوں تک ایک ہی کہانی ہے۔

فرحان ورک کا مقصد بھی وہی ہے جو عمران خان کا ہے، جو مقصدِ اقتدار باجوہ کا ہے۔ دل چسپ امر یہ ہے کہ یہ شخص جو خود کو جھوٹا اور دھوکہ باز بیان کرتا ہے اور اس پر کچھ شرمندگی بھی محسوس نہیں کرتا اپنے مستقبل کے عزائم کے بارے میں کہتا ہے کہ:

> ''(چونکہ سوشل میڈیا سے کما حقہ پیسہ کمانا میرے بس میں نہیں لہٰذا) مجھے اب یہی کرنا پڑے گا کہ میں (حکومت کے) تمام منسٹروں (وزیروں) کو انکار کروں (کہ میں ان کی بلامعاوضہ خدمت نہیں کر سکتا) اور اپنے پیشے (ڈاکٹری) سے پیسہ بناؤں اور پھر خود الیکشن لڑوں (اور ملکی سیاست میں آؤں)۔''

اس کی اس بات سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس جمہوری سیاست میں شریک پیادے سے سوار اور بادشاہ تک؛ لوگ کتنے 'صادق' اور 'امین' ہوتے ہیں اور وہ 'قومی مفاد' کے نام پر کیا کچھ کر سکتے ہیں۔ دجال کے خروج کا زمانہ قریب آ لگا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ماقبل تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے بھی اپنی اپنی قوم کو اس فتنے سے ڈرایا اور ہم تو وہ ہیں جو اب بالکل آخری دور میں پہنچ چکے ہیں۔ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مفہوم کے مطابق دجال جس کو جہنم دکھلائے گا وہ دراصل جنت اور جسے جنت دکھلائے گا وہ دراصل آگ ہو گی، یہ آج سے پہلے کہاں اتنی وضاحت سے سمجھ آ سکتا تھا؟ یہ میڈیا ہمیں جو دکھاتا ہے ہم اسی پر یقین کرتے ہیں، یہ ہمیں جس سمت ہانکتا ہے ہم اسی طرف ہی ہنکائے جاتے ہیں خواہ اہلِ حق علما اور اہلِ حق مجاہدین ہمیں پکارتے رہ جائیں کہ اے اللہ کے بندو! حق کی طرف آؤ، رب کی فلاح اور اس کی جنت کی طرف آؤ، دائمی کامیابی اور رب کی ابدی رضا کی جانب لپکو!!!

اس فلم کے ڈائریکٹر ہشام چیمہ نے کہا:

> ''میرا مقصد فرحان ورک کو ہیرو یا ولن کے طور پر دکھانا نہیں...... بلکہ میں اس کی زندگی کے حقائق لوگوں کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں تاکہ لوگ اس بات کا فیصلہ خود کریں (کہ فرحان ورک ہیرو ہے یا ولن؟)۔''

اس فلم پر یہ مختصر مطالعاتی جائزہ موجودہ نظام کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے لکھا اور مرتب کیا گیا ہے۔ فرحان ورک تو محض ایک کردار ہے اور اس نظام باطل کی بساط کا ایک چھوٹا سا مہرہ۔ 'پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ!' کا نعرہ لگانے والوں کے لیے لازم ہے کہ وہ اس نظام اور اس نظام کو چلانے والے فوجی اور سویلین چہروں کی اصلیت پہچانیں۔ پس ہم پر لازم ہے کہ ہم قرآن کو اپنا دستور، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی اپنا ہادی و رہبر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو اپنا منہج و طریق سمجھیں اور قرآن و حدیث کی حقیقی پیروی کرنے والے اہلِ حق کی مدد و نصرت کریں، ان کے ہاتھ مضبوط کریں، ان کے پشت پناہ بنیں اور یوں امتِ مسلمہ کی فلاح میں اپنا بھرپور کردار ادا کریں۔

بقیہ: شیخ ایمن الظواہری

ہم پر لازم ہے کہ فلسطین میں ہماری جانوں، مال و اہل کی قربانی اور قید پر صبر...... اسلام کی نصرت، اللہ تعالیٰ کی شریعت کے قیام اور اسلامی حکومت کے قیام کے لیے ہو جو صرف شریعت کے مطابق ہی فیصلے کرے۔ مومنین سے دوستی کرے اور کافروں سے دشمنی کرے، کمزوروں کی مدد کرے، عدل کو عام کرے اور شوریٰ کو قائم کرے، نہ کہ ہماری قربانیاں وطن و قوم پرست، لبرل حکومت کے لیے ہوں جو اکثریت کی خواہشات کے مطابق فیصلے کرے اور ہمارے بھائیوں کی نصرت سے دست بردار ہو جائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین!

میدانِ بدر سے سری نگر تک......ایک پکار، ایک جنگ!

غازی خالد ابراہیم

ایک خیال نے دل میں گھر کر لیا ہے اور اسی کو پورا کرنے کے لیے میں یہ تحریر لکھنے پر آمادہ ہو گیا ہوں کہ کئی محبوب ساتھیوں کی یاد کا قرض اس قلم اور سیاہی پر ابھی باقی ہے۔ یہ یاد دراصل ان ساتھیوں کا پیغام ہے اور اسی پیغام کی صورت یہ تحریر ہے۔

وہ عزیز ساتھی جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا وعدہ ایسے بہترین انداز میں پورا کیا کہ شاید جذبات کے لیے الفاظ اور الفاظ کے لیے حافظہ کم پڑ جائے۔ وہ عزیز ساتھی جو دوست بھی تھے اور بھائی بھی اور جن کے ساتھ رشتہ، کلمۂ حق کا تھا۔ وہ عزیز ساتھی جو جرأتوں کے دھنی تھے اور ایمان کی زندہ مثالیں۔ جنہوں نے اپنی زندگیوں میں اور اپنے مرنے کے انداز میں ہمارے لیے ایسے سنگِ میل رکھ چھوڑے جو صرف حق کی گواہی دیتے ہیں۔ وہ عزیز ساتھی جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنتوں کو اپنی شہادتوں تک زندہ رکھا، جنہوں نے آتشِ نمرود میں کود کر صرف اللہ اکبر کہا اور جنہوں نے آزر کے تراشے بتوں سے انکار کر کے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کی گواہی دی۔

یہ داستان ان سرفروشوں کی ہے جن کا جینا اور جن کا مرنا خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے تھا اور جن کے دلوں میں امتِ مسلمہ کا غم تھا۔ وہ غم خوار تھے اور فکر مند تھے۔ کہنے کو ہر ایک ساتھی کی داستان مختلف تھی لیکن ہر ایک ساتھی کی داستان یکساں بھی تھی۔

آج جن ساتھیوں کے خیال نے لکھنے پر مجبور کر دیا وہ شاید ماضی کی دھول میں بعض ذہنوں سے کھو گئے ہوں گے لیکن ان کی داستان کو زندہ رکھنا اس کارواں کے آنے والے مسافروں کے لیے ضروری ہے۔ ابو دجانہ اور عارف للہاری اس شریعت یا شہادت کے کاروان کے وہ اولین مسافر تھے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی خاطر اپنے وجود کو بدل ڈالا اور خالص اللہ تعالیٰ کی خاطر جہاد کیا اور ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پرواہ نہ کی۔ جس وقت ابو دجانہ رحمۃ اللہ علیہ نے قافلۂ شریعت یا شہادت کے ساتھ جڑنے کا فیصلہ کیا اس وقت انہیں کشمیر کے محاذ پر قریباً پانچ سال ہو چکے تھے، وہ ایک تنظیم کے اعلیٰ کمانڈر تھے اور فدائی حملوں کی منصوبہ بندی کے ماہر ثابت ہو چکے تھے۔ قافلۂ شریعت یا شہادت سے جڑنے کا ابو دجانہ بھائی کا اعلان ایک ایسے انقلاب کا آغاز تھا جس سے کشمیر کے محکوم جہاد کو جرنیلی مفادات کی زنجیروں سے آزاد کروانے میں آسانی عطا ہوئی۔

ابو دجانہ بھائی نے قافلۂ شریعت یا شہادت کے قائد ذاکر موسیٰ شہیدؒ کے ہمراہ سفر شروع ہی کیا تھا کہ آزمائشوں کے طوفان پیش آنے لگے اور جو ساتھی کچھ لمحہ قبل تک ان کے ساتھ تھے وہ نا سمجھی میں ان کے مخالف ہو گئے۔

وہ ایک عجیب دور تھا اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کل ہی کی بات ہو کہ کیسے ابو دجانہ بھائی نے اپنی تنظیم کو چھوڑا اور کیسے وطن کی محبت کو اس کے صحیح مقام پر رکھ کر سوچنے اور عمل کرنے لگے۔ یہ سب انہوں نے صرف ایک پکار کے خاطر کیا تھا؛ پکار یہ تھی کہ کشمیر کے جہاد کو ریاستی اداروں اور جرنیلی مفادات سے آزاد کیا جائے اور اس جہاد کو اس کے اصل مقاصد اور منزل کی طرف لے جایا جائے۔ مقصد و منزل پہلے دن سے واضح تھے، فتح یا شہادت......یا تو اللہ کی زمین پر ذاتی و اجتماعی زندگی میں شریعت ہو گی یا پھر اس شریعت کی راہ میں رکاوٹ بننے والوں کے ساتھ ٹکراتے ٹکراتے شہادت ہو گی۔

عزت سے جیے تو جی لیں گے
یا جامِ شہادت پی لیں گے!

جس ساتھی نے اس مہاجر مجاہد کے ساتھ وفا کا وعدہ نبھایا، وہ ایک ایسا شیر دل مجاہد تھا جس کی مسکراہٹ اور جس کا صبر پتھر دلوں کو بھی موم کر دیتا اور ان میں ایمان کو بسا دیتا تھا۔ عارف للہاری کی عمر سولہ یا سترہ سال ہو گی، لیکن کم عمری کا ایمان کی زیادتی یا کمی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

اس راہ میں آنے والوں کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ان کے چلنے کے لیے جو راستہ تعمیر کیا گیا ہے، اس راستہ کی تعمیر کے لیے عظیم ساتھیوں نے اپنی ہستیوں کو مٹا ڈالا ہے۔

اس راہ کے راہیوں کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ راستہ آپ سے بت شکن ہونے کا تقاضا کرتا ہے اور صرف ان بتوں کا انکار نہیں مانگتا، جو ظاہر ہیں بلکہ ان بتوں کا انکار بھی طلب کرتا ہے جو ہمارے دلوں میں بس چکے ہیں اور جن کا پہچاننا اس سمت پہلا قدم ہے اور جن کی محبت کو مٹانا اس سمت سب سے مشکل قدم ہے۔ یہ بت عصبیت کے بت ہیں، قوم پرستی، وطن پرستی، لسانیت، تنظیم پرستی اور مسلک پرستی کے بت!

اس دنیا کے خالقِ حقیقی قرآن کریم میں فرماتے ہیں:

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَن يَهْدِيهِ مِن بَعْدِ اللَّهِ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝

(سورۃ الجاثیۃ: ۲۳)

”کیا آپ نے اسے بھی دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور باوجود سمجھ بوجھ کے اللہ نے اسے گمراہ کر دیا ہے اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھ پر بھی پردہ ڈال دیا ہے؟ اب ایسے شخص کو اللہ کے بعد کون ہدایت دے سکتا ہے؟“

اللہ تعالی سے یہی دعا ہونی چاہیے کہ وہ ہمارے اندر سے نفس پرستی کو مٹادے اور ہمیں اس بات کی پہچان عطا کرے کہ جب ہمارے دلوں میں اس ذات پاک کی محبت کے سوا کوئی اور محبت بس جائے جو ہمارے دلوں میں ایسے معبود سجادے جن کا ہونا ہمارے دلوں سے دین حق کو خاموشی سے مٹا دیتا ہے تو ہمیں معلوم ہو جائے اور ہم ان جھوٹے معبودوں کو اپنے دل سے کھرچ نکالنے کے درپے ہو جائیں۔

اس دین کا یہ تقاضا ہے کہ ہمارے دلوں میں اللہ تعالی کے سوا کسی معبود کی محبت نہ ہو اور ہماری جانیں اور ہماری عبادات اور ہمارا جینا اور ہمارا مرنا صرف اور صرف خالق حقیقی کی ذات کی خاطر ہو۔

ہر دور میں ایمان والوں کو مختلف آزمائشوں کا سامنا رہا ہے ۔ بدر کے میدان میں بھائی کے مقابلے میں بھائی تھا اور دوست کے مقابلے میں دوست تھا اور بیٹے کے مقابلے میں باپ تھا اور باپ کے مقابلے میں بیٹا تھا۔ یہ ایک آزمائش تھی جس میں دل میں بسے سارے معبودوں کو مٹا دینا تھا اور صرف اللہ تعالی کی محبت کی خاطر اپنے دلوں کو پاک کرنا تھا۔ اس دن کو اسی وجہ سے یوم الفرقان کہا گیا کہ اس دن حق اور باطل کے درمیان واضح تفریق ہو گئی۔

ایمان کا یہی تقاضا ہے کہ حق کے مقابلے میں جو بھی آجائے تو اس کے سامنے ڈٹ جایا جائے کہ وہ باطل ہے خواہ وہ باطل آپ کے دلوں میں ہی کیوں نہ بسا ہوا ہو۔ آج کے دور میں بھی حق اور باطل اسی قدر واضح ہے جس طرح ہر دور میں حق اور باطل کے درمیان فرق واضح رہا ہے؛ جیسے حضرت ابراہیمؑ اور آزر کے معبودوں کے درمیان فرق واضح تھا اور حضرت موسیٰؑ اور فرعون کی دعوت میں فرق تھا، اسی طرح آج کے دور میں حق اور باطل میں فرق واضح ہے۔

جب صلیبی جنگوں کی کوکھ سے جنم لینے والا برطانوی سامراج اپنے زوال کو پہنچا تو اس دشمن دین نے امت اسلام پر ایسے ظالم مسلط کیے جو دہائیوں تک کے لیے اس امت کے لیے ظلم اور ناانصافی کا سبب بن گئے۔ کاغذوں پر کھینچی لکیروں سے امت کو مفلسی اور ظلم کے اندھیروں میں تلملانے کے لیے دھکیلا گیا اور ان سرحدوں کو ایک نئے عالمی نظام کی بنیاد بنایا گیا۔ ایک ایسا عالمی نظام جو کفر کی سرپرستی میں تھا اور جس نے امت مسلمہ پر ایسے ظالموں کو حاکم بنا دیا جو دنیا کی محبت میں اندھے اور بہرے تھے اور جن کا معبود ان کا اور ان کے خاندانوں کا مفاد تھا۔

اس امت کو تو اپنوں اور غیروں کے ساتھ معاملات میں عدل قائم کرنا تھا لیکن اس امّت پر ایسے ظالم مسلط کیے گئے جو وقت کے فرعون اور نمرود تھے۔ یہ ایک ایسی سازش تھی جس نے رنگ و نسل کی بنیاد پر مسلم امت کو ٹکڑوں میں بانٹ دیا۔ اس کفری عالمی نظام کا صرف ایک ہی مقصد تھا کہ اسلامی دنیا کو ایک ہونے سے روکا جائے اور ان پر مسلط ظالموں کی حکومتوں کو محفوظ کیا جائے۔

اس عالمی کفری نظام کا خاکہ تب تک محفوظ ہے جب تک کہ اسلامی دنیا اس کی حقیقت اور اس کی تاریخ کو اچھے سے نہیں سمجھ لیتی۔ یہ کفری نظام تب تک امتِ مسلمہ پر ظلم کرتا رہے گا جب تک مسلمانوں کے دلوں میں اپنے ملکوں کی محبت اور وطن پرستی کے بت بسے ہوئے ہیں۔ جب تک کہ اس امّت کا جوان اس بات کو نہیں سمجھے گا کہ اس کے وطن اور ملک کے لیے اندھی محبت اور پرستش غلط ہے (جس وطن اور ملک کی سرحدوں کا فیصلہ برطانوی سامراج نے کیا ہے) تب تک اس امّت کے زخم بھرے نہیں جاسکتے ہیں۔ اس امت کے درد کا مداوا تو تبھی ہو گا جب اس امت کے بیٹے اپنے دلوں میں سے باطل محبتوں کو ختم کریں گے اور اپنی زندگی کو ایک ایسے انقلاب کے لیے تیار کریں گے جو انقلاب باطل اور کفری نظام اور اس کے کارندوں کی ہستی مٹادے۔

یہ جنگ محض کسی شخص یا تنظیم یا ملک کے خلاف نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک ایسے نظام کے خلاف جنگ ہے جو مسجد اقصیٰ سے لے کر بابری مسجد اور لال مسجد پر لگے زخموں کا ذمہ دار ہے۔ وہ نظام جو صومالیہ سے لے کر کشمیر تک مسلمانوں پر ہو رہے ظلم کا سبب ہے۔ فلسطینیوں پر ہو رہا ظلم اور کشمیریوں پر ہو رہا ظلم ایک ہے اور مصر اور حجاز اور اردن اور الجزائر پر مسلط ظالموں کا مددگار اور پاکستان پر مسلط ظالموں کا مددگار ایک ہے۔

ہندوستان میں اس امت کے بیٹوں اور بیٹیوں پر ہو رہے مظالم بھی تو اس باطل نظام کا ہی نتیجہ ہیں۔ جس نظام نے ان کی قوت کو اس قدر تقسیم کر دیا کہ جن مسلمانوں نے ہزار سال تک اس زمین پر اللہ کی حاکمیت قائم کی انہی کے بیٹے اور بیٹیاں آج خوف اور ناانصافی کے مہیب اندھیروں میں پھنسے ہوئے ہے۔ ہندوستان کے مسلمان جو ان کو بروقت یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اس کے دکھ اور درد کے ذمہ دار محض گائے کے پجاری نہیں بلکہ اس کے خلاف ایک پورا نظام جنگ کر رہا ہے جس میں ہندوستان کی برہمن حکومت، عدالتیں اور ان کی پولیس اور افواج بھی شامل ہیں۔ ہندوستان میں رہنے والا مسلمان جتنا جلد یہ سمجھ لے کہ اس کے خلاف یہ جنگ تو صدیوں سے جاری جنگ کا ہی حصہ ہے اتنا ہی جلد وہ اپنے دوستوں اور دشمنوں میں فرق کر پائے گا۔

اس دور کے صلیبیوں کے رہنما امریکہ نے جب امارت اسلامی افغانستان پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا تو پاکستان پر مسلط اس ڈرپوک جرنیل نے کشمیر کا بہانہ بھی بنایا اور کہا کہ کشمیر کے مسئلہ کی خاطر اور پاکستان کے ایٹمی وسائل کو محفوظ کرنے کی خاطر پاکستان کی فوج اسلامی امارت کو مٹانے کی خاطر امریکہ کی حمایت کرے گی۔ اس مکار کو شاید یہ بھی خبر نہیں تھی کہ کشمیر کی ماؤں اور بہنوں اور بھائیوں اور بزرگوں نے تو اسلام اور مجاہدین کی خاطر اپنے گھر اور اپنا مال اور اپنی زندگیاں تک قربان کی ہیں۔ کشمیر کا ہر ایک مسلمان اس سے بری ہے کہ اس کی خاطر کسی مجاہد کا سودا کیا جائے۔

کشمیر کے مسلمان نے تو یہ جہاد تب بھی جاری رکھا جب اپنے ملکی مفاد کی خاطر پاکستانی جرنیلوں نے اس جہاد کی سپلائی لائن کو روک دیا اور تب بھی اس جہاد کو جاری رکھا جب پاکستانی حکومت نے ہندو سے خوف زدہ ہو کر دوستی کے نغمے گائے۔

کشمیر کا مسلمان یہ خوب سمجھ چکا ہے کہ ملکوں کے لیے ان کے اپنے مفاد ہی معبود ہوتے ہیں اور یہ بھی سمجھ چکا ہے کہ ملکوں کے مفاد کسی شخص یا تنظیم کے بدلنے سے بدلتے نہیں ہیں۔ اب

وقت کا یہی تقاضا ہے کہ پاکستان میں بسنے والے مسلمان جوان اور امت کے باقی خطوں میں رہنے والے مسلمان جوان اس بات کو سمجھ جائیں کہ اس امت پر ہو رہے ظلم تبھی ختم ہو سکتے ہیں جب اسلام سے باغی اس کفری نظام کو مکمل طور پر مٹا دیا جائے۔ اور اس نظام میں رہ کر اس نظام کو نہیں بدلا جا سکتا ہے۔ اس نظام کو جمہوری سیاست اور انتخابی سیاست سے نہیں بدلا جا سکتا ہے۔ اس نظام کی محبت کو دل میں رکھ کر اس نظام کو نہیں بدلا جا سکتا ہے۔ اس عالمی کفری نظام اور اسلامی نظام کے درمیان وہی فرق ہے جو بدر کے روز کفر اور اسلام کے بیچ فرق تھا۔ ہر دن ہمارے لیے یوم الفرقان ہے۔

شہید ابو دجانہ اور شہید عارف للہاری کی زندگی اور ان کی شہادت بھی یوم فرقان کی گواہی تھی۔ ان اسلام کے متوالوں نے اپنے دلوں میں خالص اسلام کو بسایا تھا اور ان کے دل باقی تمام معبودوں سے انکار کرتے تھے۔ شہید ابو دجانہ کا شریعت یا شہادت کی پکار پر لبیک کہنا کفری نظاموں سے انکار تھا اور وطن پرستی سے انکار تھا۔ شہید عارف للہاری کا شریعت یا شہادت کا نعرہ بلند کرنا وہی بدر کے میدان کی نشانی تھی۔

وہ کسی دھمکی سے خوفزدہ نہیں ہوئے اور انہوں نے اپنے آخری لمحوں میں بھی حق کی گواہی دی۔ اگر عارف شہید کی زندگی کشمیر کے ہر ایک مسلمان جوان کے لیے ایک مثال ہے تو ابو دجانہ شہید کی زندگی پاکستان میں بسنے والے دینِ حق کے فدائین کے لیے ایک مثال ہے۔

اللہ تعالیٰ سے یہی دعا ہے کہ وہ اس امت کے بیٹوں کو سرابوں اور سازشوں سے بچائے اور اس امت کے بیٹوں کے دلوں میں امت کے غموں کی فکر پیدا کرے۔ اللہ تعالیٰ میرے ان کمزور الفاظ کو اپنی برکت سے پڑھنے والوں کے دلوں تک پہنچائے اور جہاں میں سمجھانے میں ناکام رہا وہاں پر پڑھنے والوں کو سمجھنے میں اپنے فضل سے کامیاب کرے، آمین!

بقیہ: تمہاری تلواریں کیونکر زنگ آلود ہوئیں؟

آگے بڑھتے ہیں۔ اپنے تنہا ہونے کو کبھی بھی بیٹھ رہنے کا جواز نہیں بناتے۔ جو کافروں کے غول میں پھنس کر بھی غیرت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ مگر اے نوجواں مسلم! میں تم سے پوچھتی ہوں...... آخر وہ کیا چیز ہے جس نے تمہیں روک رکھا ہے؟ یہ متاعِ زندگی؟...... یقین کرو یہ زندگی کچھ بھی نہیں ہے......!

موت تو ہر کسی کو آنی ہے، چاہے کسی کھمبے سے ٹکرا کر آئے یا دشمنانِ دین سے دو دو ہاتھ کرتے ہوئے۔ ذائقۃ الموت تو ہر جان نے چکھنا ہے۔ تو پھر کیوں نہ اپنے نزدیک ترین محاذ جنگ کشمیر میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے ہمیشہ کے لیے جاوداں ہو جائیں؟ کیوں نہ وادی کے پہاڑوں میں سر بکف مجاہدین کا ساتھ نبھاتے ہوئے اپنے رب کے ہاں ابدی جنتوں کے مہماں ہو جائیں؟...... یہ گھاٹے کے سودے نہیں ہیں، خسارے کے سودے نہیں ہیں تو پھر کیوں اس دنیا کے پیچھے ہی سرگرداں رہیں جس کی حیثیت مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں؟ یہ زندگی تو اللہ نے دی ہے ناں؟ تو اس کی امانت اسی کو لوٹاتے ہو گھبراہٹ چہ معنی دارد؟

آپ پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں...... آگے بڑھیے، کفار کے ساتھ جاری اس جہاد میں حصّہ ڈالیے، اپنا تن من دھن وار دیجیے، ربّ کی رحمت تو منتظر ہے، آگے بڑھیے اور دونوں جہانوں کی کامیابی کے حق دار بن جائیے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

بقیہ: یومِ 'آزادی'؟!

دن و رات، آنکھوں میں سرمہ ڈال کر اپنی اور اپنے اثاثوں کی حفاظت میں مصروف رہے گی اور دوسری طرف مسلمان تاجروں، کاروباریوں کو پریشانی میں مبتلا کیا جائے گا۔ ایک طرف ہندوؤں کی کاوڑ یاترا کے لیے حکومت و انتظامیہ بچھی جاتی ہے تو دوسری طرف مویشیوں کے مسلمان کاروباریوں کو عید کے موقع پر سخت اذیتیں دی جاتی ہیں۔ ایک طرف ایک شیو یاتری کے لیے بھی ٹریفک پولیس پورے روڈ کو جام کر دیتی ہے تو دوسری طرف مسلمان بکرا، بھینس و اونٹ بیچنے والے غریب مسلمانوں کو ڈنڈے مارے جاتے ہیں۔ یہ فرق، یہ بھید بھاؤ اس لیے ہے کہ آپ اپنے رب کے لیے قربانی کرتے ہیں اور ہندو سور، بکرے، بھینس کی بَلی اپنے بتوں پر چڑھاتے ہیں۔ مسلمان اپنے رب کے نام پر قربانی کریں تو وہ بے رحم، سخت دل وغیرہ وغیرہ اور ہندو سور کھائیں، بکرا، مرغی کھائیں تو کسی کو کوئی فرق نہیں پڑتا......!!

مسلمانانِ ہند کے لیے یہ غور و فکر کی بات کہ ایک طرف ہندو اپنے آزادی کے جشن منانے میں دھت ہیں تو دوسری طرف مسلمان خوف و ڈر کے عالم میں عید منا رہے ہیں۔ ان کو اس دن یہ خوف لاحق رہتا ہے کہ اخلاق کی طرح انھیں بھی گائے کے شک میں بکرا کھانے پر ہندو بھیڑ پیٹ پیٹ کر مار نہ دے۔ مسلمانوں کے مویشیوں کو ضبط کر کے کے انھیں تنگ کیا جاتا ہے اور معاشی طور پر کمزور کیا جاتا ہے۔

مسلمانانِ ہند کے لیے یہ موازنہ کرنے کا مقام ہے کہ ایک طرف ہندوؤں کو ساری سہولتیں تو دوسری طرف مسلمانوں کے لیے عوام و حکومت کی طرف سے دشواریاں......!!

مسلمانانِ ہند کو اپنے دفاع کی تیاری کرنی ہو گی۔ حکومت کی طرف سے یہ امتیازی سلوک ایک بڑے آنے والے طوفان کی خبر ہے جس سے اگر ہم نے نمٹنے کی تیاری نہیں کی تو ہم طوفان سے برباد ہو جائیں گے۔ ہجرت کے لیے جہادِ کشمیر تیار ہے اور اپنی قوم کے دفاع کے لیے ہمارے بازوؤں میں دم ہے۔ تو پھر خالص اپنے رب پر توکل کر کے کود پڑیں میدان میں......افغانستان کی طرح نصرتیں ہندوستان میں اترنے کو تیار ہیں......اور اسلامی پرچم لال قلعہ پر لہرانے کو منتظر ہے!

★★★★★

تمہاری تلواریں کیوں کر زنگ آلود ہوئیں؟

خولہ بنتِ عمران

مدینے کا بازار لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ یہاں انصار و مہاجر مسلمان، یہود اور مشرک...... ہر طرح کے تاجر اور خریدار موجود تھے۔ ہر کوئی اپنے اپنے کام میں مصروف دکھائی دیتا تھا۔ کوئی تاجر اپنے سامان کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہا تھا کہ وہ بہترین داموں فروخت ہو جائے تو کہیں خریدار چیزوں کو پرکھنے اور تاجروں کو مناسب قیمت پر آمادہ کرنے کے لیے تگ و دو کر رہے تھے۔

ایک انصاری خاتون اپنے آپ کو ایک بڑی سی اوڑھنی میں چھپائے بازار میں داخل ہوئیں۔ ان کے پاس ایک تھیلی میں چند زیورات تھے جو وہ بیچنے کی غرض سے لائی تھیں۔ یہودی سنار کی دکان میں داخل ہوئیں تو سنار اور اس کے ارد گرد بیٹھے لوگوں نے ناپسندیدگی سے ان کو گھور کر دیکھا۔ ان کی بڑی سی اوڑھنی، ان کا حلیہ اور انداز، سب چیخ چیخ کر ان کی مسلم شناخت کا اعلان کر رہے تھے۔ 'اچھا تو یہ ان مسلمانوں کی عورت ہے جو بدر کی جنگ جیتنے کے بعد خود کو اس دنیا کا باسی ہی نہیں سمجھ رہے!'، ایک نے ہلکی آواز میں دوسرے سے کہا۔ دوسرے نے بھی اس کی تائید میں کوئی سرگوشی کی۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک شرارت تیار ہو گئی اور وہ ایک دوسرے کو اشارے کرنے لگے۔

معزز خاتون دکاندار کے سامنے اپنے زیورات پھیلائے مناسب قیمت لگوانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ وہ دکاندار کی طرف متوجہ تھیں، انہیں خبر نہ ہو سکی کہ کب ایک شریر و بدبخت یہودی نے چپکے سے ان کی اوڑھنی کا ایک پلّو اس لکڑی کی چوکی سے باندھ دیا جس پر وہ بیٹھی تھیں۔ کافی بحث و تمحیص کے باوجود جب دکاندار سے کوئی قیمت طے نہ ہو پائی تو وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ان کے کھڑے ہوتے ہی ان کی اوڑھنی کا وہ پلّو جو بندھا ہوا تھا، وہ اپنی جگہ سے سرک گیا جس کے باعث ان کے ستر کا تھوڑا سا حصّہ ظاہر ہو گیا۔ یہ دیکھ کر تاجر اور اس کے ساتھی زور زور سے ہنسنے لگے اور ایک مسلمان خاتون کی اس طرح تضحیک کرنے پر خوش ہونے لگے۔ شرم و حیا اور غصّہ سے سرخ ہوتے ہوئے مسلم خاتون زور زور سے بولنے لگیں۔

دکان کے باہر قریب ہی ایک مسلمان موجود تھا۔ آوازیں سن کر وہ متوجہ ہوا، اسے معاملہ سمجھنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ وہ تنہا تھا لیکن اس نے یہ نہ سوچا کہ آخر میں ایک اکیلا، شریروں کے اس ٹولے کے سامنے کیا کر سکتا ہوں۔ نہ ہی اپنے انجام کی پروا کی کہ اگر ان یہودیوں سے بِھڑنے کی وجہ سے خود اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تو میرے پیچھے رہ جانے والے خاندان کا کیا بنے گا؟ غیرتِ مسلم جوش میں آئی، وہ تلوار نیام سے نکال کر آگے بڑھا اور اس بدبخت یہودی کا سر، جس نے اس کی مسلمان بہن کی شان میں گستاخی کی تھی، ایک ہی جھٹکے میں تن سے جدا کر دیا۔

یہ منظر دیکھ کر آس پاس موجود یہودیوں نے بھی اپنی تلواریں نکال لیں اور چاروں طرف سے اس اکیلے مسلمان پر حملہ آور ہو گئے اور انہیں شہید کر دیا۔ یہ خبر مسلمانوں تک پہنچی تو وہ غصّے سے آگ بگولہ ہو گئے اور یہ ٹھان لی کہ اس شریر قبیلے کو ایسا سبق سکھائیں گے کہ وہ دوبارہ کبھی کسی مسلمان عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی جرأت نہ کریں گے۔ یہ واقعہ سبب بنا غزوۂ بنو قینقاع کے ظہور پذیر ہونے کا، کہ جس میں مسلمانوں کے ہاتھوں یہودیوں کو ایسی سخت ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے قبیلے کو ہی مدینہ سے بے دخل کر دیا۔

★★★★★

خلیفہ معتصم باللہ اپنے درباری امور سے فراغت حاصل کرنے کے بعد نشاطِ طبع کی خاطر باغ میں چہل قدمی کر رہا تھا کہ ایک خادم نے کسی قاصد کی آمد کی اطلاع دی جو جلد از جلد خلیفہ کے حضور حاضر ہونے کے لیے اصرار کر رہا تھا۔ معتصم باللہ نے قاصد کو وہیں طلب کر لیا، چند منٹ بعد وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔

'خلیفۃ المسلمین! روم سے ایک مسلمان قیدی بہن کا پیغام لایا ہوں۔ وہ کہتی ہے کہ معتصم تک میری یہ فریاد پہنچا دو کہ تمہاری بہن رومیوں کی قید میں ہے جو اس پر ہر طرح کا ظلم روا رکھے ہوئے ہیں......!'۔

یہ سن کر معتصم باللہ کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اس نے اسی لمحے شہر میں اذان دینے کا حکم صادر کیا۔ یہ بے وقت کی اذان سن کر شہر کے امرا و معززین اکٹھے ہو گئے۔ باہمی مشاورت کے بعد خلیفہ نے ایک عظیم الشان لشکر ترتیب دیا اور رومیوں کے مضبوط ترین شہر پر حملے کی نیت سے روانہ ہو گیا۔ شہر فتح ہو گیا، مگر معتصم کو چین نہ آیا۔ وہ خود جیل کی کال کوٹھڑی تک پہنچا، اپنے ہاتھوں سے اس کا قفل کھولا اور اپنی اس بہن کی دادرسی کی جس کی فریاد نے اس کی راتوں کی نیند اڑا دی تھی۔

★★★★★

نمازِ فجر کی ادائیگی کے بعد وہ لمبا تڑنگا افغانی، سر پر سیاہ عمامہ باندھے مسجد سے نکل کر گھر کی جانب جا رہا تھا۔ ابھی سورج پوری طرح طلوع بھی نہ ہوا تھا۔ اچانک کہیں سے ایک بوڑھی عورت نکل آئی اور اس کے قریب آ کر اس کے پیروں میں بیٹھ کر رونے لگی۔ وہ حیران و پریشان اس سے پوچھ رہا تھا کہ وہ کون ہے اور کیوں روتی جا رہی ہے، مگر بوڑھی عورت شدتِ غم کے باعث کچھ بھی بتانے سے قاصر تھی۔ اس کے دلاسہ دینے پر کچھ دیر بعد بزرگ خاتون کی کچھ ڈھارس بندھی تو انہوں نے بتایا کہ چند ظالم لوگ اس کی جوان سال بیٹی کو اٹھا کر لے گئے ہیں اور کوئی ایسا نہیں جو ان کی مدد کرے، ان کی بیٹی کو ظالموں سے چھڑوائے۔

یہ سنا تھا کہ اس کے بعد وہ غیور افغان اپنے گھر نہیں گیا۔ بلکہ وہیں سے سیدھا اپنے مدرسے پہنچا، جہاں سے اس نے اپنے دس پندرہ ساتھی ساتھ لیے، اپنی پرانی بندوق اٹھائی اور ان بدقماشوں کی خبر لینے نکل کھڑا ہوا۔ چند گھنٹوں بعد وہ ان ظالموں کو کیفرِ کردار تک پہنچا چکا تھا اور اس کی قید میں موجود مردوں اور عورتوں کو بحفاظت گھروں کو پہنچا رہا تھا۔ یہ غیرت مند افغان کون تھا؟ یہ امیر المومنین عمر ثالثؒ تھے، اور ان کے وہ پندرہ ساتھی آج بڑھ کر ہزاروں غیور و جرأت مند طالبان کی جماعت بن گئے ہیں، جنہیں دنیا آج امارتِ اسلامیہ افغانستان کے نام سے جانتی ہے۔

★★★★★

فروری کی ایک یخ بستہ رات میں آزاد کشمیر کے ایک گاؤں پر بھارتی فوج حملہ آور ہوتی ہے۔ رات کے سناٹے میں، سوئے ہوئے بے خبر لوگوں پر قیامت ٹوٹ پڑتی ہے۔ بھارتی فوج کے سپاہی بندوقوں اور برچھیوں سے لیس ہو کر قتلِ عام کر رہے ہیں۔ شہید ہونے والوں میں بچے، بوڑھے اور عورتیں یکساں طور پر شامل ہیں۔ کسی کے ساتھ رحم کا برتاؤ نہیں کیا جا رہا، کوئی ان سے محفوظ نہیں ہے۔ صبح واپسی سے پہلے وہ اپنے ساتھ چند کم سن لڑکیوں کو بھی اٹھا کر لے جاتے ہیں، جن کے سر بعد ازاں کاٹ کر بارڈر کے اس پار، پاکستانی فوج کی جانب اچھال دیے جاتے ہیں۔

یہ ایک حادثہ تھا، روح فرسا، الم ناک۔ عوام میں غم و غصہ پایا جاتا ہے۔ بھارتیوں سے بدلہ لینے کے لیے سب کے دل مچل رہے ہیں۔ اس واقعہ کی خبر ایک مردِ مجاہد کو بھی ہوتی ہے۔ غیرت کا اپنا اپنا پیمانہ ہوتا ہے، ایمان کا بھی۔ کوئی دل میں غم و غصّہ برداشت کر کے رہ جاتا ہے، ہاتھ اور زبان سے کچھ نہیں کہتا۔ کسی کی غیرت اسے ٹھنڈے پیٹوں ہرگز ایسے واقعات برداشت کرنے نہیں دیتی۔ وہ مجاہد بارڈر کراس کرتا ہے، اور جب واپس لوٹتا ہے تو ایک ہندوستانی افسر کا سر لیے واپس آتا ہے جسے پھر وہ ضلع کوٹلی کے بازار میں شہدا کے لواحقین کے سینے ٹھنڈے کرنے کے لیے ان کے سامنے پیش کرتا ہے۔ یہ مردِ مجاہد کمانڈر الیاس کشمیریؒ تھے۔

★★★★★

لکھنے اور پڑھنے میں قصّے، کہانیاں بہت دلچسپ معلوم ہوتے ہیں۔ مگر یہ محض قصّے، کہانیاں تو نہیں۔ یہ تو آپ کے قریب و بعید کے ماضی کے چند جرأت مندانہ واقعات کی جھلکیاں ہیں۔ اسلامی معاشرے میں عزت اور غیرت دو بڑے خوبصورت الفاظ سمجھے جاتے ہیں۔ احادیث و فرامینِ رسول ﷺ کے مطابق تو ایک مسلمان کی عزت و حرمت کعبۃ اللہ کی حرمت سے بھی بڑھ کر ہے۔ پھر عورت تو صنفِ نازک ہونے کے سبب دنیا کے اکثر معاشروں میں عزت و تکریم اور لحاظ و رعایت کے قابل سمجھی جاتی ہے۔ اسلامی معاشرہ جو دنیا کی بہترین اخلاقی اقدار و روایات کا امین ہے، عورت کی عزت و حرمت کو اہمیت دے تو بے جا نہیں ہے۔ اسی لیے تو تاریخ اسلامی میں ایسے ان گنت واقعات ملتے ہیں کہ جب مسلمانوں کی تلواریں بے نیام ہوئیں اور خون میں نہا کر واپس پلٹیں؛ کیوں؟ صرف اس لیے کہ زمانے کے بد کرداروں نے کسی مسلمان عورت کے ساتھ بد تمیزی کرنے کی جرأت کی تھی۔ مگر افسوس کہ یہ روایت بھی اب غیرت مند مسلمان مردوں کی طرح ناپید ہوتی جا رہی ہے۔

آپ حیران ہو رہے ہیں؟! کیا کہا......؟ ہر سال دنیا آبادی میں اضافے کو روتی ہے اور ہم مردوں کے ناپید ہونے کی بات کر رہے ہیں!......جی نہیں! ہم مردوں کی جنس کی بات نہیں کر رہے کہ عورتوں کی نسبت وہ کم ہوتے جا رہے ہیں، نہیں...... آپ سمجھے نہیں، ہم تو دراصل مردوں کی ایک خاص قسم کے ناپید و نایاب ہونے کا رونا رو رہے ہیں، جو آج کی دنیا میں تو خال خال ہی نظر آتی ہے۔ ہزاروں کے مجمع میں چراغ لے کر بھی نکلو تو ایک بھی مردِ غیور ڈھونڈے سے نہ ملے...... آپ کو یقین نہیں آتا؟ آیئے خود جائزہ لے لیجیے......!

کشمیر، فلسطین، شام، مشرقی ترکستان، برما اور ہندوستان میں ہماری بہنوں کے آنچل چاک کر دیے جائیں اور مسلمان مرد کافروں کے گلے کاٹنے نہ نکلیں؟ ایسا کب ممکن تھا؟......امریکہ کی جیل میں صدیقِ اکبرؓ کی بیٹی عافیہ کے سر سے دوپٹہ چھین کر، اسے ہر قسم کی زیادتیوں کا نشانہ بنایا جائے اور مسلمان مرد ٹس سے مس نہ ہوں؟......ہندوستان کی تہاڑ جیل میں کسی آسیہ اندرابی کو طبی سہولیات سے محروم رکھا جائے، اور آپ پٹیشنیں ہی سائن کرتے رہیں؟......دہلی میں مقیم ۸۵ سالہ کسی اکبری بیگم کو اپنے مکان میں زندہ جلا دیا جائے مگر آپ اپنی 'برائٹ فیوچر' کی ضامن نوکری سے ہی چمٹے رہیں؟...... کنن پیشپورہ کے گاؤں کی کسی نیلوفر کی عصمت دری کر دی جائے اور آپ محض اس کی داستان اقوام متحدہ کے ایوانوں میں ہی سناتے رہ جائیں؟...... قاضی گنڈ کی کسی کشمیری ماں کو اس کے معصوم بچوں کے سامنے برہنہ کر دیا جائے، اور آپ فیس بکی دانشور بنے، فیس بک ہی کا محاذ سنبھالے رہیں مگر آپ کے ہاتھ اپنی بندوق کی طرف نہ بڑھیں؟...... ایسا کیسے ممکن تھا؟ ذرا بتایئے تو......! تاریخ اسلام سے کوئی ایک ہی مثال ڈھونڈ کر دکھا دیجیے کہ مسلمانوں نے کبھی اپنی عورتوں اور بچوں پر کیے گئے مظالم کی داستانیں خود کافروں کو ہی سنا کر تلافی کی امید رکھی ہو؟ وہ کون سے مسلمان حکمران تھے جو کافروں کو للکارنے کے بجائے خود انہی کے سامنے ہمدردی و تلافی کا کشکول پھیلاتے تھے؟ بھلے وہ ظالم ہوں، جابر ہوں، عیّاش ہوں......پر بے غیرت نہیں تھے! اور یہ آج کے مسلمان حکمران ہیں، جن کی تقریریں تو 'ایاک نعبد وایاک نستعین' سے مرصع ہیں مگر جن کا تلوار سے دور دور کا بھی کوئی واسطہ و تعلق نہیں ہے۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں لٹی پٹی بہنیں نظر نہیں آتیں......ان بہنوں کی فلک شگاف چیخیں تو سنائی نہیں دیتیں......انہیں نظر آتے ہیں تو بس اپنے چمکتے دمکتے محلات، امریکی آقا کی خوشنودی، اپنے اقتدار کا دوام...... کہ یہی سب تو ان کا مطمحِ نظر اور کل مقصودِ زندگی ہے۔ تبھی تو کافروں کو دھمکانے والی کوئی دھاڑ ان کے منہ سے نہیں نکلتی۔ نکلے بھی کیسے؟ جن کے سینوں میں گیدڑ کے دل ہوں، وہ لہجوں میں شیروں کی گرج کیسے پیدا کریں؟!

ہاں......ہم مایوس نہیں ہیں کہ گھٹاٹوپ اندھیارے میں بھی کہیں کہیں چمکتے ستاروں کی مانند کچھ مردِ آہن، کچھ غیور چہرے نظر آتے ہیں جو ہر قسم کے حالات میں (باقی صفحہ نمبر 75 پر)

یومِ 'آزادی'؟!

محمد راشد دہلوی

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

ایک ہاتھ میں پلاسٹک کا ترنگا اور دوسرے ہاتھ میں لڈو لیے خوشی خوشی ملک کی محبت کے گیت گاتے، جھومتے، قوم کے مسلمان بچے اپنے اپنے اسکولوں میں جشنِ آزادیٔ ہند مناتے، اس بات سے انجان و بے خبر کہ اسی ملک کے اژدھے ان کو نگلنے کو تیار بیٹھے ہیں۔ صبح سے ہی محلّوں میں خصوصاً گھروں کی چھتوں پر رونق کا سماں بندھ جاتا ہے۔ اس دن ملک کے نواسی (باسی) ملک کی آزادی کا اظہار پورا دن پتنگ اڑا کر کرتے ہیں۔ لال قلعہ، جو کل تک مسلمانوں کی فتح کی علامت تھا وہاں آج ملک کا دہشت گرد وزیرِ اعظم قوم سے خطاب کرتا ہے جسے مسلمان ٹی وی اسکرین پر بڑے ذوق و شوق سے دیکھتے ہیں۔ دس بارہ روز پہلے سے ہی ہندوستانی فضائیہ کے جنگی جہاز دہلی کی فضا میں کرتب دکھاتے ہیں اور مسلمانوں کو یہ پیغام دیتے ہیں کہ ہم آج ہیں اور تم کل تھے۔ ہزاروں کی تعداد میں آسمان کو چھوتے غبارے آسمان پر یہ نوشتہ کرتے ہیں کہ ۸۰۰ سال تک اس ملک پر حکومت کرنے والے شریعت کے پابند لوگ، آج ہمارے غلام ہیں۔ دہلی کی شاہی جامع مسجد، لال قلعے پر لہراتے ترنگے کو دیکھ کر خون کے آنسو روتی ہے۔

بظاہر خوش گوار معلوم ہونے والے ماحول میں ایک عجیب سی گھٹن محسوس ہوتی ہے۔ ساری ہنگامہ آرائیوں کے باوجود بھی چاروں طرف ویرانی دکھتی ہے۔ دل کی گھبراہٹ کو دور کرنے کے لیے میں مولوی صاحب کے پاس چلا گیا۔ مولوی صاحب کی گفتگو کا موضوع اکثر امت کی خستہ حالی پر ہوتا تھا۔ اس دن بھی مولوی صاحب نے امتِ مسلمہ کی حالت دیکھ کر بے حد دکھ کا اظہار کیا اور یوں فرمایا...... آج ہماری قوم کی کمزور حالت دیکھ کر غم و افسوس سے زیادہ حیرت ہوتی ہے کہ بھلا کوئی شخص اپنی بربادی پر جشن مناتا ہے؟ کہ بھلا کوئی شخص اپنے دشمنوں کے اقتدار پر خوش ہوتا ہے؟ ہمارا آزادی کا جشن منانے کا سبب کیا ہو سکتا ہے، جبکہ سن ۴۷ء سے اب تک مسلمانانِ ہند کی حالت بد سے بدتر ہو چکی ہے؟ ہمیں اس ملک میں دلتوں سے بھی زیادہ گرا ہوا شہری سمجھا جاتا ہے!!

مولوی صاحب نے اس دن یہ مشورہ کیا کہ آج کم از کم اپنے آس پاس کے محلے کے مسلمانوں سے اس حوالے سے بات کی جائے اور اس دن کے حوالے سے ان کے تاثرات جانے جائیں۔ ہم نے ان لوگوں سے سوچ کا تبادلہ کیا جن سے اب تک ہمارا تعلق دوستی، تجارت اور رشتے داری کا تھا لیکن اب ان میں سے اکثر سے ہمارا تعلق فکری بن گیا تھا۔ زیادہ تر مسلمانوں نے مولوی صاحب سے اتفاق کیا اور حقیقت کو مانا...... اس ایک دن کے مختصر دورے سے ہمیں اس بات کا اندازہ ہوا کہ لوگ اپنے مسائل سے واقف ہیں لیکن دنیا کی محبت، کیریئر، سٹیٹس، لائف سٹائل، بیوی / گرل فرینڈ اور بنگلہ و گاڑی کی شکل میں انھیں اسیر کیے ہوئے ہے۔

ہم جشن کیوں منائیں

لٹنے، کٹنے، پٹنے کے بعد خوش کیوں کر ہوا جائے......؟ ہماری مسجدیں یا کھنڈرات بنادی گئی ہیں یا مندر......، ذرا مجھے کوئی یہ تو بتلائے کہ میں جشن کیوں کر مناؤں؟! خوشی تو ان اقوام کے لیے ہے جو اس ملک میں ترقی کر رہی ہیں، جو یہاں پھل پھول رہی ہیں۔ جشن تو ان لوگوں کو منانا چاہیے جن کی معاشی، اقتصادی، ثقافتی اور مذہبی حالت پروان چڑھ رہی ہے۔ خوش تو ان کو ہونا چاہیے جو اپنی طاقت کو دن بدن بڑھا رہے ہیں۔ آزاد تو وہ لوگ ہوئے ہیں جو حکومت کرتے ہیں، اپنے مذہب کا تحفظ کرتے ہیں، اپنے لوگوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ غم و افسوس تو میری قوم کے حصے میں آیا ہے۔ کسی ایک میدان میں ہم نظر نہیں آتے۔ ہاں ہمارے یہاں اضافہ بھی ہوا ہے! اضافہ ہوا ہے غربت میں، مظلومیت میں...... ہم جشن اس وقت منائیں گے جب ہماری قوم ہر خطرے سے محفوظ ہو گی۔ جب ہماری قوم ترقی کرے گی۔

ہاں ہمیں محبت ہے!

ہماری محبت اللہ کے لیے ہے اور ہماری دشمنی بھی اسی رب کی خاطر ہے۔ ہندوستان سے ہمیں محبت ہے کیوں کہ یہاں زمین و آسمان، پہاڑ و چٹان، دریا و سمندر، جنگلات میرے رب کی حمد بیان کرتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کا حق اس وقت ادا ہو گا جب میرے رب کا نظام یہاں نافذ کیا جائے گا۔ اسی مٹی میں میرے آباؤ اجداد کا خون ملا ہے۔ ہزاروں علما و مجاہدین کے خون سے یہاں کے پہاڑ تر ہیں۔ کس چیز کی خاطر، نہ حکومت کی خاطر، نہ کسی شہر و علاقے یا ملک کی خاطر، نہ کسی زبان کی خاطر...... قربانی ہے تو صرف اور صرف میرے رب کے لیے، اس کا نظام لاگو کرنے کے لیے...... اس لیے مجھے ہندوستان سے محبت ہے...... میری محبت کا تقاضہ یہ نہیں کہ اس قلم و در کی عزت و احترام کروں جو میرے رب کے گھر کے خلاف فیصلہ سناتا ہے۔ ان قاتلوں کے سامنے ہاتھ کیوں کر جوڑوں جن کے ہاتھ لاکھوں مسلمانوں کے خون سے رنگے ہیں...... ہماری دوستی اور دشمنی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔

ایسے موقع پر عید الاضحیٰ

عید الاضحیٰ کا مبارک دن اپنے رب سے اظہار محبت کا دن ہے۔ مسلمان اپنے رب کی خاطر قربانی کرتے ہیں لیکن اس دن بھی کفار و کفار کے حواریوں کی طرف سے مشکلات، تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہندوستان میں بسنے والے مسلمان بھی ان مشکلات و تکالیف سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ ایک طرف یومِ 'آزادی' کے موقع پر ملک کی انتظامیہ، پولیس و فوج (باقی صفحہ نمبر 75 پر)

صفا و مروہ

نسیبہ ام حفص

وہ بے حد اضطراب میں تھی۔

وجہ شاید بچوں کی بیماری تھی، بالخصوص علی کی جو اس کا بڑا بیٹا تھا۔ لیکن بچے تو بیمار ہوتے ہی رہتے ہیں۔ جب پہلی دفعہ علی بیمار ہوا تھا تو وہ صرف تین ماہ کا تھا۔ بیماری کیا تھی بس موسم بدلنے کی وجہ سے تھوڑا نزلہ زکام ہوا تھا جو کہ علاج و دوائی کے بعد فوراً ہی ٹھیک ہو گیا تھا۔

لیکن اب اس کے اضطراب کی وجہ کچھ اور بھی تھی۔

وجہ صرف بچوں کی بیماری ہی نہیں بلکہ وہ حالات بھی تھے جن سے وہ سب گزر رہے تھے...... اپنے وطن سے دور، اپنے خون کے رشتوں سے دور، مہربان اور مشفق ساس سسر سے دور، پردیس میں ایک انصار کے گھر، دربدر۔ یہ دربدری تو ہے ہی اس راہ کا حصہ، لیکن یہ سب کچھ بھی اُتنا تکلیف دہ نہیں تھا جتنے گزشتہ تین ماہ میں پیش آنے والے حالات تھے۔ وہ تین مہینے پیچھے پہنچ گئی۔

وہ لوگ جس علاقے میں رہائش پذیر تھے، تین ماہ پہلے ان کو علم ہوا کہ ان کی موجودگی کی اطلاع دشمن تک پہنچ چکی ہے۔ فضا کے بدلتے رنگ، یعنی ڈرون کے روز بروز بڑھتے چکر بھی ان کے خدشات کی تصدیق کر رہے تھے، لیکن اللہ کی مرضی یہی تھی کہ ان کو آزمائش سے گزار کر کندن کر دے کیونکہ جب ان کو اس بات کا اندازہ ہوا کہ دشمن ان کی تاک میں ہے تب تک برف باری کا موسم، بلکہ برف باری کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ اس قدر بے حساب برف پڑی کہ مقامی لوگ تک حیران تھے۔ برف کی زیادتی کے ساتھ ساتھ اس کا دورانیہ بھی بے حد طویل ہو گیا تھا۔ وہ مہینہ کہ جس میں مقامی لوگوں کے مطابق ”ہمارے جانور اس مہینے میں پہاڑوں میں چرنے جاتے ہیں“، اس میں دو ڈھائی فٹ برف پڑی تھی۔ ایسے موسم میں گاڑی یا موٹر سائیکل تو در کنار، پندرہ منٹ پیدل چلنا بھی محال تھا، وہ بھی تین چھوٹے بچوں کے ساتھ......

”اماں“ علی درد سے کراہ رہا تھا۔ پیٹ میں بہت درد ہو رہا ہے، میرے ساتھ باہر چلیں۔ وہ بچے کو رفع حاجت کے لیے باہر لے آئی۔ آج بھی بیماری میں بالکل فرق نہیں آیا تھا۔ علی کو خونی پیچش ہو رہی تھی۔ آج چوتھا دن تھا۔ اس نے کھانا پینا سب کچھ چھوڑ رکھا تھا۔ ہر وقت نڈھال سا پڑا رہتا تھا۔ اپنی اور باقی بچوں کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی۔ شدید سردی اور پے در پے سفروں نے سب ہی کو بیمار کر ڈالا تھا لیکن علی کی بیماری کی وجہ سے وہ سب کچھ بھلائے بیٹھی تھی۔ وہ رات کو دو تین دفعہ درد سے چیخ کر اٹھتا تھا اور رفع حاجت کے لیے ماں کو بھی ساتھ جانا پڑتا تھا۔

جب شروع میں علی کی طبیعت خراب ہوئی تو اس نے ہمیشہ کی طرح وہ چند دوائیاں جن کا کہ اسے علم تھا کہ وہ ایسی صورتِ حال میں فائدہ مند ثابت ہو سکتی ہیں، دے ڈالیں۔ اڑتالیس گھنٹے گزرنے کے بعد بھی جب کوئی فرق نہیں پڑا تو اس نے مجبوراً انجکشن دیے۔ لیکن انجکشن کے چوبیس گھنٹے گزرنے کے بعد بھی کچھ افاقہ نہ ہوا۔ یہاں اکثر سیلف میڈیکیشن ہی کرنی پڑتی ہے کیونکہ اول تو یہاں ہر جگہ ڈاکٹر تک رسائی ممکن ہی نہیں ہوتی ہے دوسرا یہاں کے ڈاکٹروں کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہوتا اس لیے خود ہی اندازہ کر کے دوائیوں سے کام چلانا پڑتا تھا۔ ابھی پھر سے خون سے بھری اجابت دیکھ کر اسے شدید مایوسی نے آگھیرا تھا۔

اس نے یکایک خود کو انتہائی بے بس پایا۔ جب سے ان کے گھر پر فضا خراب ہوئی تھی یعنی ڈرون کے سائے منڈلانے شروع ہوئے تھے، اس نے خود کو قرآن سے جوڑ لیا تھا۔ قرآن کے ترجمہ و تفسیر سے بنیادی واقفیت تو تھی ہی مگر وہی جیسے اکثریت کا حال ہوتا ہے کہ کبھی قرآن سے دوری تو کبھی اچھا تعلق۔ تو پچھلے کچھ دنوں سے اس نے قرآن کو مضبوطی سے تھام لیا تھا۔

ویسے بھی ڈرون کی شدت اور آس پاس پڑتے چھاپوں کی اطلاعات کے بعد دل جیسے بالکل اچاٹ سا ہو گیا تھا۔ بھوک ختم، بچوں کی پڑھائی ختم کہ کیا پتا کس وقت نکلنا پڑ جائے۔ اس گھر سے ایک دم وحشت ٹپکنے لگی تھی۔ ایسے میں اگر قرآن کا سہارا نہ ہوتا تو اس کے اعصاب کب کے جواب دے چکے ہوتے۔

اس گھر سے، جہاں ڈرون نے ان کا پیچھا پکڑ لیا تھا، نکلنا بھی ایک معجزہ معلوم ہوتا تھا۔ ڈرون کی مستقل آواز اعصاب تھکائے دیتی تھی۔ اس کو یاد تھا کہ اگر کبھی بچپن میں بھی گھر کی بجلی چلی جاتی تھی تو مچھروں کے کاٹنے سے زیادہ ان کی بھنبھناہٹ اذیت دیتی تھی۔

چھاپے سے دو دن پہلے مغرب کے کچھ دیر کے بعد ڈرون کی آواز جیسے ہی تھمی تھی وہ دو لوگ گویا فرشتہ بن کر ان کی مدد کو آن پہنچے تھے۔ ”آپ نکلیں جلدی سے۔ ابھی ڈرون نہیں ہے اور باہر مکمل اندھیرا ہے، اگر کوئی اس وقت زمینی جاسوسی بھی کر رہا ہو گا تو اس کو علم نہیں ہو پائے گا“۔

جب سے زیادہ حالات خراب ہوئے تھے بچوں کو وہ عصر سے ہی گرم کپڑے پہنا کر تیار کر دیتی تھی تاکہ اگر یکایک نکلنا پڑے تو مشکل نہ ہو۔ ضروری سامان کی دو بوریاں بنا لی تھیں کیونکہ سردیوں کی وجہ سے بچوں کے لیے زیادہ کپڑوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

”سامان کیسے جائے گا“؟ اس نے شوہر سے پوچھا۔ ”ابھی نکلنے کی فکر کرو۔ صرف انتہائی ضروری وہ چیزیں لے لو جنہیں تم ہاتھ میں اٹھا سکتی ہو...... ہمیں پیدل جانا ہے“۔ وہ چونکی ضرور تھی لیکن زیادہ حیران نہیں ہوئی کیونکہ باہر جس قدر برف پڑی تھی اس میں گاڑی کا چلنا محال تھا۔

سامان کی بوریاں وہیں چھوڑیں اور بچوں کو جلدی جلدی ڈبل کپڑے پہنا دیے۔ ہاتھ کے بیگ میں صرف چھوٹے حمزہ کے کپڑے، کچھ ڈائپر اور دوائیاں رکھ لی تھیں۔ بالکل چپ چاپ وہ گھر

سے باہر نکل آئے۔ پہلی دفعہ اپنے وطن کو چھوڑ کر ہجرت کرنے سے لے کر نجانے کتنی مرتبہ "وَأُخۡرِجُوا مِن دِيَارِهِمۡ"[1] سے گزرنا پڑا تھا، جس میں نہ آگے کا کوئی ٹھکانہ پتہ ہوتا تھا اور نہ واپسی کی کوئی امید ہوتی تھی۔ لیکن پھر بھی ہر دفعہ اس طرح گھر چھوڑنے پر ذرا سی کسک تو ہوتی ہی تھی کیونکہ سینے میں دھڑکتا دل بہر حال انسانی تھا اور جذبات پر حد درجہ قابو آجانے کے باوجود دل پتھر تو نہیں ہوا تھا۔

گھر سے نکلنے سے پہلے اس نے اپنے شوہر کی سرگوشی میں کی گئی ہدایت سنی تھی، "کوشش کرنا بچے راستے میں بالکل آواز نہ نکالیں اور ٹارچ بالکل مت جلانا، حمزہ کو تم اٹھانا، میں سارہ کو لے لیتا ہوں۔ اور وہ جو خوراک کی تھیلی ہے وہ میں پکڑ لوں گا"۔

علی پیدل چل سکتا تھا۔ ایک تھیلی میں کچھ ضروری کھانے پینے کی چیزیں تھیں، وہ شوہر کو پکڑائیں۔ یوں سرد تاریکی میں یہ خاموش سفر شروع ہوا۔ وہ ایک گھنٹے تک پیدل چلتے رہے۔ برف کہیں کم کہیں زیادہ تھی مگر اس کا احساس جیسے ختم ہو گیا تھا۔ آج پتا چلا کہ جان بچانے کے لیے انسان کیسے بھاگتا ہے۔ ایک ہاتھ میں دس ماہ کا بچہ اور دوسرے میں ایک چھوٹا بیگ اٹھائے جب وہ انصار کے گھر تک پہنچے تو اس کے ہاتھ شل ہو چکے تھے۔ علی چپ چاپ آکر بیٹھ گیا تھا البتہ سارہ چیخ چیخ کر رو رہی تھی، "اماں میرے ہاتھ سردی سے برف ہو گئے ہیں"۔ سارہ کے رونے کی آواز سے وہ خیالات کی دنیا سے باہر آئی۔ بچوں کو سلایا۔ آج صبح انصار کی لڑکی نے اسے تسلی دی تھی کہ اگر شام تک علی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہوئی تو وہ ضرور ڈاکٹر کے پاس لے جانے کا انتظام کر دیں گے۔ 'تاسو خفانہ شی' (تم پریشان نہ ہو) اس لڑکی نے مسکرا کر تسلی دی۔

کبھی کبھی حیرت بھی ہوتی تھی۔ پیچھے (اپنے وطن میں) جب کبھی بچے بیمار ہوتے تھے تو ہر طرح کی تدابیر اختیار کی جاتی تھیں؛ ڈاکٹر، دوائیاں، ٹیسٹ......، رشتہ دار فون کر کر کے پوچھتے تھے، خیریت معلوم کرتے تھے، پھر بھی پریشانی میں سب کے سامنے رونا آہی جاتا تھا۔ مگر اب تو لگتا تھا کہ آنسو تو گرنا ہی بھول گئے تھے، اب تو بس پریشانی میں نیند اور بھوک دونوں ہی اڑ جاتی تھیں۔

ایک دم ہی تنہائی کا احساس بڑھنے لگا۔ پشتو بول بول کر تھک چکی تھی۔ بہت دل چاہتا تھا کہ کوئی ہم زبان مل جائے جس سے ساری باتیں کر لیں۔ یہ غرمہ یعنی دن کے گیارہ بجے کا وقت تھا۔ یہ انصار کے آرام کا وقت ہوتا ہے۔ بچے تو ویسے ہی سوئے پڑے تھے، بیماری کے باعث نڈھال جو تھے، اس نے اپنا مصحف اٹھایا جو پچھلے سال سے اس کے ساتھ ساتھ رہتا تھا، اب بھی وہ اپنے ساتھ لانا نہ بھولی تھی۔

اس نے تلاوت شروع کی......

وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقۡتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمۡوَاتٌۢ بَلۡ أَحۡيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشۡعُرُونَ۝ (سورۃ البقرۃ: ۱۵۴)

"اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو، وہ زندہ ہیں مگر تمہیں اس کا شعور نہیں۔"

اے کاش! میں شہید ہی ہو جاتی۔ بچوں سمیت ہم سب ہی شہید ہو جاتے!!

اس نے آرزو کی تھی۔ شہدا کو ملنے والے انعامات اس کی نظروں کے سامنے گھومنے لگے۔ سارے دکھ، تکلیفیں ختم......

وَلَنَبۡلُوَنَّكُم......

"اور دیکھو ہم تمہیں آزمائیں گے ضرور......"

تو محترمہ شہادت ایسے ہی نہیں مل جاتی۔ مقبولیت ایسے ہی نہیں مل جاتی۔ آزمائشوں کے سلسلے سے گزرنا پڑتا ہے......

قرآن نے اسے سمجھانا شروع کر دیا تھا۔ یہی تو اعجاز ہے اس کتاب کا کہ ہر طرح کے حالات میں روشنی اور ہدایت دیتی ہے۔

بِشَيۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَالۡجُوعِ......

"(کبھی) خوف سے اور (کبھی) بھوک سے......"

اور بے اختیار خوف کی وہ بہت ساری راتیں اسے یاد آگئیں جب ڈرون ساری ساری رات ان کے گھر کے اوپر چکر لگاتا رہتا تھا۔ بعض دفعہ اس کی گھوں گھوں دماغ کو جھنجھنا کے رکھ دیتی تھی۔ ایسی ہی ایک رات ان کے گھر کے قریب کہیں چھاپہ پڑا تھا۔ ساری رات ڈرون بہت نچلی پرواز کرتا رہا۔ دشمن سے دفاع کی خاطر مرد اپنا اسلحہ لیے پہاڑی غاروں کا رخ کر چکے تھے، لیکن وہ عورت ان یخ بستہ برفیلی راتوں میں تین ننھے بچوں کے ساتھ کہاں جاتی؟...... جب بھی ڈرون نچلی پرواز کرتا تو اسے لگتا کہ ابھی کوئی بم پھینک کر دروازہ توڑے گا اور کافر اس کے بچوں کو وہیں بے یارو مددگار چھوڑ کر اسے گرفتار کر کے لے جائیں گے۔ اسے جھرجھری سی آجاتی۔ اسی خوف نے، اسی ڈرون نے اس رات اس کے اندر موت، آخرت، حشر اور قبر کے خوف کو پوری طرح بیدار کر دیا۔ شاید اس نے اپنی پوری زندگی میں موت اور آخرت کو اتنا یاد نہیں کیا ہو گا جتنا اس رات اور اس کے بعد آنے والی راتوں میں کیا تھا۔ إِذۡ جَاءُوكُم مِّن فَوۡقِكُمۡ وَمِنۡ أَسۡفَلَ مِنكُمۡ وَإِذۡ زَاغَتِ الۡأَبۡصَارُ وَبَلَغَتِ الۡقُلُوبُ الۡحَنَاجِرَ......[2]، اب سمجھ میں آیا تھا۔

[1] سورۃ آل عمران: ۱۹۵؛ ...فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخۡرِجُوا مِن دِيَارِهِمۡ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنۡهُمۡ سَيِّئَاتِهِمۡ وَلَأُدۡخِلَنَّهُمۡ جَنَّاتٍ تَجۡرِي مِن تَحۡتِهَا الۡأَنۡهَارُ ثَوَابًا مِّنۡ عِندِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِندَهُ حُسۡنُ الثَّوَابِ۝ ترجمہ: "سو جنہوں نے ہجرت کی اور جو اپنے گھروں سے نکال دیے گئے اور جنہیں میری راہ میں ایذائیں پہنچائی گئیں اور جنہوں نے (میری راہ میں) جنگ کی اور جانیں بھی دے دیں میں لازماً ان سے ان کی برائیوں کو دور کر دوں گا اور لازماً داخل کروں گا انہیں ان باغات میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور یہ بدلہ ہو گا اللہ کے پاس سے اور بہترین بدلہ تو اللہ ہی کے پاس ہے"۔

[2] سورۃ الاحزاب: ۱۰؛ ترجمہ: "یاد کرو جب وہ تم پر تمہارے اوپر سے بھی چڑھ آئے تھے اور تمہارے نیچے سے بھی اور جب آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آ گئے تھے، اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کی باتیں سوچنے لگے تھے"۔

اور وہ چھاپے کی رات......! وہ اپنے گھر سے نکل کر کہیں پناہ لینے میں کامیاب تو ہو گئے تھے لیکن اس کے پورے دو دن بعد دشمن نے ان کے گھر پر چھاپہ مارا تھا۔ بچے تو حسب معمول جلد ہی سو گئے تھے لیکن اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ پھر ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے ڈرون کی کریہہ آواز کو ہیلی کاپٹروں اور جیٹ کی بھیانک آوازوں نے ڈھانپ لیا۔ بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ ان سب آوازوں نے مل کر ایک بھیانک ماحول بنا ڈالا۔

جیسے ہی ہیلی کاپٹروں کی آواز فضا میں چھائی، وہ جائے نماز پر کھڑی ہو گئی۔ دل میں تسلی تو تھی کہ ہم دشمن کی پہنچ سے دور ہیں لیکن دشمن کا خوف بہر حال اثر رکھتا ہے۔

فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَىٰ ○ (سورۃ طٰہٰ: ۶۷)

"اس پر موسیٰ کو اپنے دل میں کچھ خوف محسوس ہوا......"

وہ نماز، وہ خوف کی نماز بھی شاید ایسی تھی جو اپنی پوری زندگی میں اس رات نصیب ہوئی تھی اور اس پر مستزاد ارد گرد ہونے والے دھماکوں کی آوازیں......

وہ پڑھتی رہی، چپ چاپ بے آواز آنسو بہاتی رہی۔ قرآن نے اس کا جمود توڑ دیا تھا۔

وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ......

"(کبھی) مال و جان اور پھلوں میں کمی کر کے......"

چھاپے میں کئی چیزیں چوری ہو گئی تھیں......

وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ○ (سورۃ البقرۃ: ۱۵۵)

"اور جو لوگ (ایسے حالات میں) صبر سے کام لیں ان کو خوش خبری سنا دو۔"

اس نے پھر اپنا جائزہ لیا۔ چھاپے میں گم ہو جانے والی چیزوں کا ملال دل سے جاتا ہی نہ تھا۔ اس سے آگے کی آزمائشوں کی تاب نہ تھی، اس لیے اس حد تک ہی آزمایا تھا۔ ہم تو ویسے بھی اپنے رب سے ہمہ پہلو عافیت ہی کے طلب گار ہیں۔ صرف آزمائش سے گزرنا ہی کامیابی کی ضمانت نہیں بلکہ اس پر صبر بھی لازم ہے، ورنہ کچھ اجر نہیں ہے، سب کچھ بے کار ہے۔ صبر شرط ہے آزمائش میں سرخروئی کے لیے......

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ[1]

ہمیشہ کی طرح وہ اسی طرح گزرنے لگی کہ یہ مناسک حج کی آیات ہیں۔ ہم ان آیات کو ہمیشہ حج و قربانی سے ہی کیوں وابستہ کرتے ہیں؟ یکایک اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا اور روشنی پھیل گئی۔ اس روشنی میں اسے حضرت ہاجرہ نظر آئیں......

حضرت ہاجرہ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ جا رہی ہیں۔ گود میں ننھا سا بچہ ہے۔ چلتے چلتے ویران بیابان آ گیا۔ دور دور تک کوئی نظر نہیں آتا ہے۔ بالآخر پوچھ بیٹھتی ہیں کہ آپ ہمیں کہاں چھوڑے جا رہے ہیں؟ جب تسلی بخش جواب نہیں ملتا تو صرف اتنا پوچھتی ہیں کہ کیا آپ ہمیں اللہ کے حکم سے یہاں چھوڑے جا رہے ہیں؟ جواب اثبات میں ملنے پر پورے یقین سے کہتی ہیں کہ "اللہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا"۔ ابراہیمؑ چھوڑ کر چلے گئے۔ چند کھجوروں اور پانی کی ایک چھاگل کے ساتھ۔ تنہائی، ویرانہ، نہ آدم نہ آدم زاد...... وہ چند کھجوریں اور ذرا سا پانی کتنا ساتھ دیتے؟

وہ سوچنے لگی اور اس کا دل کانپ گیا۔ اس ویرانے میں ہاجرہ اس بچے کے ساتھ کیسے رہی ہوں گی کہ جہاں مرد بھی تنہا رہنا گوارا نہ کرے؟

اس نے اپنے ارد گرد دیکھا اور ڈھیروں شکر ادا کیا کہ میں تنہا نہیں ہوں۔ ہم زبان نہیں تو کیا انسان تو موجود ہیں!!

اسماعیلؑ بھوک اور پیاس سے رو پڑتے ہیں۔ ادھر ہجرت کی زندگی میں کئی مواقع ایسے آئے تھے جب شوہر کی غیر موجودگی میں پانی بھر بھر کر لانا پڑتا تھا اور وہ ایک اچھا خاصا مشقت طلب کام لگتا تھا۔ اور اگر سرے سے پانی ہی نہ ہو تو؟؟؟

اسماعیل بلک رہے ہیں اور ہاجرہ پانی کی تلاش میں ہیں کہ جس کا دور دور تک کوئی نشان نظر نہیں آتا ہے۔ صفا سے مروہ...... مروہ سے صفا...... پھر صفا سے مروہ...... ہمت نہیں ہارتیں، کوشش نہیں چھوڑتیں، بالآخر اللہ تعالیٰ آزمائش ختم کر کے اسماعیلؑ کی ایڑیوں تلے پانی کا چشمہ جاری کر دیتے ہیں۔ حضرت ہاجرہؑ کتنی خوش ہوئی ہوں گی؟!

وہ چشم تصور سے دیکھنے لگی۔ ہجرت سے پہلے بھی اور بعد میں بھی یہ آیات پڑھی تھیں۔ ہاجرہ اور ابراہیم علیہ السلام کا قصہ سنا بھی تھا اور پڑھا بھی تھا مگر ایسے سمجھ میں نہ آیا تھا۔

ع سمجھنا خود کو نہ کم تر، تمہیں امت کی مائیں ہو

یا اللہ!!! اس راہ میں ایسا حوصلہ...... ایسا صبر...... اور ایسا یقین درکار ہے!! شاید اسی لیے آزمائشوں کے ذکر کے بعد صفا و مروہ کا ذکر آیا ہے۔ جتنی کڑی آزمائش، اس سے گزرنے پر اتنی ہی زیادہ قبولیت...... سعیٔ صفا و مروہ کے بغیر حج نامکمل ہے۔ (باقی صفحہ نمبر 21 پر)

اعلان از ادارہ

مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' کے تمام معزز لکھاریوں سے التماس ہے کہ اپنے مضامین ہر ماہ کی تیس (30) تاریخ تک[1] مجلّے کی مجلسِ ادارت تک (بذریعۂ ای میل یا جو طریقۂ رابطہ کاری آپ سے طے ہو) پہنچا دیا کیجیے۔

شکریہ، جزاکم اللہ خیراً کثیراً!

[1] مثلاً اگر آپ ستمبر ۲۰۲۰ء کے شمارے کے لیے مضمون بھیجنا چاہتے ہیں تو اسے تیس (30) اگست ۲۰۲۰ء تک مجلّے کی مجلسِ ادارت تک پہنچا دیجیے۔

[1] سورۃ البقرۃ: ۱۵۸؛ ترجمہ: "بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں"...

داعش کے خلاف جنگ کی روداد

امارتِ اسلامیہ افغانستان کے دستوں میں شامل ایک مہاجر مجاہد کے قلم سے

حافظ معاذ بدر

ساتھی کا مائن پر چڑھنا

ابھی طالبان کو گئے گھنٹہ ہی ہوا ہو گا امیر صاحب بھاگتے ہوئے آئے۔ انہوں نے بتایا کہ ایک ساتھی تلاشی کے دوران مائن پر چڑھ گیا ہے، جلدی کریں اس کو اٹھانے کے لیے بندے چاہییں اور وہ اپنے ساتھ کچھ ساتھی لے کر چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد مخابرہ پر پیغام ملا کہ زخمی کو اٹھانا مشکل ہے چارپائی بھجوائیں، امیر صاحب نے مجھے ایک اور مقامی طالب کو چارپائی دے کر بھیج دیا۔ ہم جونہی چارپائی لے کر نالے میں پہنچے باقی ساتھ زخمی کو لے کر آچکے تھے۔ ابھی ہم چارپائی لے کر پہنچے ہی تھے کہ امریکی ہیلی کاپٹر آگئے۔ طالبان نے زخمی ساتھی کو ایک طرف کیا اور ادھر ادھر بکھر گئے۔ عجیب پریشانی بن چکی تھی۔ سمجھ نہیں آرہی تھی کیا کیا جائے کیونکہ ایک زخمی کی وجہ سے کئی لوگوں کے شہید ہونے کا خطرہ تھا، خیر تھوڑی دیر ہیلی کاپٹر گھومنے کے بعد چلے گئے۔ اس کے جانے کے بعد ہم نے زخمی کو چارپائی پر ڈالا اور چل پڑے۔ تھوڑا سا آگے لے کر زخمی کو گئے ہوں گے کہ ہیلی کاپٹر پھر آگئے۔ شاید ان کو مخابرے کے ذریعے سے پتا چل چکا تھا کہ ان کا ساتھی زخمی ہو گیا ہے۔ اس لیے ہسپتال تک اس کی رسائی مشکل بنا رہے تھے۔ الحمد للہ، تھوڑی دیر بعد ہیلی کاپٹر چلے گئے۔ رات بھی صحیح ٹھنڈی تھی اور چارپائی کو لے جانے کی جگہ بالکل بھی نہیں تھی ہم بحالت مجبوری ٹھنڈے یخ پانی میں چل رہے تھے۔ کبھی زخمی کی چارپائی رکھتے کبھی اٹھاتے۔ ہم بھی تھک چکے تھے اور بے چارے زخمی کی درد سے بری حالت تھی۔ اس کا پاؤں تقریباً اڑ چکا تھا، پچھلے مورچے والوں کو مخابرہ پر اطلاع بھیجی کہ ہمارے ساتھ زخمی ہے اس کو آگے وصول کر لو۔ تھوڑا ہم آگے گئے تو کچھ دیر بعد دیگر طالبان آگئے۔ نے زخمی ان کے حوالے کر دیا وہ اس کو آگے لے کر چلے گئے اور ہم واپس دوبارہ مرکز آگئے۔ تھوڑی دیر بعد پتا چلا کہ ایک اور طالب مائن پر چڑھ گیا ہے اس کو بھی طالبان بڑی مشکل سے لے کر گئے۔

داعشیوں کی بدبختی

جس چیز کا خطرہ تھا وہی ہوا۔ جنگ میں یہ تکفیری ٹولہ کہیں تک بھی جا سکتا ہے۔ انہوں نے گھروں سے نکلتے ہوئے پورے گھروں کو بارود سے بھرا کوئی چیز ایسی نہیں ہو گی جس میں انہوں نے بارود نہ بھرا ہو۔ پریشر ککر، پانی کے کین، کیتلیاں، غرض باورچی خانے میں میں رکھا ہر ایک برتن بارود سے بھرا ہوا تھا۔ آخر میں اس کا کنکشن کمرے میں رکھی بیٹری سے جوڑا ہوا تھا۔ یہ تو اللہ نے بچایا کہ طالبان تلاشی کے دوران بچ گئے کہ طالبان جا کے پہلے کنکشن کاٹتے تھے پھر داخل ہوتے۔ ان بدبختوں نے بدبختی کی انتہا کر دی۔ رب کے گھر کو بھی معاف نہیں کیا۔ امارت کے انتہائی اہم عسکری مسئول ابو یوسف (ادریس مولوی صاحب) مسجد کے اندر داخل ہوئے تو مسجد میں لائٹ کا بٹن جونہی آن کیا تو وہ مائن کے کنکشن سے جڑا ہوا تھا۔ وہ اور ان کے ساتھ کچھ ساتھ ادھر ہی شہید ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

امارت کے ذمہ دار کا شہید ہونا

امریکی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے کہ داعش کی پسپائی کو روکا جائے۔ اس کے لیے وہ اقدام بھی کر رہے تھے۔ ابھی ہم رات کو زخمی چھوڑ کر واپس آئے تو یہ اطلاع ملی کہ وزیر و تنگی کی طرف آتے ہوئے راستے میں غزنی صوبے کے ضلع قرہ باغ کے کماندان خالد مولوی صاحب پر ڈرون حملہ ہوا جس میں وہ شہید ہو گئے۔

وزیر تنگی کا فتح ہونا

رات کو کچھ علاقہ کلیئر ہو گیا۔ یہ رات کو تعارض (اقدامی حملے) سے آنے والے مجاہدین نے بتایا کہ صرف اس کا آخری کونا بچ گیا ہے وہ بھی کلیئر ہو جائے گا۔ ہماری باری ختم ہو گئی، ہم اب دوبارہ شام کو مرکز آگئے۔ ہم ابھی مرکز میں پہنچے ہی تھے کہ شام کو خبر آگئی کہ وزیر و تنگی (یعنی وزیر و گھاٹی) مکمل فتح ہو گئی ہے۔

رات کی تلاشی میں ساتھی انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے ذمہ دار کو مخابرے پر بتایا کہ عورتیں اور بچے خچروں پر سامان لاد رہے ہیں۔ تو کماندان نے کہا ان سے ہمیں کوئی سروکار نہیں ان کو جانے دو جہاں جاتے ہیں۔ وزیر و تنگی میں ایک جگہ طالبان تلاشی کے دوران گھر میں گھسے تو وہاں ایک عورت اور دو بچے ملے۔ عورت سے جب پوچھا گیا تو وہ کشمیر سے آئی ہوئی تھی۔ اس کا شوہر اس کو چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ جب وہ طالبان کے پاس آئی تو طالبان نے اس کو کہا کہ جہاں آپ جانا چاہتی ہیں ہم آپ کو چھوڑ دیں گے۔ لیکن وہ کھانا بھی نہیں کھاتی تھی، شاید اسکو صدمہ (shock) پہنچا تھا۔ صرف دوائیوں پر اکتفا کرتی تھی۔ بیچاری تیسرے دن فوت ہو گئی۔ باقی اس کے بچے بچ گئے۔ طالبان ان کو کشمیر میں ان کے لواحقین تک چھوڑنے کے لیے ان کے رشتہ داروں سے کشمیر میں رابطے کی کوشش کر رہے تھے۔

داعشیوں کا تسلیم ہونا

ابھی ہم وزیر و تنگی سے پہنچے ہی تھے کہ شام کو ریڈیو پر خبر سنی کہ کئی داعشی تسلیم ہو گئے ہیں۔ ان میں ایک سو بتیس بچے، اسّی مرد اور کئی خواتین بھی شامل تھیں۔ ایک داعشی جنگجو 'لیمر' ٹی وی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہتا ہے کہ ان تسلیم ہونے والوں میں تقریباً تمام وسطی ایشیائی......

(باقی صفحہ نمبر 18 پر)

محمد کاشف شہیدؒ

محمد کاشف / ملاسفیان کے بارے میں احساسات

عمر فاروق خراسانی

شہر کراچی سے تعلق رکھنے والے محمد کاشف بھائی کا جہادی نام سفیان تھا۔ آپ نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔ آپ کو اللہ پاک نے فطرت سلیمہ عطا فرمائی تھی۔بہت جلد ہی آپ کو اس بات کا ادراک ہو گیا کہ ان سکولوں کی تعلیم دنیا و آخرت سنوارنے میں معاون نہیں ہو سکتی بلکہ ان ڈگریوں کا حصول تو فقط دنیاوی کامیابی کا بھی ضامن نہیں۔

کاشف بھائی نے عصری تعلیم کو خیر باد کہا اور قرآن و حدیث کے علم کے حصول کے لیے مدرسہ میں داخلہ لیا۔ آپ نے کراچی کے دو مشہور مدارس سے ۸ سال تک دل جمعی سے تعلیم حاصل کی۔ یہیں آپ نے علم و اخلاق اور زندگی کے اصل مقصد سے آگاہی حاصل کی۔ یہی علم آپ کا اوڑھنا بچھونا بن گیا تھا۔ آپ ہر وقت تلاوت قرآن اور مطالعہ کتب حدیث اور فقہ میں مگن رہتے۔ ہفتے میں ایک دن جب گھر آتے تو یہاں بھی آپ نماز کے سوا گھر سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ آپ کو حصول علم سے کچھ ایسا شغف ہوا کہ گھر میں رہتے ہوئے بھی زیادہ تر وقت مطالعے میں صرف کر کے اپنی علمی پیاس بجھانے میں مصروف رہتے۔ حصول علم کا یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا، یہاں تک کہ ملک پاکستان پہ قابض امریکی غلاموں نے مدارس کے نصاب میں تبدیلی کا حکم جاری کیا۔ دراصل یہ نصاب کی تبدیلی نہ تھی بلکہ یہ قرآن عالی شان اور کتب احادیث میں موجود جہادی آیات اور احکام و تحریض جہاد پر مبنی احادیث میں من مانی تاویلات کا حکم نامہ تھا۔

مجاہدینِ اسلام اور جہاد سے محبت تو آپ کو پہلے سے ہی تھی۔ آپ نے مجاہد ساتھیوں کے کہنے پہ ہی اپنا تعلیمی سلسلہ جاری رکھا ہوا تھا مگر پاکستان میں تیزی سے پھیلتے الحاد اور لادینیت کی فضا نے آپ کا دل ہر چیز سے اچاٹ کر دیا۔ آپ نے ساتھیوں سے رابطہ کیا اور ان کے سامنے اپنے دل کا درد پیش کیا کہ اب مجھ سے نہیں رہا جاتا۔ میرے اندر اتنی طاقت نہیں کہ میں رب کعبہ کے دربار میں کھڑے ہو کر جواب دے سکوں کہ جب میرے ارد گرد قرآنی احکام کا مذاق اڑایا جا رہا تھا تو میں نے اس ظلم کے خلاف کیا کیا؟ ساتھیوں نے آپ کو بہت سمجھایا کہ بھائی تھوڑا وقت ہے یعنی دو سال اور ہیں بس آپ وہ پورے کر لیں، مگر آپ نے صاف انکار کر دیا کہ بھائی مجھے فتنے میں مت ڈالیں، میری کوئی ترتیب بنائیں، بس مجھے اب جہاد فی سبیل اللہ میں عملی طور پر شریک ہونا ہے۔ آپ کے بے حد اصرار پہ ساتھیوں نے آپ کی ترتیب بنائی اور یوں آپ نے پہلی بار ۲۰۱۳ میں وزیرستان میں موجود القاعدہ برصغیر کے معسکرات کا رخ کیا۔

آپ نے اپنی ابتدائی عسکری تربیت جماعت قاعدۃ الجہاد برصغیر کے بزرگ قائد حاجی ولی اللہ (عمران صدیقیؒ) شہید کے زیر نگرانی چلنے والے معسکرات سے حاصل کی۔ ابتدائی تربیت کے بعد آپ نے مختلف دورات (کورس) میں حصہ لیا۔ تقریباً ایک سال بعد ملک پاکستان کی لعین

فوج نے وزیرستان میں مجاہدین کے خلاف ضرب کذب آپریشن شروع کر دیا۔ اسی دوران امرائے جہاد نے آپ کو کچھ ضروری کام دے کر پاکستان بھیجنا چاہا مگر آپ نے معذرت کر لی۔ آپ امرائے جہاد سے معذرت کرتے ہوئے کہنے لگے کہ خدا کے لیے مجھے نیچے نہ بھیجیں، مجھے نہیں جانا اس پر فتن معاشرے میں جہاں ایمان بچانا مشکل ہو گیا ہے۔ امرائے جہاد نے انہیں بہت سمجھایا کہ یہ جہادی امور صرف آپ ہی انجام دے سکتے ہیں، مگر ان کا یہی کہنا تھا کہ بھائی اگر میں فتنوں کا شکار ہو گیا تو کیا آپ لوگ اللہ کو جواب دیں گے؟

امرائے جہاد کے اصرار پہ آپ پاکستان گئے۔ وہاں پہنچے تو ایک نئی آزمائش سر اٹھائے کھڑی تھی۔ جب آپ اپنے کزن کے پاس پیغام دینے گئے تو اس وقت غلام ایجنسیوں کے کارندے مجاہدین کا سراغ لگانے میں مصروف تھے۔ جگہ جگہ چھاپے اور گرفتاریاں ہو رہی تھیں۔ آپ کے کزن بھی شہر چھوڑ چکے تھے۔ اتنے سخت حالات میں بھی آپ کے عزم و ہمت میں کچھ کمی نہ آئی۔ آپ اپنا کام پورا کر کے ایک رات کے لیے اپنے گھر گئے۔ آپ کی والدہ نے آپ کو دیکھا تو خوشی اور خوف کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ آپ سے ملیں۔ ماں کی ممتا نے بے چین و بے قرار ہو کر پوچھا کہ بیٹا! کہاں جاؤ گے، ہر طرف گرفتاریوں و شہادتوں کا سامنا ہے؟ آپ نے اک عجیب غیرت ایمانی سے سرشار جواب دیا۔ آپ نے اپنی ماں سے کہا: اے ماں! آپ نے مجھے کس کے حوالے کیا تھا؟ ماں کہنے لگیں: بیٹا! میں نے تو تمہیں اللہ کے سپرد کیا تھا، بیٹا گویا ہوا کہ امی جان! تو پھر غم نہ کریں، میں اسی کے پاس جا رہا ہوں جو ہمارا حامی و ناصر ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے واپس خراسان کا رخ کیا۔

آپ بہترین اخلاق، صبر و استقامت، قربانی و ایثار کی صفات سے مزین اور ساتھیوں سے ہنسی مذاق گپ شپ کرنے والے تھے۔ آپ خدمت کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ قرآن پاک سے آپ کو خصوصی شغف تھا، اپنے وقت کا اکثر حصہ تلاوت قرآن پاک اور ذکر و اذکار میں صرف کرتے۔ آپ غیبت اور لایعنی باتوں سے ہمیشہ اپنا دامن بچانے کی کوشش کرتے۔

میدان جہاد میں آپ مختلف محاذوں پہ دشمنان دین کے خلاف کئی کارروائیوں میں شریک رہے۔ آپ نے اپنی آخری تشکیل بلوچ مجاہدین کے ساتھ گزاری۔ یہ تشکیل صوبہ ہلمند کے ضلع خانشین میں تھی۔ خانشین تشکیل سے پہلے آپ نے اپنا سارا سامان نکال کر مجاہدین کے سامنے رکھ دیا کہ جس نے جو لینا ہے لے لے۔ ساتھیوں نے اس پہ تعجب کا اظہار کیا تو آپ فرمانے لگے کہ یہ میری آخری تشکیل ہے، مجھے یقین ہے کہ اب یہاں سے میری واپسی نہ ہو گی،

اس مرتبہ مجھے شہید ہو جانا ہے، میری شہادت کا وقت قریب آچکا ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے سامان ساتھیوں میں تقسیم کیا اور مقتل گاہ کی جانب روانہ ہوئے۔

آپ نے خانشین کے علاقے کڑم میں اسلام دشمن فوج پہ کئی کارروائیاں کیں۔ یہاں مجاہدین اکثر و بیشتر دشمن پہ چھوٹی موٹی کارروائیاں کرتے رہتے ہیں۔ آج بھی مجاہدین نے افغان ملی آرمی اور ان کے امریکی آقاؤں کے خلاف ایک کارروائی پہ جانا تھا۔ دوپہر کے بعد مقامی کماندان آئے اور ساتھیوں کا انتخاب کرنے لگے۔ قسمت ایسی کہ اس روز سفیان بھائی بیمار تھے اور اپنے بستر پہ تھے۔ جب آپ نے کارروائی کا سنا تو امیر صاحب سے کہنے لگے کہ میں بھی جاؤں گا۔ انہوں نے کہا کہ بھائی آپ بیمار ہیں، آج یہیں مرکز میں رہیں، آئندہ چلے جائیے گا۔ عزم و ہمت کے پیکر سفیان بھائی کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ خفیف و ثقیل سب کو نکلنے کا امر ہے تو پھر میں کیوں نہ نکلوں؟ اللہ رب العزت کا حکم ہے:

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○(سورۃ التوبۃ:۴۱)

"(جہاد کے لیے) نکل کھڑے ہو، چاہے تم ہلکے ہو یا بوجھل، اور اپنے مال و جان سے اللہ کے راستے میں جہاد کرو۔ اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔"

ساتھ ہی امیر صاحب سے فریاد کرنے لگے کہ خدارا مجھے جانے دیجیے۔ آپ مجھے جو اسلحہ دینا چاہیں، جس جگہ رہنے کا کہیں گے میں اسی جگہ رہنے کو تیار ہوں، بس مجھے دشمن پہ ضرب لگانے کا موقع دیں۔ بالآخر آپ کے جذبۂ قتال اور شوق شہادت کے سامنے امیر صاحب کو ہتھیار ڈالنے ہی پڑے۔ یوں آپ اس کارروائی کے لیے منتخب کیے گئے۔ اللہ کے یہ سپاہی اللہ سے مدد و استعانت طلب کرتے ہوئے عدو اللہ پہ قہر بن کے ٹوٹ پڑے۔ یہ جنگ کئی گھنٹے جاری رہی۔ اس جنگ میں اللہ کے دشمن ذلیل ہوئے جبکہ مجاہدین کو اللہ نے سرخ رو کیا۔ اس کارروائی میں دشمن کے نقصان کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ کارروائی ہوتے ہی ڈرون، جیٹ اور ہیلی کاپٹر جابجا شیلنگ و بمباری کرنے لگے۔ مجاہدین کارروائی کامیابی سے مکمل کر کے واپس لوٹ کر آرام و استراحت کی غرض سے ایک خالی مکان میں پہنچے۔ مگر رب کعبہ نے تو آپ کو ابدی راحتوں والے گھر کے لیے منتخب کر لیا تھا۔ فضا میں منڈلاتے ابلیسی جاسوس طیاروں نے آپ لوگوں پہ کڑی نظر رکھی ہوئی تھی۔ جب رات کو آپ لوگ محو خواب ہوئے تو جیٹ طیاروں نے پورے گاؤں (یہ گاؤں خالی تھا) پہ بمباری شروع کر دی۔ جس مکان میں آپ لوگ موجود تھے وہ بھی بمباری کا نشانہ بنا اور آپ اپنے ۹ ساتھیوں سمیت رب سے کیے گئے وعدے کو وفا کر کے سوئے جناں روانہ ہوئے (نحسبهم كذالك والله حسيبهم)۔

آپ سب کی شہادت کے بعد بھی طیارے فضا میں گردش کرتے رہے۔ شہدا کی کرامت تو دیکھیے کہ ان کے اجساد کو تقریباً ڈیڑھ دن بعد وہاں سے نکالا گیا تو اس وقت بھی تمام شہدا کے جسموں سے تازہ خون بہہ رہا تھا اور فضا ایک نرالی خوشبو سے معطر تھی۔ آپ کا جسم اطہر کئی ٹکڑوں میں بٹا ہوا تھا۔ آپ کے چھوٹے بھائی نے آپ کے جسد کو اٹھایا اور آخری آرام گاہ کی جانب منتقل کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کی ٹانگ پنڈلی سے کٹی ہوئی تھی۔ میں نے ان کا جوتا اتارا اور انہیں سپرد خاک کر کے اپنے مرکز آگیا۔ شہدا کے جوتے ہم نے مرکز میں رکھ لیے۔ اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیں کہ ایک ہفتہ گزرنے کے بعد بھی ان کے جوتوں سے بھینی بھینی خوشبو آرہی تھی اور ہر شہید کے جوتوں سے آنے والی مہک دوسری سے منفرد اور الگ تھی۔

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! اللہ کی راہ میں کوئی زخم نہیں لگتا مگر وہ (زخم کھانے والا) قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے خون کا رنگ تو خون جیسا ہو گا اور اس کی خوشبو مشک جیسی ہو گی۔(بخاری و مسلم)

★★★★★

آج قتال دنیا کے ہر مسلمان پر فرض عین ہے!

"میری ناقص رائے میں کوئی بھی نیک عمل ترکِ جہاد کے وبال سے معافی دلانے کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ چاہے آپ دعوت و تبلیغ کے کام میں مصروف ہوں یا تالیف و تصنیف کے کام میں مصروف ہوں یا دینی تعلیم و تربیت کے کام میں۔ ان میں سے کوئی عمل بھی جہاد ترک کرنے کا باعث نہیں ہو سکتا۔ میری ناقص رائے میں آج کرہ ارض پر موجود ہر مسلمان کے گلے میں ترکِ جہاد کے وبال کا طوق ہے۔ یعنی قتال فی سبیل اللہ کی عبادت نہ کرنے کا گناہ اور بندوق نہ اٹھانے کا بوجھ اس کی گردن پر ہے، اِلا یہ کہ وہ میدانِ جہاد کا رخ کر لے۔ ہر وہ شخص جو بغیر کسی شرعی عذر کے اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے اس حال میں جا کر ملا کہ اس نے کبھی ہاتھ میں بندوق نہ اٹھائی ہو تو وہ گناہ کا بوجھ اپنی گردن پر لادے اللہ کے حضور پیش ہو گا؛ کیونکہ وہ قتال کی عبادت ترک کیے بیٹھا ہے اور آج قتال دنیا کے ہر مسلمان پر فرض عین ہے!"

(مجددِ جہاد فضیلۃ الشیخ عبد اللہ عزام شہید رحمۃ اللہ علیہ)

شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی

حافظہ ام حیدر

دین اسلام ایک ایسا کامل اور مکمل دین ہے جس نے ہر ایک مرد و عورت، بچے بوڑھے سب کے لیے احکام وضع کر دیے ہیں۔ اولاد کا برتاؤ والدین کے ساتھ کیسا ہونا چاہیے یا والدین پر اولاد کے کیا حقوق ہیں، میاں بیوی کے آپس میں تعلق کی بات ہو یا مرد و عورت کے درجات کی بات ہو کہ عورت حقوق میں مرد کے مساوی ہے یا اس سے کم ہے سب کو کھول کھول کر واضح کر دیا۔ اسلام سے قبل کے معاشرے میں عورت چنداں اہمیت کی حامل نہ تھی۔ عورت کا وجود باعث عار سمجھا جاتا تھا، تبھی پیدا ہوتے ہی زندہ در گور کر دی جاتی تھی۔ اور آج بھی اسلام سے بے گانہ معاشروں میں عورت کا بدترین استحصال کیا جاتا ہے، حتیٰ کہ بعض مذاہب میں اب بھی نومولود بچی کو اس ڈر سے زندہ در گور کر دیا جاتا ہے کہ یہ کل کو خاندان و برادری کا سر شرم سے جھکانے کا سبب نہ بن جائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مکہ میں ہم لوگ عورتوں کو بالکل ہیچ سمجھتے تھے، مدینہ میں نسبتاً ان کی قدر تھی۔ جب اسلام آیا اور ان کے (حقوق سے) متعلق آیتیں نازل ہوئیں تو ہمیں ان کی قدر و منزلت معلوم ہوئی۔ اسلام نے صرف یہ نہیں کیا کہ ان کے چند حقوق متعین کر دیے بلکہ انسان ہونے میں مردوں کے مساوی درجہ دے کر انہیں انسانیت کی تکمیل کا ذریعہ قرار دیا۔ اسلام نے عورت کو جو قدر منزلت عطا کی وہ نتائج کے اعتبار سے دیگر اقوام اور مذاہب سے یکسر مختلف ہے۔

ساری دنیا اپنی تاریخ پر ناز کرتی ہے لیکن اگر ان سے ان کی اپنی تاریخ میں صنف نازک کے کارناموں کی بابت دریافت کیا جائے تو ایک خاموشی نظر آتی ہے اور اگر مذہبی اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو اس کے اوراق بھی اپنی مقدس خواتین حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا اور ہارون علیہ السلام کی بہن کے ایمان افروز کارناموں کے ذکر سے خالی نظر آتے ہیں۔ اس کے برخلاف اسلام نے جن پردہ نشینوں کو اپنے سایۂ عاطفت میں پناہ دی ان کے کارنامے تاریخ کے صفحات پر جابجا بکھرے نظر آتے ہیں۔ مذہبی کارنامے ہوں یا سیاسی، علمی میدان ہو یا کہ عملی، اولاد کی تربیت سے متعلق بات ہو یا قرآن و حدیث کی حفاظت و ترویج سے متعلق... ان تمام اور دیگر کئی شعبوں میں دورِ صحابیاتؓ سے لے کر آج تک ہماری عفت مآب مائیں، بہنیں اور بیٹیاں اپنا حصہ پیش کرتی نظر آتی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس دور کی باکباز صحابیات دین کے ہر ایک معاملہ میں پیش پیش تھیں۔ دینی خدمات میں سب سے اہم جہاد ہے؛ اگر ہم تاریخ کے اوراق سے گزرتے ہوئے میدان جنگ سے متعلق پڑھتے ہیں تو ام عمارہؓ مجاہدین کی صفوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ڈھال بنی کھڑی نظر آتی ہیں اور دشمنوں کے وار اپنے اوپر سہہ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بچاتی ہیں۔ مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ میں انہوں نے اس پامردی سے مقابلہ کیا کہ بارہ زخم آئے اور ایک ہاتھ بھی کٹ گیا۔ اور یہ وہ دور تھا کہ جس میں جراحی اور علاج کے جدید اسلوب اور تکلیف کو کم کرنے والی ادویات ایجاد نہیں ہوئی تھیں۔ لہٰذا تلوار اور نیزوں کے زخم کھانے کی صورت میں یا تو عضوِ مجروح کو ہی کاٹ ڈالا جاتا تھا یا اسے کھولتے ہوئے گرم تیل سے داغ دیا جاتا تا کہ انفیکشن کا خطرہ نہ رہے۔ جنگ خندق میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا یہودی کو قتل کرتی نظر آتی ہیں اور اسماءؓ بنت یزید نے تو ایک خیمے کی چوب سے نو رومیوں کو جہنم واصل کیا تھا۔ اس کے علاوہ مختلف خدمات کی انجام دہی کے لیے صحابیات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ میدان جنگ میں پائی جاتی تھیں۔ زخمیوں کی مرہم پٹی اور انہیں پانی پلانے کی خدمت سے لے کر شہدا کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل بھی کرتی تھیں۔ حضرت عائشہ اور ام سلیط رضی اللہ عنہما نے جنگ احد میں مشکیزے بھر بھر کر زخمیوں کو پانی پلایا، ام سلیم اور چند انصاری خواتین نے زخمیوں کی تیمارداری کی۔ جنگ یرموک میں حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے پرجوش اشعار کے ذریعے مسلمانوں کو غیرت دلائی۔

اشاعت اسلام ہو تو اس میں بھی صحابیات نے اپنا حصہ پیش کیا۔ مرادِ نبی حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ اپنی بہن فاطمہؓ کی وجہ سے مشرف بہ اسلام ہوئے، ام سلیم کے کہنے پر ابوطلحہؓ اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے اور عکرمہؓ بن ابوجہل اپنی بیوی ام حکیمؓ کے سمجھانے پر مسلمان ہوئے۔ سیاسی معاملات میں شفاءؓ بنت عبداللہ اس درجہ صائب الرائے تھیں کہ حضرت عمرؓ ان سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ علمی کارنامے ہوں تو ان میں بھی خواتین بڑی حد تک چھائی ہوئی ہیں۔ ازواج مطہرات میں حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ اور حضرت حفصہؓ قرآن کریم کی حافظات تھیں۔ فرائض (فن میراث) میں حضرت عائشہ خاص مہارت رکھتی تھیں۔ بڑے بڑے صحابہ ان سے فرائض کے متعلق دریافت کرتے تھے۔ حدیث میں حضرت عائشہ و ام سلمہ دیگر صحابیات سے ممتاز تھیں۔ فن تفسیر میں بھی حضرت عائشہ خاص کمال رکھتی تھیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا لحن کے ساتھ قرآن پڑھنا جانتی تھیں اور خاص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز پر قرآن پڑھ سکتی تھیں۔ بعد کے زمانہ میں حضرت حفصہ بنت سیرین قرآن کے قواعد سے بخوبی واقف تھیں۔ جب ابن سیرین رحمہ اللہ کو کسی آیت کے پڑھنے کے متعلق کچھ گمان ہوتا کہ اس کو کیسے پڑھا جائے تو وہ حفصہ بنت سیرین کے پاس بھیجتے اور کہتے کہ جاؤ دیکھو کہ حفصہ اس کو کیسے ادا کرتی ہے، تم بھی ویسے ہی ادا کر لینا۔ لکھنے میں حضرت شفاء بنت عبداللہ کو خاص مہارت تھی، اگرچہ حضرت حفصہ ام کلثوم بنت عقبہ بھی لکھنا جانتی تھیں۔ حضرت اسماء بنت عمیسؓ فن تعبیر جانتی تھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے خوابوں کی تعبیر پوچھتے تھے۔ ان کے علاوہ بھی صحابیات مختلف فن مثلاً تجارت، صنعت، کاشتکاری، دباغت جیسے کاموں سے آشنا تھیں اور انہیں سرانجام دیتی تھیں۔

صرف اسی پر ہی بس نہیں بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر اگر دیکھا جائے تو دنیا کے ہر کامیاب مرد کے پیچھے آپ کو ایک عورت کا ہاتھ نظر آتا ہے۔ کہیں وہ ہاتھ آپ کو بیوی کی شکل میں نظر آتا ہے تو کہیں ایک ماں کے روپ میں، کہیں ایک بیٹی کی حسین صورت میں نظر آتا ہے تو کہیں بہن کی محبت بھری شکل میں۔ اسلام نے عورت کو صرف ماں کے روپ میں ہی نہیں بلکہ ہر ایک شکل میں سراپا رحمت بنایا۔ دینی معاملات ہوں یا دنیوی ہر دو میں عورتیں مردوں کی معاون رہی ہیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایسے وقت میں مدد کی کہ جب جبرئیل امین غار حرا میں آپ کے پاس اولین وحی لے کر آئے اور آپؐ سے کہا: اقرا، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ فرشتے نے پھر دوبارہ کہا: اقرا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر کہا کہ میں پڑھا ہوا ہی نہیں ہوں، پھر جبرئیل علیہ السلام نے آپؐ کو زور سے بھینچا اور چھوڑ دیا اور پھر کہا کہ اقرا، پھر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا اور گھر تشریف لائے تو ہیبت و جلال سے لبریز تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: مجھے چادر اوڑھاؤ، چادر اوڑھاؤ۔ حضرت خدیجہؓ نے چادر اوڑھائی۔ جب تھوڑا افاقہ ہوا تو آپ نے حضرت خدیجہ سے سارا واقعہ بیان کیا۔ اس پر حضرت خدیجہ نے آپ کو ان الفاظ میں تسلی دی کہ اللہ آپ کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، بے کسوں کی معاونت کرتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور مصائب میں حق کا ساتھ دیتے ہیں۔ حضرت خدیجہ نے آغاز نبوت میں نہ صرف آپ کی تصدیق کی بلکہ ایک طرف اخلاقی و جذباتی لحاظ سے آپ کی سب سے بڑی معاون ثابت ہوئیں دوسرا اپنے مال کے ذریعے انہوں نے اسلام کو تقویت دی۔ اس زمانے میں کفار آپ کو تکالیف پہنچانے سے جو تھوڑا بہت ہچکچاتے تھے تو اس کی ایک وجہ ابو طالب کی پشت پناہی کے ساتھ ساتھ حضرت خدیجہ کا مکہ میں اثر ورسوخ بھی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جس سال آپ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا، اس سال کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عام الحزن قرار دیا۔ یوں آپ صلی اللہ وسلم کی نبوت کے ابتدائی دور میں معاون و غم گسار کی صورت میں بیوی کی شکل میں حضرت خدیجہ کا ہاتھ نظر آتا ہے۔

اگر بیٹی کے روپ میں دیکھیں تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب غار ثور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ روپوش تھے تو ایسے وقت میں ان دونوں حضرات کو کھانا پہنچانے کی ذمہ داری حضرت اسماء رضی اللہ عنہ کی تھی۔ ایک دن کھانا دے کر واپس آرہی تھیں کہ راستہ میں ابو جہل ملا اور کہا کہ بتا تیرا باپ کہاں ہے؟ کیونکہ وہ جہاں ہو گا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی وہاں ہوں گے۔ لیکن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے نہیں بتایا اس پر ابو جہل نے انہیں تھپڑ مارا مگر پھر بھی حضرت اسماء نے زبان نہ کھولی۔ یوں ایک بیٹی نے اپنے باپ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دین کے دشمنوں سے بچانے میں اپنا کردار ادا کیا۔

اسی طرح امام مالک رحمہ اللہ کی بیٹیوں کے بارے میں آتا ہے کہ وہ حدیث کی حافظہ اور عالمہ تھیں۔ جب امام مالک رحمہ اللہ مسجد نبوی میں درس حدیث دیا کرتے تھے تو وہ پردے کے پیچھے بیٹھ کر حدیث سنا کرتی تھیں۔ جہاں کوئی طالب علم حدیث کے پڑھنے میں غلطی کرتا تو وہ پردے کے پیچھے سے کھٹکھٹاتیں جس پر امام مالک رحمہ اللہ سمجھ جاتے کہ پڑھنے والے نے غلطی کی ہے۔

اگر بہن کی صورت میں دیکھا جائے تو عمر ابن خطاب کے ایمان لانے کی وجہ ان کی بہن فاطمہ بنت خطاب بنیں گو کہ وہ مراد نبی تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا تھے کہ اے اللہ! عمر بن خطاب یا عمرو بن ہشام میں کسی کو بھی ایمان کی دولت عطا فرمادے، لیکن ظاہری سبب جس کی وجہ سے وہ مشرف بہ اسلام ہوئے وہ ان کی بہن تھیں کہ جن کا اسلام لانا اور اس پر ان کی استقامت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل کو نرم کیا۔

اور ماں کے روپ میں دین کی معاون و مددگار اگر تلاش کریں تو ایک نہیں کئی واقعات ملیں گے۔

ماں کی عظمت کو ترازو میں نہ تولو
ماں تو ہر دور میں انمول رہی ہے

ماں تو ایک ایسی عظیم ہستی ہے جو اپنے بچے کی پہلی درس گاہ ہے۔ یہاں ایک ایسی تربیت ہوتی ہے جو دنیا کے کسی کالج یا یونیورسٹی میں مہیا نہیں۔ یہاں قول سے نہیں عمل سے تربیت ہوتی ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ ماں دین دار ہو، اللہ اور اس کے رسول کے احکامات سمجھنے والی ہو، اولاد کے حقوق اور تربیت کے وصف سے بھی واقف ہو کہ کس مقام پر کس طرح کا برتاؤ رکھنا ہے، اس کو سمجھنے والی ہو، ذہانت و دور اندیشی رکھتی ہو، اور یہ سب حاصل ہو گا دین کو پڑھ کر سمجھ کر، ہم سے پہلے جو مسلمان خواتین گزری ہیں ان کے کارناموں کا مطالعہ کر کے۔

مولانا پیر ذوالفقار نقشبندی صاحب فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کے دو بچے ہوں، ایک بیٹا اور ایک بیٹی، اور اس کے وسائل اتنے نہ ہوں کہ وہ دونوں کو بیک وقت تعلیم دلوا سکے (ذہن میں رکھیے مراد دین کی تعلیم ہے جو فرض ہے) تو اس کو چاہیے کہ پہلے بیٹی کو تعلیم دلوائے، کیونکہ مرد پڑھے فرد پڑھے، عورت پڑھے خاندان پڑھے۔

ماں کی گود ایک ایسا مدرسہ ہے کہ اس میں پڑھایا جانے والا سبق ذہن کی میموری میں ایسا ثبت ہو جاتا ہے کہ اس کے لیے مستقل یاددہانی اور دہرائی کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ بچوں کی پرورش و تربیت کے نتیجے میں جو صعوبتیں اٹھانی پڑتی ہیں وہ ایک ماں ہی سمجھتی ہے کہ جس کی نہ نیند اپنی، نہ آرام، نہ کھانا اپنے وقت پر نہ سونا، اس کا ہر کام اس کے بچے کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ پس اے ماؤں! جو محنت تو کر ہی رہی ہیں، ذرا ایک قدم اور بڑھائیے، آپ کی گود میں پلنے والا بچہ ایسا گوہر نایاب ہے جو اس امت کا مستقبل ہے اس لیے ذرا محتاط رہتے ہوئے اس کی تربیت کیجیے۔ اگر اپنے بچے کو صلاح الدین ایوبی و محمد بن قاسم بنانا ہے تو پھر آپ کو اپنے اوپر بھی محنت کی ضرورت ہے اور اپنے آپ کو خولہ و خنساء رضی اللہ عنہا جیسے کرداروں میں ڈھالنے کی ضرورت ہے۔

قادسیہ کی جنگ میں حضرت خنساء نے اپنے چاروں بیٹوں کے ساتھ میدان جنگ میں شرکت کی اور بیٹوں کو بلا کر کہا کہ اے میرے بیٹو! کل جب سورج طلوع ہو تو دشمن کے ساتھ جنگ کے لیے کمربستہ ہو جاؤ اور خوب جنگ کرو اور جب دیکھو کہ لڑائی میں تیزی آگئی ہے اس کے شعلے بھڑک رہے ہیں تو اس میں کود پڑو۔ بیٹے ماں کے کہنے کے مطابق ثابت قدمی کے ساتھ لڑے اور جام شہادت نوش کیا۔ جب ماں کو بیٹوں کی شہادت کی خبر ملی تو کہنے لگیں کہ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے شہیدوں کی ماں بنایا اور مجھے امید ہے کہ میرا رب ہمیں جنت میں اکٹھا کرے گا۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے نام گرامی سے کون ہے جو واقف نہیں، ان کی کتاب الصحیح البخاری وہ ہے جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے ان کی والدہ ایک نیک اور معزز خاتون تھیں۔ ان کے والد کا نام اسماعیل تھا جو ایک متقی اور جلیل القدر عالم تھے اور امام مالک کے شاگردوں میں سے تھے۔ ان دونوں میاں بیوی نے اپنے بیٹے کا نام محمد رکھا۔ بچے کی پیدائش کے کچھ ہی عرصہ بعد اسماعیل وفات پاگئے۔ ماں کی خواہش تھی کہ میرا بیٹا بڑا ہو کر ایک جلیل القدر عالم دین بن کر افق عالم پر چمکے، لیکن ان کی حسرت و یاس کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا جب انہیں یہ پتہ چلا کہ بچپن میں ہی یہ بچہ اپنی بینائی سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے۔ اب ماں کو ایک ہی فکر دامن گیر تھی کہ میرا بچہ کیسے علم حاصل کرے گا اور کیسے علم کے حصول کے لیے دور دراز کا سفر کرے گا۔ اب اس ماں کے سامنے ایک ہی راستہ تھا جس کے ذریعے اس کی خواہش کی تکمیل ممکن تھی؛ اس نے اپنا دست دعا دونوں جہانوں کے پروردگار کے سامنے پھیلا دیا اور مسلسل دعائیں مانگنے لگی۔ ایک مدت تک ایسا ہی رہا۔ ایک دن انہوں نے عجیب خواب دیکھا۔ خواب میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نظر آئے اور کہا کہ اے ماں! تیری کثرت دعا کے سبب اللہ نے تیرے بیٹے کی بینائی واپس لوٹا دی۔ جب والدہ نیند سے بیدار ہوئیں تو بیٹے کی بینائی واپس آچکی تھی۔ بے ساختہ ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے: اے ہمارے پروردگار! پریشان حال لوگوں کی دعائیں تیرے سوا کون سن سکتا ہے اور کون ہے جو بندوں کی تکلیفیں دور کر سکتا ہے۔ انہوں نے اپنے بچے کی تعلیم و تربیت پر بہت محنت کی۔ اللہ نے اس بچہ پر علم و فنون کے دروازے کھول دیے اور پھر آگے چل کر یہ بچہ امام المحدثین محمد بن اسماعیل البخاری بنا جنہیں دنیا امام بخاری کے نام سے جانتی ہے۔

مائیں بہت عظیم ہوا کرتی ہیں۔ ماں کی دعاؤں کے سبب انسان ترقی اور بلندی کے زینے طے کرتا ہے۔ دور حاضر کی اے ماں! تیرے بچے کا مستقبل تیرے ہاتھ میں ہے۔ محنت بھی، تربیت بھی، تعلیم بھی سب کچھ تجھ سے ہی وابستہ ہے۔ یہ سب کرنے کے ساتھ وہ در تیرے لیے بھی کھلا ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ کی والدہ نے چنا تھا، تو بھی اسی در پر جھک جا، اسی سے مانگ۔ یہ ایک ایسا در ہے جس پر جانے والے کبھی ناامید نہیں ہوا کرتے۔

آج بھی ہم جب کسی شخص کو کامیابی کے زینہ پر چڑھتا ہوا دیکھتی ہیں تو اس کی اپنی لگن کے ساتھ ساتھ ماں کی دعائیں بھی ہوتی ہیں جو اس کی منزل کو آسان کرتی ہیں۔ کسی امام کعبہ کے بارے میں مشہور ہے کہ جب چھوٹے تھے اور شرارتیں کرتے تھے تو ماں غصہ میں بھی بد دعا دینے کی بجائے یہ کہتیں کہ جا اللہ تجھے کعبہ کا امام بنائے۔ کہتے ہیں کہ ماں کی دعا نے مجھے اس مقام تک پہنچایا۔ تیری گود میں پرورش پانے والا یہ بچہ بھی کل کا صلاح الدین ایوبی اور محمد بن قاسم بن سکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ تو بھی اپنے آپ کو خولہ و خنساء رضی اللہ عنہما جیسا بنا لے اور صحابیات اور نیک و پاکباز خواتین کے اسوۂ حیات کو مشعل راہ بنالے اور اپنے رب سے اپنا تعلق مضبوط کرلے۔

احمد شاہ ابدالی کی والدہ کا نام اماں زرغونہ تھا۔ بہت دین دار اور نیک خاتون تھیں۔ دل میں غیرت ایمانی رکھتی تھیں۔ جب ہندوستان میں مرہٹوں نے غلبہ حاصل کیا تو بڑھتے بڑھتے اٹک تک جا پہنچے۔ اس وقت قندھار میں مقیم احمد شاہ ابدالی نے جرگہ طلب کیا اور مشورے کے بعد طے پایا کہ ایک قلعہ تعمیر کیا جائے۔ ابھی بات چیت جاری تھی کہ اندر سے احمد شاہ ابدالی کا بلاوا آگیا۔ جا کر دیکھا تو والدہ بہت غصہ میں کھڑی تھیں۔ کہا کہ بیٹا! میں نے تجھے اس دن کے لیے پالا تھا کہ مرہٹوں سے مقابلہ کی بجائے قلعہ تعمیر کر کے بیٹھ جائے؟ کاش میں تجھے نہ پالتی۔ احمد شاہ ابدالی نے ماں سے معافی مانگی اور ہندوستان روانہ ہوا اور پانی پت کے مقام پر مرہٹوں کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ تاریخ میں جن جن فاتحین کا نام چمکا ہے ان کے پیچھے ان کی ماں کی ہمت افزائی کارفرما ہے۔

الغرض عورت کا وجود ہر ایک اعتبار سے سراپا رحمت ہے، خیر و برکت ہے، ماں ہو بہن ہو بیٹی ہو، ہر اعتبار سے اللہ نے اسے محترم بنایا۔ بیٹی بنا کر اسے گھر کی رونق بنایا تو ماں بنا کر اس کے قدموں تلے جنت رکھ دی۔ بیوی بنا کر شوہر کی ہمدرد و ہم راز بنایا۔ بہن بنایا تو بھائیوں کی محبت اس کے دل میں پیدا کر دی۔ دین اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جو کامیابی کی ضمانت ہے جس کو مکمل طریقے سے اپنا کر چلنے والا ہی کامیابی کی راہ پر گامزن ہے۔ مرد ہو یا عورت اس کی فلاح و کامیابی اسی دینِ محمدی سے وابستہ ہے۔ دنیا کے کسی مذہب میں عورت کو وہ مقام حاصل نہیں جو مذہب اسلام نے اسے عطا کیا۔ تو اے میری بہنو! اپنا تن من دھن سب اسی دین پر فدا کر دیجیے۔ اپنے آپ کو اسی دین کی اشاعت و حفاظت میں کھپا دیجیے اور اپنی اولاد پر بھی اسی طرز سے محنت کیجیے کہ دین اسلام ہی ان کا اوڑھنا بچھونا بن جائے اور اس کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگانا ان کے لیے آسان ہو جائے۔

پنجابی کے اشعار ہیں:

مالی دا کم پانی دینا، بھر بھر مشکاں پاوے
مالک دا کم بَھل بُھل لانا، لاوے یا نہ لاوے

کہ مالی کا کام تو صرف مشکیں بھر بھر کر پودوں کو پانی دینا ہوتا ہے، اس پر پھل لگانا یا نہ لگانا یہ مالک الملک کے اختیار میں ہے۔

اسی طرح تربیت آپ کی ذمہ داری ہے اور اس کے ثمرات رب العالمین کے ہاتھ میں ہیں۔ دعا ہے رب العالمین سے ہمیں اور ہماری اولاد کو صحیح معنوں میں پکا سچا مومن بنادے، آمین۔

☆☆☆☆☆

سحر ہونے کو ہے

بنتِ طبیب

’وہ دیکھو! وہ اچھی جگہ ہے...... اس درخت کے ساتھ کھڑے ہوئے میری فوٹو کھینچو‘، نور نے جویریہ کو اشارے سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

’اچھا چلو......‘، وہ فوراً تیار ہو گئی۔

’نور! ہاجر! جویریہ!...... ہم لوگ پہاڑ پر چڑھنے لگے ہیں......‘، ابو بکر نے انہیں آواز دی، مگر وہ اس وقت اپنی سیلفیاں لینے میں مصروف تھیں۔ ابو بکر، عبادہ، سعد اور مصعب پہاڑ پر چڑھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ انہوں نے بھی سیدھا راستہ چھوڑ کر جس جگہ سے چڑھنا شروع کیا تھا وہ ایک سیدھی، عمودی چڑھائی تھی، جہاں سہارے کے لیے پکڑنے کو کوئی جھاڑی بھی نام کو نہ تھی۔

’احمد! لڑکوں سے کہیں زیادہ اوپر نہ جائیں‘، اماّں نے فکر مندی سے ان چاروں کو دیکھتے ہوئے بابا جانی سے کہا۔ اِدھر انہوں نے یہ کہا، اُدھر تیزی سے اوپر کو چڑھتے ہوئے سعد کا پاؤں پھسلا۔

’یااللہ خیر......!!‘۔

پہاڑ کا فرش صنوبر کے درختوں سے جھڑنے والے، سوئی کی طرح نوکیلے اور لمبے پتوں سے مکمل طور پہ ڈھکا ہوا تھا۔ سعد جو ڈھلوان کے بالکل کنارے پر کھڑا تھا، پاؤں پھسلنے سے کمر کے بل گر گیا تھا اور اب ان خشک پتوں پر تیزی سے پھسلتا چلا جا رہا تھا۔ بظاہر دیکھنے میں ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ ایک لمبی سلائڈ لیتا ہوا نیچے کو جا رہا ہو، مگر ان سب کو پتہ تھا کہ نیچے ایک اندھی کھائی اس کی منتظر ہے، اور وہ سب ہی دم سادھے اسے نیچے کو پھسلتا دیکھ رہے تھے۔

’عبادہ!!...... مصعب!! سعد کو پکڑو!!‘، بابا جانی زور سے چلّا رہے تھے، وہ اور مرتضیٰ صاحب دونوں ہی بھاگتے ہوئے پہاڑ پر چڑھ رہے تھے، مصعب اور عبادہ بھی سعد کے پیچھے جانا چاہتے تھے لیکن وہ دونوں خود بھی ایسے مقام پر پھنسے ہوئے تھے کہ ایک غلط قدم انہیں بھی سعد کی طرح سیدھا اندھی کھائی کی سیر کرا دیتا۔ وہ سوائے بے بسی سے سعد کو دیکھنے کے کچھ بھی نہ کر پا رہے تھے۔ پھر نجانے کیسے سعد کو خود ہی اپنے آپ کو سنبھالنے کا ہوش آیا اور اس نے ارد گرد کسی چیز کا سہارا حاصل کرنے کے لیے بازو پھیلائے۔ خوش قسمتی سے وہ اگلے ہی لمحے پہاڑ کی زمین سے باہر کو نکلے ہوئے ایک نوکیلے پتھر کو پکڑنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے بمشکل تمام پاؤں میں پہنے جوگرز زمین میں دھنسا کر خود کو بریک لگائی اور بازوؤں کے زور پر خود کو اوپر کی جانب کھینچا۔ ایک لمحہ کو اس کے پاؤں پھسلے، وہ محض اپنے بازوؤں کے زور پر مضبوطی سے پتھر کو پکڑے ہوئے تھا، مگر چند ثانیے بعد ہی وہ اپنے آپ کو اس پتھر کے اوپر کھینچنے میں کامیاب ہو گیا۔ اب وہ پتھر پر جم کر بیٹھا اپنی چوٹوں کا معائنہ کر رہا تھا۔ ان سب کی رکی ہوئی سانس بحال ہوئی۔

’سعد! وہیں رکو!...... میں آرہا ہوں‘، عبادہ نے اونچی آواز میں سعد سے کہا مگر سعد نے نفی میں سر ہلا دیا۔

’آپ مت آئیں، میں خود ہی آتا ہوں احتیاط سے......‘۔

’مصعب! عبادہ!...... تم لوگ اب نیچے ہی اتر آؤ تو اچھا ہے‘، مرتضیٰ صاحب نے آواز دی۔

☆☆☆☆☆

’سعد! بچے مت بنو...... دکھاؤ اپنی کہنی!‘، نور نے ناراضگی سے سعد کو کہا جو اسے اپنے زخم کو ہاتھ بھی نہیں لگانے دے رہا تھا۔ رات ہو چکی تھی، چاند کی بھی ابتدائی تاریخیں تھیں اس لیے ہلکی ہلکی روشنی کے باوجود اندھیرے کا راج تھا۔ وہ سب اپنے ہَٹ سے ذرا دور واقع درختوں کے ایک جھنڈ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آگے گھنا جنگل تھا، جبکہ درختوں کا یہ جھنڈ جنگل کے بالکل آخری سرے پر واقع تھا۔ اس کے آگے کھلا میدان تھا جس میں وہ ہَٹ بنا ہوا تھا جو انہوں نے چند روز کے لیے کرائے پر لیا تھا۔ دور سے ہٹ کی کھڑکیوں سے جھانکتی، سفید روشنی نظر آ رہی تھی۔

جھنڈ کے بیچوں بیچ خالی جگہ پر انہوں نے ارد گرد سے سوکھی لکڑیاں ایک ڈھیر کی صورت میں جمع کر کے آگ جلائی تھی۔ گرمیاں ہونے کے باوجود یہاں موسم بہت سرد تھا، مگر آگ کی تپش سے سردی کی شدت میں کمی آگئی تھی۔ اس جلتے الاؤ کے ارد گرد وہ سب بیٹھے تھے۔ امّاں، جویریہ، امینہ خالہ اور ہاجر، نیم دائرے کی شکل میں ایک جانب بیٹھے تھے جبکہ عبادہ، ابو بکر اور مرتضیٰ صاحب الاؤ کے دوسری جانب، ان کے مقابل بیٹھے تھے۔ ایک کونے میں نور اور مصعب، سعد کو زخموں پر مرہم لگوانے کے لیے راضی کر رہے تھے۔ اس کے بازو اور ٹانگیں بری طرح چھِل گئی تھیں مگر درد کی وجہ سے وہ کسی کو ہاتھ بھی نہ لگانے دے رہا تھا۔

’ایسے لگ رہا ہے جیسے ہم ہالی ووڈ کی کسی مووی (فلم) کا حصّہ ہوں...... یہ جنگل میں بون فائر...... اندھیرا...... پراسراریت...... اب بس اگر ہمارے پاس مارشمیلوز بھی ہوتے تو تصویر مکمل ہو جاتی...... مزے سے بھون کر کھاتے...‘، ہاجر بولی۔

’یہ لو...... تم تصویر مکمل کر لو...‘، بابا جانی نے مسکراتے ہوئے اپنے کوٹ کی جیب سے مارشمیلوز کا پیکٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

’اوہ سچی بابا جانی!! آپ کو کیسے خیال آیا مارشمیلوز کا......؟ مجھے اتنے عرصے سے شوق تھا، مارشمیلوز بھون کر کھانے کا!!‘، ہاجر خوشی سے چہچہائی۔ اس کی خوشی سے بھرپور آواز جنگل کے سناٹے میں بہت بلند محسوس ہوئی۔

’آہستہ بولو بیٹا‘، امینہ خالہ نے گھبرا کر ارد گرد دیکھتے ہوئے کہا، اور اپنے گرد گرم شال مزید مضبوطی سے لپیٹ لی۔ انہیں رات کے اندھیرے اور جنگل کے سناٹے سے گھبراہٹ ہو رہی تھی۔

’مگر مسئلہ یہ ہے کہ انہیں بھونے گا کون؟ مجھے تو بھوننا نہیں آتا........ ابو بکر بھیّا! آپ کو مارشمیلوز بھوننے آتے ہیں کیا؟‘، ہاجر پیکٹ میں سے گلابی مارشمیلوز نکالتے ہوئے ابو بکر کی طرف مڑ کر بولی۔

’ہوں...... آتے تو ہیں، اور میں تمہیں بھون کر بھی دے دوں گا۔ مگر ایک بات دھیان سے سنو...... ہم مسلمانوں کی اپنی ایک تہذیب ہے۔ یہ بون فائرز کے گرد بیٹھ کر قصّے کہانیاں سنانا، آگ پر مارشمیلوز بھون کر کھانا...... یہ انگریزوں کی تہذیب کا حصّہ ہے...... ان کی تفریح کے طریقے ہیں‘، ابو بکر نرمی سے سمجھاتے ہوئے بولا۔

’ارے! یہ اچانک تہذیب اور ثقافت کہاں سے آ گئی بیچ میں؟‘، امینہ خالہ نے تعجب سے پوچھا، ’یہ تو محض انجوائے منٹ کے طریقے ہیں، ان کے جملہ حقوق کب سے قوموں کے نام محفوظ ہو گئے؟‘۔

’خالہ! تہذیب اور ثقافت ہمارے طور طریقوں ہی کا تو مرکب ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر جاپانی قوم دنیا کی جنگجو قوموں میں سے ایک مانی جاتی ہے، ان کے ہاں مارشل آرٹس، جوڈو کراٹے وغیرہ ہی تفریح سمجھے جاتے ہیں، اور تفریح سمیت دیگر سماجی اور معاشرتی رویے ہی مل کر انہیں ایک جنگجو قوم کا تشخص عطا کرتے ہیں۔ ہمارا معاملہ یہ ہے کہ تفریح ہو یا تہوار، ہم ہر چیز کے لیے دوسری قوموں کی طرف دیکھتے ہیں۔ ان باتوں سے ہماری ذہنی مرعوبیت کا پتہ چلتا ہے...... ہم آج بھی اپنے انگریز آقا سے اتنے ہی مرعوب اور متاثر ہیں جتنا کہ آزادی سے پہلے تھے...... یوں ہم آج بھی ذہنی طور پر اس کے غلام ہی ہیں۔ لاشعوری طور پر ہی سہی...... مگر جو چیز گورے کو پسند ہے...... وہی ہمیں بھی پسند ہے...... اور جو چیز اس کو ناپسند...... وہ ہمیں بھی ناپسند...... آخر تفریح کے لیے ہمارے پاس اپنے کوئی طریقے نہیں؟...... پسند ناپسند کے ہمارے اپنے کوئی معیار نہیں......؟‘، ابو بکر جذباتی انداز میں بولا۔

’اُفوہ...... بھیّا........!!‘، ہاجر ہلکی سی آواز میں بڑبڑائی۔

’ہوں........! ہونا تو یہ چاہیے کہ ہماری تفریح اور خوشی کا طریقہ وہی ہو جو ہمارے ربّ کو پسند ہے...... آخر اسی نے ہمیں اس دنیا میں بھیجا ہے اور اسی کی طرف ہم نے پلٹ کر جانا ہے...... تو زندگی کے ہر معاملے...... خوشی اور غم...... ہر چیز میں اسی کی پسند ناپسند مدِ نظر ہونی چاہیے‘، عبادہ، جو بہت غور سے ابو بکر کی بات سن رہا تھا، سنجیدگی سے بولا۔

’بالکل!! یہی میں بھی کہنا چاہ رہا تھا...... جو کام ہمارے رب کو پسند ہوں وہی ہماری تفریح اور خوشی بن جانے چاہییں!‘، ابو بکر عبادہ کی تائید حاصل کر کے جوش سے بولا۔

’یہ تم دونوں کی رائے ہے...... مگر میں ایسا نہیں سمجھتا‘، باباجانی جو ایک پتھر سے ٹیک لگائے ان کی باتیں سن رہے تھے، سیدھے ہو کر بیٹھتے ہوئے بولے۔ ’آج کی جدید دنیا میں جب قومیں ایک دوسرے کے اتنے قریب آ گئی ہیں اور تیز ترین رابطوں کے ذریعے آپس میں میل جول اور ربط اس قدر بڑھ گیا ہے...... اس میں قومیں آپس میں تہذیبی اور ثقافتی لین دین بھی کرتی ہیں...... دوسری قوموں کی عادتیں اپناتی بھی ہیں اور اپنے فرسودہ رسم و رواج ترک بھی کرتی ہیں...... بلکہ میں تو کہوں گا کہ یہی ترقی کا راز ہے۔ اس میں یہ باتیں کہ بس اپنے طور طریقوں سے ہی چمٹے رہو اور دوسری قوموں کی کوئی عادت یا بات اپنے اندر نہ آنے دو...... تو میں تو کہوں گا کہ یہ انہی تنگ نظر اور تنگ دل مولویوں کی باتیں ہیں جو ڈیڑھ دو صدیاں قبل یہ کہتے تھے کہ ریل گاڑی شیطان کی ایجاد ہے...... اسے اپنے ملک میں مت آنے دو!‘۔

’باباجانی! آپ نے وہ حدیث تو سنی ہو گی جس کا مفہوم کچھ اس طرح ہے کہ انسان جس قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے تو پھر وہ انہی میں شمار ہوتا ہے......‘،

’وہ دینی مشابہت کے بارے میں ہے ابو بکر... یعنی عبادات میں دوسری قوموں کی پیروی کرنا...... دین کو بیچ میں مت لاؤ......!‘، احمد صاحب اس کی بات کاٹتے ہوئے بولے۔

’نہیں باباجانی! کسی دوسری قوم کی دینی مشابہت اختیار کرنا تو انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے......! علما کہتے ہیں کہ کسی بھی معاملے، چیز، حلیے یا صورت وغیرہ میں ایسی مشابہت جس کو دیکھ کر پہلا خیال کسی کافر قوم کے بارے میں آئے، صریحاً حرام ہے......‘۔

’بیٹا یہ مولوی لوگ عوام کے دلوں میں دوسرے مذاہب کی نفرت بٹھانے کے لیے ایسی باتیں کرتے ہیں...... یہ باور کرانے کے لیے کہ ہم پوری دنیا سے افضل ہیں اور باقی پوری دنیا نفرت کے لائق ہے۔ اور یہ سب اسلام کے نام پر کرتے ہیں حالانکہ یہ باتیں تو اسلام کی تعلیمات کے عین مخالف ہیں......!‘۔

’باباجانی! پہلے ایک بات تو بتائیں........‘، مصعب جو سعد کے ساتھ کونے میں بیٹھا تھا، وہ بھی قریب آ کر ان کی گفتگو میں شریک ہوتے ہوئے بولا، ’آپ مولویوں کے اتنے خلاف کیوں ہیں......؟‘۔

’نہیں!...... میں کیوں خلاف ہوں گا......؟‘، اس کے اچانک سوال پر احمد صاحب گڑبڑا کر بولے، سب کے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ گئی، مولویوں سے ان کی چِڑ سے وہ سب ہی واقف تھے۔ ’میں صرف اس تنگ ذہنیت کے خلاف ہوں جو ان مولویوں کی ہوتی ہے۔ اسلام کے ایسے ٹھیکے دار بن جاتے ہیں کہ دوسرے مسلمانوں کو تو دین کی کوئی بات کرنے ہی نہیں دیتے، یہ کہہ کر کہ تمہیں دین کا کیا پتہ؟ اور خود اپنی مرضی سے جیسے چاہتے ہیں دین کی تشریح کرتے ہیں‘۔

’باباجانی! آپ کی یہ بات ٹھیک نہیں ہے‘، ابو بکر اپنا لہجہ مزید دھیما کر کے نرمی سے بولا۔ وہ باپ سے اختلاف تو کر رہا تھا مگر بے ادبی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ’دیکھیں جس علم کا جو شخص ماہر ہوتا ہے، اس علم کے بارے میں اسی سے پوچھا جاتا ہے۔ جیسے میٹا فزکس یا راکٹ سائنس کے حوالے سے کوئی سوال ہو تو ہم سائنس دانوں سے پوچھتے ہیں، مذہبی علما سے نہیں، مگر جب دین کے حوالے سے کوئی بات ہو تو پھر علما کے بجائے عام مسلمانوں سے...... جنہیں دین کی ابتدائی معلومات بھی ڈھنگ سے نہیں آتیں...... کیسے پوچھ سکتے ہیں؟ اگر کوئی شخص دینی معاملے میں

رائے دینا چاہے گا تو اسے یہی کہا جائے گا ناں کہ پہلے دین کا علم حاصل کرو، پھر بات کرنا۔ پھر جب وہ دینی علوم میں ماہر ہو جائے تو دلائل کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کرے اور اگر دیگر علما پر کوئی اعتراض ہو تو کرے، مگر علم کے بغیر کسی کو نکتہ چینی کرنے کا کیا حق ہے؟!'۔

'ہاں مگر...... پھر تو وہ خود بھی مولوی ہی بن جائے گا'، مصعب نے بیچ میں شرارت سے لقمہ دیا۔

'دیکھیں باباجانی، آپ مولویوں سے اتنا الرجک ہیں مگر آج تک ہم تک جتنا بھی دین پہنچا ہے وہ ان مولویوں کی محنت سے ہی پہنچا ہے۔ آپ کو یاد ہے آپ کو کلمہ کس نے سکھایا؟ نماز کس نے یاد کروائی؟'، ابو بکر مصعب کو نظر انداز کرتا ہوا سنجیدگی سے بولا۔ باباجانی کے چہرے پر ایک خجل سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ 'ہوں...... صحیح کہہ رہے ہو تم......'، انہوں نے ہلکا سا سر ہلاتے ہوئے کہا۔ 'اب آتے ہیں آپ کی اس بات کی طرف کہ علما ہمیں سب سے افضل اور دیگر دنیا کو حقیر اور قابلِ نفرت باور کراتے ہیں......'۔

'باباجانی! کیا ہم مسلمان نہیں؟ ایک اللہ کو ماننے والے...... ایک اللہ کے فرماں بردار......؟ ہم اللہ کو کائنات کا مالک و خالق مانتے ہیں جبکہ باقی دنیا لاکھوں کروڑوں خداؤں کو مانتی ہے۔ کوئی بندر کو، کوئی سانپ کو...... کوئی گائے کو...... کوئی اپنے جیسے انسانوں کو...... کوئی روپے پیسے کو۔ مسلمان صرف ایک اللہ کا فرمانبردار ہوتا ہے جبکہ دیگر قوموں اور مذاہب کے ماننے والے اللہ کے سوا ہر چیز کے فرمانبردار ہوتے ہیں۔ پھر آپ ہی بتائیں کیا مسلمان دیگر انسانوں سے افضل نہیں؟ کیونکہ وہ اپنے رب کو پہچانتا ہے اور اس کے احکام کی تعمیل کرتا ہے؟'۔

'دوسری بات یہ کہ... باباجانی! کفار اللہ تعالیٰ کے باغی اور نافرمان ہیں۔ اپنے ربّ کے باغیوں کو برا کہنا غلط ہے کیا؟...... کیا اپنے ربّ کے دشمنوں سے انسان کو محبت ہونی چاہیے یا نفرت؟ انسان تو اپنے باپ کے دشمن سے بھی محبت نہیں کرتا بلکہ نفرت اور دشمنی کا معاملہ رکھتا ہے، تو یہاں تو باپ کا نہیں بلکہ رب کا معاملہ ہے...... آپ ہی بتائیں کیا ہم ایسے شخص سے محبت کرسکتے ہیں جس سے ہمارا رب نفرت کرتا ہو؟...... جس سے وہ ناراض ہو اس سے ہم راضی ہوسکتے ہیں؟ بلکہ یہ تو ہمارا دینی فریضہ ہے، ہمارے ایمان کا تقاضہ ہے کہ ہم بھی اپنے دلوں میں ان سے بغض، عداوت اور نفرت کے ہی جذبات رکھیں۔...... اور جو شخص ایسا نہ کرے، اللہ کے دشمنوں سے نفرت کے بجائے محبت کرے...... اس کے تو ایمان پر ہی سوالیہ نشان لگ جاتا ہے...... وہ تو پھر انہی میں شمار ہونے لگتا ہے...... اس مضمون پر تو قرآن پاک میں بے شمار آیات وارد ہوئی ہیں......'، ابو بکر سانس لینے کو رکا۔ سب ہی حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے، اس کی معلومات اور اصطلاحات کے استعمال پر وہ سب حیران تھے۔ احمد صاحب کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ وہ امریکہ میں انجنیئرنگ کی تعلیم حاصل کر رہا ہے یا مذہبی مناظروں کی۔ وہ خود کو بالکل لاجواب محسوس کر رہے تھے۔ صرف عبادہ تھا جو ہونٹوں پر ہلکی سی محظوظ کن مسکراہٹ لیے ابو بکر کی جانب دیکھ رہا تھا۔

'ہمارے ہاں تو ماں باپ کی ناراضگیوں کی وجہ سے اولاد پر اپنے خونی رشتوں سے اچھے اخلاق سے پیش آنے پر پابندی لگ جاتی ہے۔ صرف اس لیے کہ ہمارا ان سے کوئی معمولی سا جھگڑا ہو گیا ہے۔ اور اگر کسی سے ناراضگی اس حد تک پہنچ جائے کہ نفرت ہی ہو جائے تو پھر تو اس کا نام تک سنا نہیں جاتا...... آپ خود سوچیں...... کیا ہم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ کوئی ایسا شخص جس سے آپ کو سخت نفرت ہو، اور وہ بھی ہر وقت آپ کے خلاف محاذ کھولے رکھے...... اور آپ کا بچہ ہر چیز میں اس شخص کی نقالی کرے؟...... جیسے وہ بولے، وہ بھی ویسے ہی بولنے کی کوشش کرے...... جو وہ کھائے، آپ کا بچہ بھی وہی کھانا پسند کرے...... جیسا لباس وہ پہنے، آپ کا بچہ بھی ویسے ہی کپڑے پہننے میں فخر محسوس کرے...... اگر ایسا ہو جائے تو یقیناً نتیجہ یہی ہو گا کہ ہم اپنے بچے کو ہی تھپڑ مار کر کہیں گے کہ جاؤ! اسی کے گھر میں رہ لو جا کر......!'، غیر محسوس انداز میں باباجانی کا سر اثبات میں ہل گیا، وہ قائل ہو رہے تھے۔

'تو اللہ تعالیٰ کو بھی کفار کی نافرمانیوں، ان کے کفر و شرک...... ان کی سرکشی، ان کی اللہ کے دین سے نفرت...... اللہ کے بندوں پر ان کا ظلم...... ان سب باتوں کی وجہ سے اللہ کو ان سے نفرت ہے! اور اس کے برعکس...... اپنے فرماں بردار اور نیک بندوں سے محبت ہے۔ ان کی چھوٹی چھوٹی باتوں اور عادتوں پر بھی اللہ کی رحمت جوش میں آجاتی ہے۔ مثلاً جب حضرت ہاجرہؑ نے ننھے اسماعیلؑ کی پیاس بجھانے کے لیے پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ کی پہاڑیوں کے سات چکر لگا ڈالے...... تو اللہ تعالیٰ کو اپنی اس بندی کی یہ ادا اتنی بھائی کہ قیامت تک ان کی اس حرکت کی نقالی...... ہر حج اور عمرہ کرنے والے پر فرض کر دی......!'۔ وہ چند لمحوں کے لیے رکا، اس کے رکتے ہی جھنڈ میں مکمل خاموشی چھا گئی۔ سردی محسوس کرتے ہوئے وہ آگ کے مزید قریب ہو گیا۔ ایسا سنجیدہ موضوع ان کے درمیان پہلی بار چھڑا تھا، مگر کسی کو بھی بوریت یا بیزاری کا احساس نہیں ہو رہا تھا، الٹا سب نہایت دلچسپی سے اس کی باتیں سن رہے تھے۔ احمد صاحب منہ سے تو کبھی بھی تسلیم نہ کرتے، مگر اس وقت وہ اپنے دل میں بیٹے کی علمی صلاحیت سے حد درجہ متاثر ہو رہے تھے۔

'ہم کہتے ہیں کہ یہ تو صرف تفریح ہے!...... مگر کبھی کبھار تفریح ہی انسان کو جہنم کے نچلے حصّوں میں پہنچا دیتی ہے۔ اب کہنے والے تو شراب، جوئے اور موسیقی کو بھی تفریح ہی کہتے ہیں! ایک حدیث کے الفاظ ہیں: 'المرء مع من احب......'، آدمی اسی کے ساتھ ہو گا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی کسی حدیث سے صحابہ کرامؓ کو اتنی خوشی نہ ہوئی تھی جتنی اس حدیث سے...... جانتے ہیں کیوں؟'، وہ سوالیہ نگاہوں سے ایک ایک کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

سب کو خاموش دیکھ کر عبادہ آہستہ سے بولا، 'اس لیے کہ صحابہ کرامؓ کو دنیا میں سب سے زیاد محبت نبی اکرم ﷺ سے ہی تھی۔ اور اس حدیث کی بدولت انہیں آخرت میں نبی کریم ﷺ کی ابدی رفاقت کی امید تھی!'۔

'بالکل! اور یہ بات تو مسلم ہے کہ انسان کو جس سے محبت ہو وہ اس کے ہر طریقے کی پیروی کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی باتوں اور اس کے انداز کی نقل کرتا ہے، ہر چیز میں محبوب کو فالو کرتا ہے......'، ابو بکر نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

'ہاں جیسے بچہ ماں باپ کی ہر بات کی نقل کرتا ہے......؟'، اچانک خیال آنے پر اماں بولیں۔
'جی......! اہلِ دل کہتے ہیں کہ یہ دراصل محبت کا فطری تقاضہ ہے۔ انسان کا جی چاہتا ہے کہ اپنی ذات کو بالکل اپنے محبوب کے مطابق ڈھال لے۔ وہ ایک نظم ہے جو مجھے بہت پسند ہے......

سنا تھا ہم نے لوگوں سے
محبت چیز ہے ایسی......
چھپائے چھپ نہیں سکتی
یہ آنکھوں میں مچلتی ہے
یہ چہروں پر دمکتی ہے
یہ لہجوں میں چھلکتی ہے
دلوں تک کو گُھلاتی ہے......
لہو ایندھن بناتی ہے......'

وہ ایک جذب کے عالم میں پڑھ رہا تھا۔ جبکہ باقی سب نہایت انہماک سے سن رہے تھے۔ کسی کی گہری گہری کھڑ کھڑاتی سانسوں پر ابو بکر نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ اندھیرے کی وجہ سے کچھ بھی نظر نہ آیا۔ ابھی وہ پوچھنے ہی والا تھا کہ یہ کس کی آواز ہے کہ ہلکی سی غراہٹ پر سب ہی نے آواز کی سمت دیکھا۔ اسی لمحے نور......جو سعد کے ساتھ ایک کونے میں بیٹھی تھی......کی گھٹی گھٹی چیخ کی آواز سنائی دی۔ 'امّی......اماں......!!'۔ اس سے چند گز کے فاصلے پر ہی ایک کالے رنگ کا، لمبے لمبے بالوں والا ریچھ کھڑا تھا اور خونخوار نظروں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔
'میرے خدا......!!'، جھنڈ میں بیک وقت دو تین نسوانی چیخوں کی آوازیں گونجیں۔ امینہ بیگم تیزی سے اٹھ کر کھڑی ہوئیں اور اپنے ساتھ اپنے دائیں بائیں بیٹھی جویریہ اور ہاجر کے ہاتھ پکڑ کر انہیں بھی اپنے ساتھ کھینچ لیا۔ بابا جانی اور مرتضیٰ صاحب بھی اچھل کر کھڑے ہو گئے تھے۔ نور اپنی جگہ پر سکتے کے عالم میں بیٹھی تھی۔ سعد بھی ریچھ کو دیکھ چکا تھا، اس نے جلدی سے نور کا بازو پکڑ کر پیچھے کی جانب کھینچا، مگر اپنے چھلے ہوئے بازوؤں اور ٹانگوں کی وجہ سے اس میں بالکل پھرتی نہ تھی۔ اس کی اچانک حرکت کی وجہ سے ریچھ اپنی جگہ سے ہلا اور ان پر حملہ آور ہوا ہی چاہتا تھا کہ جلتی ہوئی لکڑی کا ایک بڑا سا ٹکڑا اس کے منہ سے ٹکرا کر نیچے گرا۔ جلتی ہوئی لکڑی اس کی ناک پر موجود کھال کو جھلسا گئی تھی، وہ تکلیف سے غرّایا مگر مزید بپھر گیا۔ پھر بھی اس کے لمحہ بھر کے توقف پر ہی مصعب نے تیزی سے لپک کر نور اور سعد کو پیچھے کھینچا اور فریحہ بیگم کی طرف دھکیل دیا۔
'آپ لوگ ہَٹ کی طرف بھاگیں!!......کوئی مدد ملے تو اس طرف بھیجیں...... جائیں!! جلدی!!......'، تیزی سے بولتا ہوا وہ بھی الاؤ میں سے جلتی ہوئی لکڑی اٹھانے لگا، احمد صاحب اور مرتضیٰ صاحب پہلے ہی ہاتھوں میں جلتی لکڑیاں تھامے، ریچھ کو ڈرانے کی کوشش کر رہے تھے۔ مگر وہ ڈرنے کے بجائے مزید بپھر رہا تھا۔ اس کے رکنے کی وجہ شاید یہی تھی کہ اتنے سارے چہروں میں اسے سمجھ نہ آ رہا تھا کہ کس سمت حملہ کرے۔

'ٹھاہ......!!!'، فائر کی آواز پر آخرکار ریچھ خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹا۔ اسے پیچھے ہٹتا دیکھ کر عبادہ نے اس کے سر کا نشانہ لیتے ہوئے گولی چلائی۔ اس کا نشانہ ہمیشہ سے بہت اچھا تھا۔ اگلے ہی پل ریچھ مڑا اور ایک جست لگا کر غائب ہو گیا۔
'اتنی......اتنی دیر سے تمہیں خیال آیا فائر کرنے کا......؟!!'، مصعب نے پھولی ہوئی سانس درست کرتے ہوئے بمشکل کہا۔
'یہ ائیر گَن ہے......ریچھ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ میں نے صرف یہ سوچ کر فائر کر دیا کہ ہو سکتا ہے وہ آواز سے ہی خوف زدہ ہو جائے'، عبادہ نے بندوق نیچے کرتے ہوئے جواب دیا۔
'چلو شکر ہے خیال تو آیا......اور آئیڈیا کام بھی آ گیا۔ اب میرے خیال میں فوراً ہَٹ کی طرف چلنا چاہیے، اس سے پہلے کہ ریچھ کو کوئی اور خیال آئے'، احمد صاحب تیزی سے بولے۔
'پتہ نہیں سب لوگ ٹھیک بھی ہیں یا نہیں......'، مرتضیٰ صاحب فکرمندی سے بولے اور پھر وہ سب بھی ہَٹ کی جانب چل دیے۔ تھوڑی دور ہی چلے تھے کہ دو مقامی افراد مل گئے جو فائرنگ کی آواز سن کر دیکھنے نکلے تھے۔ 'صاحب یہاں مغرب کے بعد ہٹس سے باہر نکلنا منع ہے......آپ لوگ جنگل میں جا کر کیوں بیٹھ گئے......؟'۔ وہ لوگ انہیں ہٹس کے دروازے تک چھوڑ کر رخصت ہو گئے۔ اندر خواتین ابھی تک خوف سے کانپ رہی تھیں۔ احمد صاحب، مرتضیٰ صاحب اور مصعب کے ہاتھ گرم گرم لکڑی پکڑنے سے جگہ جگہ سے جل گئے تھے۔ اس حادثے کے بعد نیند بھی سب کی آنکھوں سے اڑ گئی تھی۔
پروگرام تو ان کا ابھی ہفتہ بھر مزید رہنے کا تھا، مگر پہلے سعد کے گرنے اور پھر ریچھ والے حادثے کے بعد سب نے اگلے ہی دن واپسی میں عافیت سمجھی، اور صبح صبح بوریا بستر سمیٹ کر اسلام آباد روانہ ہو گئے۔

☆☆☆☆☆

عید کی چھٹیاں ختم ہوئیں تو سب پرانی روٹین پر واپس آ گئے۔ صبح سکول، کالج، آفس جانا۔ شام کو لڑکے اپنے مشاغل میں مصروف ہو جاتے، یا گراؤنڈ میں دیگر لڑکوں کے ساتھ فٹ بال کھیلتے یا گپ شپ وغیرہ، دیگر مصروفیات ڈھونڈ لیتے۔ نور اور ہاجر بالعموم شام کو ایک چکر موحد چچا کے گھر کا لگا لیتیں جبکہ رات کو کھانے کے بعد تینوں گھروں کے افراد، یا کم از کم بڑے تو ضرور ہی تایا جان کی طرف اکٹھے ہو جاتے اور کچھ دیر گپ شپ میں گزارتے۔
آج نور اور ہاجر موحد چچا کے گھر آئیں تو وہ سب کہیں جانے کے لیے تیار کھڑے تھے۔ مومنہ اپنا عبایا اور سکارف پہنے، جھنجھلائے ہوئے انداز میں مسفرہ سے کچھ کہہ رہی تھی جو گاڑی کے اندر بیٹھی تھی۔ اسی لمحے گھر کے دروازے سے نکلتے ہوئے منال کی نظر ان دونوں پر پڑی تو اس نے دور سے ہی انہیں آواز دی۔ 'وہاں کیا کھڑی ہو؟......ادھر آ جاؤ ناں!'۔
وہ قریب آئیں تو دیکھا کہ عائشہ چچی بھی گاڑی میں ہی بیٹھی تھیں، شاید بس اب موحد چچا کا ہی انتظار تھا۔ وہ گاڑی کے اندر سے ہی آہستہ آواز میں مومنہ کو کچھ سمجھا رہی تھیں، جو گاڑی کا

دروازہ پکڑے جھنجھلائی ہوئی کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر ناگواری کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ سارے منظر نامے میں صرف منال ہی خوش نظر آ رہی تھی، بلکہ اس کے لیے تو اپنی مسکراہٹ چھپانا مشکل ہو رہا تھا۔

'مومنہ کو ابّا سائیکاٹرسٹ کے پاس لے جا رہے ہیں'، وہ سرگوشی کے سے انداز میں ان دونوں سے بولی۔ مگر اس کی سرگوشی بھی اتنی بلند تھی کہ مومنہ نے مڑ کر ان کی جانب دیکھا۔ بظاہر تو اس نے غصّے سے منال کو گھورا تھا مگر ایک لمحہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی نور کو لگا، جیسے مومنہ بڑی بے بسی اور دکھ کی کیفیت کا شکار ہو۔

'چلو پھر ہم چلتے ہیں...... رات کو تایاجان کی طرف ملاقات ہو گی'، ہاجر بولی۔ مومنہ بھی اب رخ پھیر کر گاڑی میں بیٹھ رہی تھی۔ وہ دونوں عائشہ چچی کو سلام کر کے واپس مڑ گئیں۔

☆☆☆☆☆

عبادہ کی روانگی کے دن قریب آ رہے تھے۔ تمام تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ فلائٹ کے ٹکٹ بھی آ چکے تھے۔ چار دن بعد اس کی برطانیہ روانگی تھی۔ آکسفورڈ میں تعلیم حاصل کرنے کا جوش و جذبہ اور خوشی اپنی جگہ، لیکن اب اس کی متوقع جدائی کا سوچ کر سب ہی اداس ہو رہے تھے۔ یوں بھی گھر میں افراد ہی کتنے تھے، جویریہ کو جب بھی خیال آتا کہ اکلوتا بھائی اتنی دور جانے والا ہے کہ اب ایک طویل عرصہ تک اس سے ملاقات نہ ہو پائے گی، تو اس کی آنکھیں چھلکنے کو بے تاب ہو جاتیں۔ کتنی دفعہ وہ بہانے بہانے سے غسل خانے میں جا کر چپکے چپکے رو کر دل ہلکا کر چکی تھی۔ مگر پھر بھی عبادہ کی خوش اور مطمئن شکل دیکھ کر ہر دفعہ ہی آنسو نئے سرے سے امڈنے کو تیار ہوتے۔

آخر وہ دن بھی آ گیا کہ مستقبل کے کتنے ہی سہانے خوابوں کا عکس آنکھوں میں لیے، عبادہ ان کی تعبیر پانے کے لیے عازمِ سفر ہوا۔ امینہ بیگم مسلسل زیرِ لب کچھ پڑھ پڑھ کر اس پر پھونک رہی تھیں۔ ابو بکر فریحہ بیگم کو بھی اس سے ملوانے کے لیے لے آیا تھا، انہوں نے اس کا ماتھا چوما اور بہت سی دعاؤں اور ہدایتوں کے ساتھ اسے رخصت کیا۔ ابو بکر اور مرتضیٰ صاحب، دونوں اسے ایئر پورٹ چھوڑنے کے لیے جا رہے تھے۔ گھر سے نکلنے سے پہلے، سب سے آخر میں وہ جویریہ سے ملا۔

'جیّا!......'، اس نے جویریہ کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ بے اختیار اس کے کندھے پر سر رکھ کے رو پڑی۔ 'ارے......! تم تو رونا شروع ہو گئیں......!! اتنا کمزور دل ہے تمہارا جیّا!'، اس نے نرمی سے بہن کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔ 'تمہیں تو سب سے مضبوط ہونا چاہیے، ...... آخر اب تم نے ہی سنبھالنا ہے سب کو...... ماما بابا کا خیال رکھنا ہے......... رکھو گی ناں؟'۔

جیّا نے چہرہ صاف کرتے ہوئے بمشکل اثبات میں سر ہلایا۔ 'سنو...... میں جا رہا ہوں......'، اس نے آواز ہلکی کرتے ہوئے آہستگی سے کہا۔ اس کے انداز میں کچھ تھا جسے محسوس کر کے جویریہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ عبادہ آنکھوں میں سنجیدگی لیے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

'میں جا رہا ہوں جیّا...... سب کا خیال رکھنا...... ماما...... بابا...... اور اپنا بھی...... ان کو پریشان نہ ہونے دینا......... اور میرے لیے بھی دعا کرنا، اللہ تعالی مجھے میرے مقصد میں کامیاب کریں'، اس کے لہجے کی گھمبیرتا محسوس کر کے جویریہ پریشان ہو گئی تھی۔ وہ جا رہا تھا، یہ تو وہ جانتی تھی، لیکن کہاں جا رہا تھا، اس بارے میں وہ اچانک ہی شک وشبہ کا شکار ہو گئی تھی۔ کسی انجانے خدشے کے پیشِ نظر اس نے کچھ پوچھنے کے لیے منہ کھولا، مگر اس کا سوال بھانپتے ہوئے عبادہ نے اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھ دی۔

'شش......... میرے راز کی حفاظت تو کرو گی ناں......؟'، اس نے مان بھرے لہجے میں اس سے پوچھا، اور پھر بڑے بھائی کے سے مشفقانہ انداز میں پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ جویریہ کی آنکھوں سے ایک بار پھر خاموش آنسو بہنے لگے۔ '...... فی امان اللہ!......'۔

اس کی فلائٹ کا وقت نو بجے تھا۔ ابو بکر کی تیز ترین ڈرائیونگ کے باوجود رات کے آٹھ بج کر سترہ منٹ ہو رہے تھے، جب ان کی گاڑی اسلام آباد انٹرنیشنل ایئر پورٹ کے احاطے میں داخل ہوئی۔ فاصلہ تو اتنا نہیں تھا مگر ہر سڑک پر بے پناہ رَش تھا جو ابو بکر کو شدید کوفت میں مبتلا کر رہا تھا۔ پھر دس قسم کے بیریئر پار کر کے جب بالآخر ایئر پورٹ میں داخل ہوئے تو باوردی پہرے دار نے انہیں اپنی سواری لابی میں اتارتے ہوئے گاڑی سیدھا دوسرے دروازے سے باہر لے جانے کی ہدایت جاری کر دی، کیونکہ ایئر پورٹ کی نئی سیکیورٹی پالیسی کے تحت ایئر پورٹ کے اندر گاڑی کھڑی کرنا منع تھا۔ رکاوٹوں کی وجہ سے ایئر پورٹ سے دو میل دور تک گاڑیوں کی لمبی قطاریں تھیں۔ یہ حالات دیکھ کر مرتضیٰ صاحب نے ان دونوں کو اتر کر اندر جانے کا اشارہ کیا، جبکہ وہ خود بس جلدی جلدی عبادہ سے الوداعی ملاقات کر کے گاڑی کا سٹیرنگ وہیل سنبھالتے ہوئے، گاڑی بیرونی پھاٹک کی جانب لے گئے۔

'ابو بکر! میرے جانے کے بعد گھر والوں کا کیا ہو گا؟'، لابی میں پہنچ کر عبادہ نے فکرمندی سے پوچھا۔ ابو بکر نے ایک حیران نظر اس کے چہرے پر ڈالی اور پھر ہلکا سا ہنس دیا۔

'اس بات کی فکر تمہیں اب ہو رہی ہے؟'۔

'فکر تو نہیں...... بس اپنے اطمینان کے لیے پوچھ رہا تھا...... جانتا ہوں تمہارے سپرد کر کے جا رہا ہوں...... تم سنبھال لو گے'۔

'بس پھر بے فکر ہو کر جاؤ!...... یہ تو نہیں کہتا کہ کوئی مسئلہ ہو گا ہی نہیں...... یقیناً ہو گا، بلکہ مجھے تو لگتا ہے کہ طوفان ہی آ جائے گا......'، ابو بکر گہری نظروں سے عبادہ کی جانب دیکھتا ہوا بولا۔

'ہاں......... خیر! اللہ بہتر کرے گا۔ اور...... یہ بتاؤ...... تمہاری کب تک امید رکھوں......؟'، اب کہ عبادہ نے ابو بکر کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

'تم اپنی پرواز کے لیے بال و پَر درست کرو...... یقین کرو، منزل کا تعین ہو جائے تو تم مجھے خود سے پیچھے نہیں پاؤ گے'، ابو بکر نے مضبوط لہجے میں اسے جواب دیا۔ عبادہ نے مسکراتے ہوئے سر ہلا دیا۔

’فی امان اللہ......!‘، اس نے اپنا چھوٹا سا سفری بیگ زمین سے اٹھا کر کندھے پر ڈالا، اور ابو بکر کے ہاتھ سے اپنا ٹرالی بیگ لے کر اپنی جانب گھسیٹا۔
’فی امان اللہ!‘، ابو بکر محبت سے اس سے بغلگیر ہو گیا۔
پانچ منٹ بعد ابو بکر ائیر پورٹ سے نکل کر مرتضیٰ صاحب کی گاڑی کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ انہیں بھی گاڑی کھڑی کرنے کے لیے کافی دور جا کر جگہ ملی تھی۔ آس پاس کہیں گاڑی نظر نہ آئی تو اس نے جیب سے موبائل نکال کر مرتضیٰ صاحب کو کال ملائی۔ ان سے گاڑی کی لوکیشن پوچھ کر وہ اس سمت چلنا شروع ہو گیا۔

☆☆☆☆☆

پورے نو بجے فیض آباد اڈّے پر ٹیکسی نے اسے اتارا۔ ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ ادا کر کے وہ اپنا چھوٹا سا سفری بیگ اٹھا کر چلنا شروع ہو گیا تھا۔ محتاط نظریں متلاشی انداز میں ارد گرد کا جائزہ لے رہی تھیں۔ کونے میں کھڑے ایک چھابڑی والے سے اس نے آدھا کلو تازہ بھنی ہوئی مونگ پھلی خریدی، اور پھر سڑک کے کنارے کھڑی ایک گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ مونگ پھلی بھننے کا انتظار کرتے ہوئے وہ دیکھ چکا تھا کہ یہی اس کی مطلوبہ گاڑی ہے۔ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا وہ اس کی طرف بڑھا اور دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھتے ہی گاڑی چل پڑی تھی۔
’السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! کیسے ہیں بھائی جان؟‘، گاڑی مین سڑک پر چڑھاتے ہوئے گاڑی چلانے والے نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
’اللہ کا شکر ہے، الحمد للہ......!‘،
’کیسا محسوس کر رہے ہیں؟‘، گاڑی چلانے والے نے دوسرا سوال کیا۔
’خوشی بھی ہے اور......کچھ پریشانی بھی......گھر والوں کی طرف سے‘، عبادہ نے جواب دیا۔
’آپ کے والدین کو معلوم ہے؟‘
’نہیں......وہ تو دین کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تو جہاد کو کیا سمجھیں گے‘، عبادہ تاسف سے بولا۔
’فکر مت کریں......اللہ تعالیٰ راہیں کھول دیتے ہیں، دلوں کی بھی اور ہدایت کی بھی......‘، عبادہ نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔ کچھ دیر گاڑی میں خاموشی چھائی رہی، وہ دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے۔ کافی دیر کی خاموشی کے بعد عبادہ نے ڈرائیور کو پکارا، ’عطا بھائی!......میں آگے کب روانہ ہوں گا؟‘۔
’جس قدر جلدی ممکن ہو سکا......کوشش تو یہی ہے‘، انہوں نے جواب دیا، ساتھ ہی اگلا سوال بھی کر دیا۔ ’ابھی تو آپ واپس لوٹیں گے ناں؟ یہی پلان تھا ناں آپ کا؟‘۔
’ارادہ تو یہی تھا کہ ابھی پہلے امرائے جہاد سے چند سوالات کر لوں، کچھ باتیں ہیں جو سمجھ نہیں آتیں......وہ سمجھ لوں۔ مگر......سوچتا ہوں کہ اگر میرا دل مطمئن ہو گیا......تو پھر میں مستقلاً وہیں رہ جاؤں گا! ان شاء اللہ......بس اللہ تعالیٰ سے ہدایت طلب کرتا ہوں کہ سیدھا راستہ سجھا دیں......‘۔
’مگر......بھائی اگر آپ کے گھر والوں نے آپ کے وہاں رہنے کی مخالفت کی تو......؟‘۔ وہ اس پر ایک نظر ڈال کر سنجیدگی سے بولے۔
’تو......؟ تو کیا......؟ بھائی یہاں ہم دنیا کی سپر پاورز سے ٹکر لینے نکلے ہیں!......تو کیا گھر کی ذرا سی مخالفت نہیں برداشت کر سکتے؟‘، عبادہ مسکرا دیا۔
’ہوں......اللہ تعالیٰ آپ کے ایمان کو مزید پختہ کرے اور آپ کے لیے آسانیاں پیدا فرمائے......‘، انہوں نے بھی مسکراتے ہوئے سر ہلا دیا۔
گاڑی میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ رات کے اندھیرے میں مبہم مناظر تیزی سے کھڑکی کے اس پار دوڑتے نظر آ رہے تھے۔ عبادہ، سوچوں میں گم، کھڑکی سے باہر جھانک رہا تھا۔ منزل سامنے ہی کہیں تھی......مگر تاحال نظروں سے پوشیدہ۔ (جاری ہے، ان شاء اللہ)

بقیہ: سلطانیٔ جمہور

آپ بھی اپنے اندر ہمت پیدا کریں کہ اپنے حصّے کی خوشیوں کے لیے ترسنے اور آنسو بہانے کے بجائے، آگے بڑھ کر انہیں دوسروں کے ہاتھوں سے چھین لیں‘، نبیلہ مضبوط لہجے میں بولی۔
’اچھا...تو کیا کروں؟ پستول لے کر انہیں اور ان کی بیوی، دونوں کو شوٹ کر دوں؟‘، نسرین تنگ آ کر اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔
’بالکل......بلکہ ساتھ میں رخشندہ آنٹی کو بھی......یہ ساری آگ تو انہی کی لگائی ہوئی ہے‘۔
’فضول باتیں مت کرو نبیلہ‘، نسرین ناگواری سے بولی، ’آنٹی کی اتنی نہیں چلتی اِن پر......‘۔
’اِن کون؟ کس کی بات کر رہی ہیں آپ......؟ کیا اب بھی آپ اس گھٹیا شخص کو اتنا قابلِ احترام سمجھتی ہیں کہ اس کے بارے میں اِن اُن کر کے بات کریں؟‘
’ارشد نے جو کچھ کیا، اس کے وہ خود ذمہ دار ہیں‘، نسرین آہستہ سے بولی، ’وہ ان کا فعل ہے......مگر میں نے تو یہ رشتہ پورے اخلاص اور انصاف سے ہی قبول کیا تھا۔ پھر بھی اگر میری قسمت میں یہی لکھا تھا، تو کیا کیا جا سکتا ہے؟ تمیز، اخلاق، عقل......ان سب سے جان چھڑا لوں تو کیا اپنی قسمت بھی بدل لوں گی؟......‘۔
’آپا میں مینرز اور ایٹی کیٹس کے خلاف نہیں ہوں۔ مگر آپ کو یہ سمجھنا چاہیے کہ ارشد نے آپ کے ساتھ کوئی انوکھا سلوک نہیں کیا۔ وہ ایک مرد ہے......اور جب سے دنیا بنی ہے مرد عورت کا استحصال ہی کرتا آیا ہے۔ بلکہ صرف مرد پر ہی کیا موقوف...ہر طاقتور اپنے سے کمزور کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتا ہے۔ یہی دنیا کا قانون ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ کسی دوسرے کے ہاتھ میں کھلونا نہ بنیں تو اس کا ایک ہی طریقہ ہے......آپ اپنے آپ کو دوسرے سے زیادہ طاقتور بنائیں۔ اس سے زیادہ نہیں بنا سکتے تو برابری کی سطح پر ہی سہی......مگر کچھ تو قوت اپنے اندر پیدا کریں۔ یہ تو اپنی بقا کا بنیادی ترین اصول ہے......‘۔ (جاری ہے ان شاء اللہ)

سلطانیٔ جمہور

علی بن منصور

خبر تھی یا کوئی بھونچال تھا، جس نے ہاشمی ہاؤس کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ یہ خبر کس نے بریک کی یہ تو یقینی طور پہ پتہ نہ چل سکا تھا۔ مگر ناشتے کے برتن دھوتی ہوئی سلمٰی کی رَننگ کمنٹری سنتے ہوئے، بلکہ سن کر اَن سنی کرتے ہوئے بینش اپنے لیے کافی کا مگ بنا کر کچن سے باہر جانے ہی والی تھی جب سلمٰی نے نَل بند کرتے ہوئے اپنے دوپٹے سے ہاتھ پونچھے اور ایک گہرا سانس لیتے ہوئے تاسّف سے بولی، 'آپا کی طرف جانے کی تو میری آج ہمّت ہی نہیں ہو رہی باجی! پتہ نہیں کیسی ہوں گی جی...... مجھ سے تو ان کا سامنا نہیں کیا جائے گا'۔

'کیوں؟ ایسا کیا ہو گیا ہے؟'، بینش نے چونک کر پوچھا۔

'وہی نسرین باجی والے معاملے پر کہہ رہی ہوں...... ظاہر ہے صولت آپا تو بہت دکھی ہوں گی ناں...... وہ تو ماں ہیں جی۔ خود مجھے بھی بہت دکھ ہوا۔ اور آپائی (آپا جی، نذیر کی والدہ) نے تو جب سے سنا ہے، اس کے آنسو ہی نہیں رک رہے......بس کھاٹ پہ لیٹی روتی جا رہی ہے'، سلمٰی دکھی لہجے میں آہستہ سے بولی۔

'نسرین والا کون سا معاملہ......؟ کچھ بتاؤ تو سہی!'، بینش کو اب بے چینی ہو رہی تھی۔ سلمٰی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا، کیا اس کو نہیں پتہ تھا۔

'آپ کو نہیں پتہ جی......؟'، اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا، ساتھ ہی اسے تشویش بھی ہو رہی تھی کہ بینش کے سامنے اپنی معلومات کا اظہار کر کے اس نے غلطی تو نہیں کی۔ آپائی ہمیشہ اسے بہت سختی سے بیگمات کے معاملات میں دلچسپی لینے اور دخل اندازی کرنے سے منع کرتی تھیں۔ مگر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ بینش کو پتہ نہ ہوتا...... وہ تو یہی سمجھ کر اس کے سامنے بول اٹھی تھی کہ یقیناً اسے یہ معاملہ پتہ ہی ہو گا، دوسری جانب والے پورشن میں تو بچے بچے کو پتہ تھا۔ خود انہیں بھی رات کو جب نذیر نے ساری کہانی سنائی تو یہی کہا تھا کہ وہ زین صاحب سے سن کر آیا ہے، جو اویس کو ساری بات بتا رہے تھے۔ مگر اب اگر یہ غلطی تھی بھی تو کچھ ہو نہیں سکتا تھا، کیونکہ غلطی تو ہو چکی تھی۔ اب بینش کے سوالات کے جواب میں اسے جو کچھ معلوم تھا، بتانا ہی تھا۔ اور ساری بات سن کر بینش اپنی کافی بھول بھال، سیدھی فائزہ بیگم کے دروازے پر پہنچی۔ ہلکا سا دروازہ کھٹکھٹا کر وہ اندر داخل ہوئی۔

'فائزہ باجی! آپ نے سنا ہے یہ سلمٰی کیا کہہ رہی ہے؟'، وہ بغیر کسی تمہید کے فائزہ بیگم کے سر پر پہنچ کر ان سے مخاطب ہوئی جو اپنے سامنے دھلے ہوئے کپڑوں کا ڈھیر رکھے بیٹھی تھیں، اور کپڑے تہہ کر کر کے نفاست سے ایک جگہ رکھ رہی تھیں۔

'اللہ!! بینش! کیا ہو گیا؟...... کیا کہہ رہی ہے سلمٰی؟'، فائزہ بیگم نے دہل کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ ایسی ہی تھیں...... غیر متوقع باتوں، تیز آوازوں پر فوراً گھبرا جاتیں۔ ابھی بھی بینش کی اچانک آمد نے انہیں دہلا دیا تھا۔ اوپر سے اس کا بات کرنے کا انداز مزید پریشان کن تھا، نجانے کیا کہہ دیا تھا سلمٰی نے اسے۔

'کہہ رہی ہے کہ نسرین کو ارشد نے طلاق دے دی ہے......اور خود کینیڈا میں ہی کسی سے شادی رچا بیٹھا ہے!'۔

'نہیں......! کیا فضول بات ہے یہ بینش!!...... ایسے کیسے ہو سکتا ہے؟؟!'، وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

'سلمٰی کی انفارمیشن ہے باجی...... کہہ رہی ہے کہ زین نے بتایا ہے'۔

'زین کو کیا پتہ...... وہ تو بچہ ہے! اگر ایسا کچھ ہوتا تو آپا ہم سے خود ذکر کرتیں......'، فائزہ بیگم بے چینی اور تشویش کے ملے جلے جذبات سے بولیں۔

'میرا خود بھی یہی خیال ہے باجی! کہ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو آپا ذکر کرتیں، مگر پھر بھی یہ ایسی بات بھی نہیں ہے جو کسی نے خود سے ہی گھڑ لی ہو۔ میرا مطلب ہے کہ ملازمین تک کی زبانوں پر یہ بات ہے تو یقیناً اس کی کوئی بنیاد تو ہو گی'، بینش سوچتے ہوئے بولی۔

'ہاں...... صحیح کہہ رہی ہو تم...... چلو پھر صولت آپا کے پاس ہی چلتے ہیں۔ اگر ایسی بات ہے تو پھر تو اور بھی ضروری ہے کہ ان کے پاس جایا جائے'۔

پندرہ منٹ بعد وہ دونوں صولت بیگم کے پاس ان کے لاؤنج میں بیٹھی تھیں۔ صولت بیگم دونوں دیورانیوں کو غیر متوقع طور پر سامنے دیکھ کر تھوڑی سی حیران تو ہوئی تھیں، کہ یہ وقت گھر کے کاموں اور مصروفیات کا ہوتا ہے، مگر انہوں نے اپنی حیرت کا کسی صورت اظہار نہیں ہونے دیا۔ فائزہ بیگم اور بینش، دونوں ہی گہری نظروں سے ان کا جائزہ لے رہی تھیں، مگر کہیں سے بھی تو ان باتوں یا جذبات کا اظہار نہیں ہو رہا تھا جو سلمٰی کی معلومات کی روشنی میں، قدرتی طور پر صولت بیگم کے ہونے چاہیے تھے۔ پھر کہاں سے بات شروع کی جائے اور کیسے اس افواہ کی تصدیق کرائی جائے...... فائزہ بیگم کچھ بھی پوچھتے ہوئے جھجک رہی تھیں۔

'آپا وہ...... آپ سے ایک بات پوچھنے کے لیے آئی ہوں......'، وہ ہچکچاتے ہوئے بولیں۔

'ہاں...ہاں...... پوچھو ناں!'، صولت بیگم فوراً ان کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

'وہ...... آپا...ویسے تو یقیناً یہ خبر غلط ہی ہو گی،...... مگر چونکہ پورے گھر میں پھیلی ہوئی ہے اس لیے میں نے سوچا کہ آپ سے پوچھ لوں...... ایسا نہ ہو کہ کوئی غلط بات گھر سے نکلے......'، وہ اب بھی اصل بات پوچھنے سے جھجک رہی تھیں۔

'کیسی خبر...؟'، صولت بیگم نے ٹھٹک کر پوچھا۔

’یہ آج...... بینش کو سلمیٰ نے بتایا ہے کہ...... کہ نسرین اور ارشد کے مابین کوئی مسئلہ چل رہا ہے‘، انہوں نے قصداً مبہم انداز اپنایا۔ جواب میں صولت بیگم کا فق ہوتا چہرہ دیکھنے کے بعد کسی بھی قسم کی تصدیق کی ضرورت نہ رہی تھی۔ وہ کچھ بول ہی نہ سکیں، جبکہ ان کے دکھ کو اپنے دل میں محسوس کرتے ہوئے فائزہ بیگم تڑپ اٹھی تھیں۔

’کیا بات ہے آپا؟ کیا سلمیٰ صحیح کہہ رہی تھی کہ ارشد نے نسرین کو طلاق دے دی ہے اور دوسری شادی کرلی ہے؟‘۔

’نہیں!...... نہیں! ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ سلمیٰ کو کیسے پتہ چلا اس معاملے کا؟‘، ان کے سوال پر صولت بیگم چونک کر بولیں۔ انہیں محسوس ہوا کہ بات کا اب بتنگڑ بنتا چلا جارہا ہے۔ نجانے سلمیٰ تک بات کس انداز میں پہنچی تھی اور اس نے مزید آگے پھیلاتے ہوئے اسے کیا سے کیا رنگ دے دیا تھا۔ ایسے میں ان کی خاموشی یا پردہ داری قطعی سود مند نہیں تھی۔

’آپا آپ نے ہم سے کوئی ذکر ہی نہیں کیا! گھر کے بچے بچے کو پتہ ہے اور بڑوں کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہے کوئی بات...... اور اگر کوئی غلط سلط بات بچوں کے ذریعے گھر سے نکلی تو اس سے کتنا نقصان ہو گا جبکہ گھر کے بڑوں کو پتہ ہی نہیں کہ معاملہ کیا ہے......سچ میں آپا! بہت غیریت برتی ہے آپ نے‘، بینش جذباتی انداز میں بولی۔

’نہیں بینش! غیریت والی کون سی بات ہے...... اصل میں ایک خبر ملی تھی کسی ذریعے سے...... کہ ارشد نے کینیڈا میں شادی کر رکھی ہے۔ اور ابھی اس معاملے کی پوری طرح تحقیق بھی نہیں کی تھی اس لیے کسی سے بھی ذکر نہیں کیا...... حتیٰ کہ نسرین سے بھی نہیں...‘، وہ محتاط انداز میں بولیں۔

آج وہ دونوں صحیح معنوں میں خوار ہوئی تھیں۔ اور اب تھکن اور گرمی سے بے حال نور سوچ رہی تھی کہ وہ کیوں نسرین کے ساتھ بازار چلی آئی تھی۔ وہ دونوں صبح صبح یہ سوچ کر نکلی تھیں کہ ٹھنڈے وقت میں اور کم رش کے اوقات میں جلدی جلدی اپنی شاپنگ نمٹا لیں گی۔ مگر یہ انہیں اندازہ ہی نہ تھا کہ دن کے گیارہ بجے تک دکانیں کھلی ہی نہ ہوں گی۔ نسرین اپنی نند سندس کی منگنی کی تقریب کے لیے اپنے اور اس کے لیے جوڑے خریدنا چاہتی تھی۔ سینے سِلوانے کا اس کا کوئی خاص ذوق نہیں تھا، سو نبیلہ کے مشورے پر وہ آج ’آغا نور‘ کے باہر کھڑی تھیں، اس امید پر کہ وہاں سے مناسب قیمت پر تیار شدہ ڈریس خرید کر وہ فوراً گھر کی راہ لیں گی۔ مگر دکان کے شیشے کے دروازے پر جلی حروف میں ساڑھے گیارہ بجے دکان کھلنے کے اوقات درج تھے۔ خیر، وہ دونوں عبد اللہ کے ہاتھ پکڑے وہیں انتظار میں کھڑی ہو گئیں کیونکہ ساڑھے گیارہ بجنے میں اب تھوڑا ہی وقت تھا۔ مگر دونوں کی پریشان نظریں آس پاس کھڑی دیگر بہت سی خواتین پر تھیں جو انہی کی طرح دکان کھلنے کے انتظار میں کھڑی تھیں۔ دکان کھلنے سے پہلے ہی اتنا رش ہو گا، انہیں بالکل توقع نہیں تھی۔ اوپر سے عبد اللہ اپنے ہاتھ چھڑا کر ادھر ادھر گھومنے کے لیے مچل رہا تھا۔

اور پھر دس منٹ بعد جب دکان کھلی تو نور کو اپنے سکول کی کینٹین یاد آگئی۔ جیسے ہی بریک کی گھنٹی بجتی، طالبات گویا اڑتے ہوئے کینٹین تک پہنچتی تھیں۔ اور پانچ منٹ بعد ہی اس قدر رَش ہوتا کہ ہجوم اور دھکم پیل میں اس کے لیے تو کاؤنٹر تک پہنچنا بالکل ہی ناممکن ہو جاتا تھا۔ کچھ ایسا ہی حال یہاں بھی تھا۔ ادھر دکان کا دروازہ کھلا، ادھر خواتین کا ریلا اپنی تمام تر نسوانیت اور شرافت بھلا کر، شہد کی مکھیوں کی سی تیزی سے اندر بڑھا تھا۔ انہی خواتین میں کہیں کہیں بعض کے ساتھ آنے والے خواتین نما مرد بھی موجود تھے۔ وہ دونوں دروازے کے قریب ہی کھڑی تھیں، مگر تیزی سے اندر کی جانب جانے والی مرد نما خواتین یا خواتین نما مردوں سے بچنے کی کوشش میں وہ دونوں ہی بوکھلا کر پیچھے ہٹ گئیں۔ پھر کہیں دس منٹ بعد ہی انہیں دکان کے اندر داخل ہونا نصیب ہوا۔ مگر اندر بھی جو دھکم پیل، چھینا جھپٹی اور افراتفری تھی، اس میں سکون سے کپڑے دیکھنے کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ نبیلہ نے بتایا تھا کہ آغا نور والے روز کا سٹاک لاتے تھے جو اسی روز بِک جاتا تھا۔ پھر اگلے دن وہ نیا سٹاک لاتے۔ اور یہاں حالات دیکھ کر بھی ایسا ہی لگ رہا تھا کہ خریداری کرنے والے ایسے ہی خرید رہے تھے گویا آج دکان والے مفت میں کپڑے بانٹ رہے ہوں، اور یہ موقع کل نہیں آئے گا۔

ان دونوں نے سہمے سہمے انداز میں اپنے سامنے کھڑی خواتین کے کندھوں کے اوپر سے جھانک کر کپڑے دیکھنے کی کوشش کی مگر چار پانچ دھکوں، دو دفعہ اپنے پاؤں کسی کے بھاری بھر کم پاؤں تلے کچلوانے اور دو بار ہجوم کی وجہ سے عبد اللہ کا ہاتھ چھوٹ جانے کے بعد نسرین نے گھبرا کر فیصلہ کیا کہ کہیں اور سے کپڑے خرید لیتے ہیں۔ اور وہ دونوں جلدی سے باہر نکل آئیں۔ مگر اس کے بعد جو وہ دونوں بازار میں خوار ہوئیں، انہیں حقیقت میں دن میں تارے نظر آنا شروع ہو گئے۔ ایک دکان سے دوسری دکان کے چکر کاٹتے کاٹتے، کہیں ریڈی میڈ شلوار قمیص ہے تو دوپٹہ ندارد، کہیں قمیص دوپٹہ مل رہا ہے تو ساتھ تنگ سے پاجامے، تھری پیس تیار شدہ سوٹ کے نام پر کوئی گزارہ لائق چیز بھی تو نہیں مل رہی تھی۔ پھر عبد اللہ کو بھی نسرین ساتھ ہی لے آئی تھی کہ چند گھنٹے بھی اسے گھر چھوڑ کر آنا اس کے لیے مشکل تھا، سو یہ سوچ کر کہ عبد اللہ ساتھ ہو گا تو یہ پریشانی نہیں ہو گی کہ کہیں وہ رو نہ رہا ہو، کہیں وہ اس کے بغیر پریشان نہ ہو، اور وہ سکون سے شاپنگ کر سکے گی۔ مگر عبد اللہ تو الٹا اس کے لیے وبالِ جان بن گیا تھا۔ تھوڑی سی دیر بعد ہی وہ چلنے سے انکاری ہو گیا اور گود میں چڑھنے کے لیے ضد کرنے لگا۔ مگر چار سال کا بچہ کوئی ایسا ہلکا پھلکا تو ہوتا نہیں کہ اسے اٹھا اٹھا کر پھرنا آسان ہو۔ پھر بھی اس کے رونے دھونے سے عاجز آکر نور نے اسے اٹھا لیا تھا۔ اور اب پچھلے آدھے گھنٹے سے سوئے ہوئے عبد اللہ کو اٹھائے اٹھائے اس کے بازو شل ہو گئے تھے۔

خالی ہاتھ گھر جانا بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ آخر ایک دکان پر ایک، دو کٹ پیس پسند آئے تو نسرین نے وہی خرید لیے۔ کاؤنٹر پر قیمت ادا کرتے ہوئے سامنے ڈسپلے پر رکھی جیولری کے چند

پیس بھی اسے پسند آ گئے۔ سندس کے لیے جوڑا خریدنے سے بہتر ہے کچھ اچھی جیولری ہی دے دوں۔ یہ سوچ کر اس نے وہ بھی خرید لی۔ اسے ساتھ کھڑی نور کی تھکاوٹ کا بھی بخوبی احساس تھا، نور تو ایسی بامروت تھی کہ کبھی کچھ نہ کہتی، مگر اسے خود تو خیال آ ہی رہا تھا کہ اس کا پچیس پاؤنڈ کا بیٹا لادے وہ بیچاری کب سے اس کا ساتھ دے رہی تھی۔ گاڑی کی طرف جاتے ہوئے اس نے اپنے اور نور کے لیے ٹھنڈے ٹھار ملک شیک کے دو گلاس خریدے اور آخر کار وہ دونوں واپسی کے لیے گاڑی میں آ بیٹھیں۔ ان کے بیٹھتے ہی سلطان (پرویز مالی کا بیٹا، جو ڈرائیور کے فرائض انجام دیتا تھا) نے گاڑی سٹارٹ کر دی۔ گاڑی میں بیٹھ کر دونوں کو سکون ملا تھا، ٹھنڈے ملک شیک نے بھی تھکاوٹ اتارنے میں کچھ مدد دی۔ حواس کچھ بحال ہوئے تو نسرین کو ہینڈ بیگ میں مسلسل بجتی موبائل کی رِنگ ٹون کا احساس ہوا۔ اس نے جلدی سے بیگ میں پڑا موبائل نکالا، اس کی ساس کی کال تھی۔

'جی آنٹی...... السلام علیکم!'،

'......جی؟...... میں دراصل بازار میں تھی.........'،

'...... نہیں آنٹی...... موبائل تو ساتھ تھا مگر آواز نہیں آئی......'،

'جی......؟ نہیں آپ کی آواز کٹ رہی ہے شاید......'،

'ہیلو؟ ہیلو......؟؟!'،

اس نے کان سے موبائل ہٹا کر سکرین کی طرف دیکھا۔ بلینک سکرین اس کا منہ چڑا رہی تھی۔

'......ایک تو یہ عبد اللہ بھی ناں......... اتنا شرمندہ کرواتا ہے۔ اب پھر گیمیں کھیل کھیل کر بیٹری بالکل ختم کر رکھی ہے......'، وہ غصّے سے بڑبڑائی۔ نور خاموشی سے اپنا ملک شیک پیتی رہی۔ اب گاڑی جانی پہچانی سڑکوں پر گامزن تھی۔ گھر قریب ہی تھا۔ گھر پہنچے تو نسرین نے سوئے ہوئے عبد اللہ کو گود میں اٹھا لیا جبکہ نور سارا سامان اکٹھا کرنے لگی۔ وہ دونوں آگے پیچھے لاؤنج میں داخل ہوئیں تو سامنے ہی صوفے پر صولت بیگم کے ساتھ فائزہ بیگم اور بینش کو بیٹھے ہوئے پایا۔ نور تو وہیں ان کے ساتھ ہی صوفے پر جا بیٹھی جبکہ نسرین دور سے سلام کر کے عبد اللہ کو لٹانے کے لیے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ چند منٹ بعد وہ موبائل کا چارجر ہاتھ میں لیے لاؤنج میں چلی آئی۔ موبائل کو چارجر سے کنکٹ کرنے کے بعد اس نے موبائل آن کیا۔ سات مسڈ کالز...... آنٹی کے نام سے محفوظ کیے ہوئے نمبر کے سامنے لکھا آ رہا تھا۔ نجانے آنٹی نے کیا کہنا تھا جو اتنی ساری کالز کیں۔ موبائل کچھ چارج ہو تو انہیں فون کرتی ہوں۔ یہ سوچتے ہوئے وہ بھی سب کے درمیان آ بیٹھی۔

نور اب ہنس ہنس کے صبح آغا نور والا واقعہ سنا رہی تھی۔ '......بس پھر ہم دم دبا کر وہاں سے نکل آئے، وہاں سے تو خریداری کرنے کے لیے بھی باڈی گارڈ ساتھ ہونے چاہییں......'۔

'اب تمہیں ہنسی آ رہی ہے، اس وقت تو لگ رہا جیسے وہیں بیٹھ کر رونا شروع کر دو گی'، نسرین نے اسے چھیڑا۔

'کہاں آپا......!! مجھ سے کہیں زیادہ تو آپ پریشان تھیں۔ آپ کے نقاب کے باوجود صاف پتہ چل رہا تھا۔ عبد اللہ کو اور اپنے ہینڈ بیگ کو تو آپ نے ایسے پکڑا ہوا تھا جیسے کوئی چھین کر لے جائے گا۔ ایسے جیسے امیروں شریفوں کی دکان میں نہیں، بلکہ چور اچکوں کے درمیان کسی بس سٹاپ پر کھڑی ہوں......'، نور مزے سے بولی۔

'چور اچکے نہ سہی، مگر شریفوں کے جانے کے قابل بھی نہیں تھی وہ جگہ......'نسرین صبح کی دھکم پیل یاد کرتے ہوئے بولی، 'خیر...... چچی! حیرت ہے آپ نے شاپنگ دکھانے کو بھی نہیں کہا......؟'، اس نے بینش کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔ شاپنگ میں بینش کی عدم دلچسپی اس کی عادت اور مزاج کے برخلاف تھی۔

'ہاں...... دکھاؤ ناں......!'، بینش شاید اپنی ہی کسی سوچ میں گم تھی، خلافِ معمول نسرین کو وہ بہت سنجیدہ لگی۔ ایک لمحہ کو تو وہ ٹھٹکی، پتہ نہیں کیا بات ہے...... کہیں امّی کے ساتھ کوئی اَن بَن تو نہیں ہو گئی، ان کا بھی چہرہ اترا ہوا سا لگ رہا ہے، جیسے روتی رہی ہوں...... مگر دوسرے ہی لمحے اس نے یہ خیال ذہن سے جھٹک دیا۔ بھلا ایسی کون سی بات ہو گئی ہو گی جس نے صولت بیگم کو رونے پر مجبور کر دیا ہو۔ یوں بھی تینوں بھائیوں کی بیگمات میں ہمیشہ ہی اچھے تعلقات رہے تھے۔ تھوڑی بہت اونچ نیچ تو بشری تقاضا ہے، مگر اگر کبھی ان بن ہو بھی جاتی تو وہ تینوں جلد ہی اپنا اور ایک دوسرے کا دل صاف کرنے کی کوشش کرتیں۔ وہ اپنے شاپنگ بیگز اٹھا لائی۔

'سب سے پہلے تو یہ دیکھیں...... یہ بریسلٹ کیسا ہے؟'، اس نے ایک چھوٹے سے لفافے میں سے موتیوں کا بنا ہوا بنفشی بریسلٹ نکالا۔

'یہ میری پسند سے لیا تھا آپا نے...... اچھا ہے ناں امّی......؟'، نور نے اپنے انتخاب پر داد طلب نظروں سے ماں کی طرف دیکھا۔ بریسلٹ بہت خوبصورت تھا، سبھی کو پسند آیا۔

'اور یہ تمہارے لیے ہی لیا تھا گڑیا...... یہ لو'، نسرین نے بریسلٹ احتیاط سے لفافے میں واپس ڈالتے ہوئے نور کی طرف بڑھا دیا۔ نور اچانک شرمندہ ہونے لگی۔

'نہیں آپا...... ! آپ رکھیں ناں اپنے لیے......'، اس نے احتجاج کرنا چاہا، مگر پھر نسرین کے گھورنے پر جلدی سے لفافہ پکڑ لیا۔ نسرین اب دیگر چیزیں نکال نکال کر صولت بیگم اور چچیوں کے سامنے رکھ رہی تھی۔ بینش کو اس کا خریدا ہوا کٹ پیس پسند آیا تھا۔

'یہ کتنے میں ملا......؟'،

'یہ ۲ ہزار روپے کا تھا چچی...... ایک میٹر کپڑا ہے تقریباً......'،

'بہت مہنگا نہیں خرید لیا نسرین......؟ ابھی اس کے ساتھ لائننگ، شلوار اور دوپٹہ بھی خریدنا ہو گا'، بینش نے تعجب سے کہا۔

'مہنگا ہے چچی؟! مجھے تو لگا مناسب ہی قیمت ہے......'، نسرین کو فوراً افسوس لاحق ہو گیا۔

'تم نے تو کچھ کم بھی نہیں کروایا ہو گا...... منہ مانگی قیمت ادا کر دی ہو گی......'، بینش اس کی طبیعت سے واقف تھیں، نسرین کو بازار اور خریداری کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔

بس چچی...... حالات ہی ایسے تھے......‘،اس کی بات ابھی منہ میں ہی تھی کہ پہلے دھاڑ سے بیرونی دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور پھر تیز قدموں سے چلتی ہوئی نبیلہ چھوٹی سی راہداری پار کر کے نمودار ہوئی۔ دہلیز پر کھڑے کھڑے ہی اس نے لاؤنج میں بیٹھے تمام نفوس پر ایک طائرانہ نظر ڈالی اور پھر نسرین کو دیکھ کر تقریباً بھاگتے ہوئے اس کے پاس آئی۔

’آپا...... کیا یہ سچ ہے؟!‘، وہ اس کے سر پر کھڑے ہو کر پوچھ رہی تھی۔ اس کے لہجے میں غصّہ تھا، تحکم اور اضطراب تھا۔ چہرہ اندرونی جذبات کی تمازت سے سرخ ہو رہا تھا۔ ’یہ سب جو کچھ کہہ رہے ہیں...... کیا یہ سچ ہے؟‘۔

’ک ک...... کیا کہہ رہے ہیں؟ آرام سے بات کرو بیلا!... کیا ہو گیا ہے؟‘، اس کے تیور دیکھ کر ہکّا بکّا نسرین حیرت سے بولی۔

’ارشد نے آپ کو ڈائیوورس دے دی ہے؟ وہاں کسی گوری سے شادی رچالی ہے؟......‘، ہر قسم کے ادب و احترام سے عاری، یہ صاف اور دوٹوک جملہ کمرے کی فضا میں کسی بم کی طرح پھٹا تھا۔ کمرے میں چھا جانے والی خاموشی مکمل تھی۔ اس قدر مکمل کہ نسرین کو اپنے سینے میں دھڑکتے دل کا شور ناقابلِ برداشت حد تک بلند محسوس ہوا۔ اس کا چہرہ پہلے سفید، پھر بے تحاشا سرخ اور پھر پیلا پڑنا شروع ہو گیا تھا۔ کمرے میں موجود تمام افراد کی نگاہیں اسے اپنے چہرے پر گڑی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ مگر اس کا ذہن ابھی تک نبیلہ کے جملے کو پوری طرح پراسیس نہ کر پایا تھا۔ اور پھر جب آہستہ آہستہ اس کے جملے کا مفہوم اس کے اندر اترا تو وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

’کیا بدتمیزی ہے نبیلہ؟! تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے......؟‘، بے ہودگی کی حد کو چھوتے اس سنگین مذاق نے اسے تپا کر رکھ دیا تھا۔

’آپ سے شادی سے پہلے ہی وہ وہاں شادی کر چکا تھا۔ آپ سے تو آنٹی نے اس لیے ان کی شادی کی تاکہ آپ انہیں واپس پاکستان آنے پر مجبور کر دیں۔ پچھلے چار پانچ سالوں میں وہ گنتی کے چند دن گزارنے یہاں آیا ہے۔ یہ کیسا بزنس ہے اس کا کہ اسے چھٹی نہیں ملتی؟ گھر فون کرنے کے لیے فرصت نہیں ملتی؟...... وہ کبھی ویڈیو کال نہیں کرتا؟ وہ اپنے بھائی کو تو کینیڈا بلوا سکتا ہے، مگر اپنی بیوی اور بچے کے کاغذات نہیں بنوا سکتا......؟‘، وہ بے رحمی سے اسے تمام حقائق گنوا رہی تھی۔ بمشکل اپنے آپ پر ضبط کیے نسرین کو لگا کہ اس کی قوتِ برداشت جواب دے جائے گی۔

’خاموش ہو جاؤ نبیلہ!...... اس سے زیادہ میں ایک لفظ بھی برداشت نہیں کروں گی‘، وہ ایک دم چیخ اٹھی تھی۔ پھر مڑ کر صولت بیگم کی طرف دیکھ کر احتجاجاً بولی، ’امّی!...... سن رہی ہیں آپ؟ منع کیوں نہیں کر رہیں اسے؟...... کیا فضول بکواس کیے چلی جا رہی ہے۔ تمیز...... تہذیب ہر چیز ختم ہو گئی ہے اس کے اندر سے...... اتنی سینس نہیں ہے کہ کیا بات مذاق کی ہے اور کیا نہیں! اور تم!‘، اب وہ ایک بار پھر نبیلہ سے مخاطب تھی۔ اسے اس پر بے طرح غصّہ آ رہا تھا، ایک تو مذاق اس قدر واہیات دوسرا یہ بھی لحاظ نہیں کیا تھا کہ دونوں چچیاں سامنے بیٹھی ہیں۔ لے کر اتنا بڑا تماشا بنا دیا تھا۔ چاہنے کے باوجود اس سے اپنا غصّہ ضبط نہیں ہو رہا تھا۔ سدا کی صلح جُو اور نرم مزاج نسرین اس وقت شعلۂ جوالہ بنی ہوئی تھی۔ ’بہت بڑا سمجھنا شروع کر دیا ہے تم نے اپنے آپ کو؟! جو منہ میں آئے اگل دیتی ہو......! چھوٹی ہو، چھوٹی بن کر رہو......!!‘۔

’آپا ڈیئر! کاش کہ یہ مذاق ہوتا......! انتہائی بھونڈا ہی سہی،...... مگر کاش کہ یہ مذاق ہوتا......!‘، اس کے غصّے کو قطعی خاطر میں لائے بغیر نبیلہ سرد لہجے میں بولی۔ اس سے پہلے کہ نسرین کچھ کہتی، کونے میں رکھے اس کے موبائل کی رِنگ ٹون بج اٹھی تھی۔ سب جو دم سادھے اسے اور نبیلہ کو دیکھ رہے تھے، یک دم جیسے ہوش میں آئے۔ نسرین تذبذب کے عالم میں موبائل کی طرف دیکھ رہی تھی۔ نبیلہ کی باتوں سے ایسا شدید غصّہ اس کے دماغ پر چڑھا تھا کہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت جیسے منجمد ہو گئی تھی۔ اسے اپنی جگہ پر بت بنا کھڑا دیکھ کر نبیلہ خود ہی آگے بڑھی اور موبائل اٹھا لیا۔ ’آنٹی کالنگ‘ سکرین پر جگمگا رہا تھا۔ اس نے ریسیو کا بٹن دباتے ہوئے ساتھ ہی سپیکر بھی آن کر دیا۔

’ہیلو......؟ ہیلو نسرین؟...... کب سے تمہیں کال کر رہی ہوں، مگر تم سے بات ہی نہیں ہو پا رہی‘، دوسری طرف سے رخشندہ آنٹی کی بے چین آواز ابھری۔

’جی آنٹی! میں آپ ہی کی کال کی منتظر تھی‘، نبیلہ نے طنزیہ انداز میں جواب دیا مگر رخشندہ نے سنا نہیں، انہیں اپنی بات کرنے کی جلدی تھی۔ وہ اسے نسرین ہی سمجھی تھیں کہ دونوں کی آواز بہت زیادہ ملتی تھی، اور فون پر تفریق کرنا اور بھی مشکل ہوتا ہے۔

’سنو بیٹا! تمہاری ارشد سے کوئی بات ہوئی ہے؟‘،

’کس بارے میں آنٹی؟‘، نبیلہ کے تجاہل میں بھی طنز کی آمیزش تھی۔

’کسی... کسی بھی بارے میں بیٹا...... میرا مطلب ہے...... کوئی جھگڑا تو نہیں ہوا؟ اصل میں...... اس کی کال آئی تھی تو وہ کچھ پریشان سا لگ رہا تھا......‘

’پریشانی کس بات کی آنٹی؟ آپ نے ارشد سے کہا تھا ناں کہ ابھی تو دو ہی زندگیاں تباہ کی ہیں...... دو مزید کی گنجائش تو ہے ابھی۔ ابھی تو وہ اور بھی لڑکیوں کی زندگی تباہ کر سکتا ہے، ابھی تو اور لڑکیوں کو بیوقوف بنایا جا سکتا ہے......‘ نبیلہ کاٹ دار انداز میں بولتی جا رہی تھی۔ دوسری طرف گہرا سکوت چھا گیا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد رخشندہ بولیں، ’بیٹا تم ابھی غصّے میں ہو، میں تم سے بعد میں بات کروں گی۔ بس صرف یہ کہوں گی کہ غصّے میں کوئی بھی فیصلہ مت کرنا‘۔ کال منقطع ہو گئی تھی۔ نبیلہ نے سر اٹھا کر نسرین کی طرف دیکھا جس کی حالت ایسی ہو رہی تھی جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

’اب تو آپ نے اپنی چہیتی ساس امّاں کے منہ سے بھی سن لیا ناں......؟ اب یقین آ گیا میری بات پر؟‘۔ نسرین پھٹی پھٹی آنکھوں میں بے تحاشا بے یقینی لیے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ’سیدھے بے خبرے...... قربان جاؤں آپ کی سادگی پر آپا! اتنی خبر نہ ہو سکی آپ کو کہ جس کے نام پر پانچ سال انتظار کی سولی پر لٹکتے ہوئے گزار دیے، وہ آپ کے ساتھ مخلص بھی ہے یا نہیں...‘، تنفر سے کہتے ہوئے نبیلہ صوفے پر جا کر ٹک گئی تھی۔ جبکہ نسرین اپنی جگہ پر جیسے منجمد ہو گئی تھی۔ اس نے ذرا سی گردن موڑ کر کمرے میں موجود دیگر افراد پر نظر ڈالی۔ صولت بیگم کی

آنکھوں سے بے آواز آنسو بہے چلے جا رہے تھے۔ اس بات کا ثبوت کہ وہ اس سارے معاملے سے واقف تھیں۔ فائزہ چچی بھی آنکھوں میں آنسو لیے کبھی اس کی طرف ترحم اور ہمدردی بھری نظروں سے دیکھتیں تو کبھی اپنے ہاتھوں میں دبا صولت بیگم کا ہاتھ دبا کر دلاسہ دینے کی کوشش کرتیں۔ بینش چچی شرمندہ شرمندہ سی نظریں جھکائیں بیٹھی اس کٹ پیس کو گھور رہی تھیں جو اب بھی ان کے ہاتھوں میں تھا۔ شاید انہیں یہ محسوس ہو رہا تھا کہ اس قدر ذاتی قسم کے منظر نامے میں ان کی موجودگی بے محل اور نامناسب ہے۔ اور بینش کے ساتھ بیٹھی نور، ہکّا بکّا اور پریشان...... جسے سمجھ ہی نہ آ رہا تھا کہ یہ ہو کیا رہا ہے۔

’آپا......!! ارے... آپا گر جائیں گی!!‘، نور کی بے ساختہ چیخ کی آواز گونجی، اور اس کے ساتھ ہی نسرین زمین بوس ہو گئی۔

’جانتی ہو یہاں اور ’وہاں‘ میں کیا فرق ہے؟ یہاں آ کر ایسا لگتا ہے جیسے کسی مدھر مدھر بہتی ندی کے کنارے آ بیٹھے ہوں۔ جو چپ چاپ، مٹی میں لیٹی، خاموشی سے بہتی چلی جاتی ہے۔ جبکہ وہاں...... تم نے کبھی نیاگرا فالز دیکھی ہیں؟...... تیز رفتار، شفاف پانی اتنی اونچائی سے آ کر گرتا ہے کہ آبشار کے گرد ہر وقت پانی سے اٹھنے والے جھاگ کے بادل چھائے رہتے ہیں۔ تند و تیز...... شور مچاتی ہوئی...... زندگی سے بھرپور!......‘۔

آنسو اس کی پلکوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر تکیہ کو بھگو رہے تھے۔ ’نسرین پلیز...... میں ابھی بہت مصروف ہوں...... تمہیں بعد میں کال کروں گا‘۔

’مجھے سمجھ نہیں آتا کہ گھر بیٹھے ایسے کون سے اخراجات ہیں جو پورے ہی نہیں ہوتے! سوری مگر...... میرے پاس اس مہینے بالکل گنجائش نہیں ہے۔ تم پاپا سے پیسے مانگ لو!‘۔

’سوری یار! ابھی میں بہت جلدی میں ہوں...... تم ابھی ذرا عبد اللہ سے بات کرا دو، تم سے پھر بعد میں بات کروں گا......‘۔

’فار گاڈز سیک نسرین!! اپنے اندر کچھ کانفیڈنس پیدا کرو...... یہ اکیسویں صدی ہے، سترہویں نہیں......! تم کب تک ہر کام کے لیے پہلے مجھ سے اجازت لو گی؟ اپنے دماغ سے سوچ کر فیصلے کیا کرو......!‘۔

’میں تم لوگوں کی خاطر ہی سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اتنی دور آ کر بیٹھا ہوں۔ مجھے کوئی شوق تو نہیں ہے اپنے ملک سے دور رہنے کا...... پھر بھی، جب فون کرو، وہی شکوے شکایتیں...... ’واپس کب آئیں گے؟‘، بھئی جب ممکن ہو گا آ جاؤں گا۔ اگر میرے پاس بار بار پاکستان کے چکر لگانے کے لیے اتنا ہی پیسہ ہوتا تو ایک ہی دفعہ پاکستان آ جاتا سیٹل ہونے کے لیے......‘

......اس کے لہجے کی سختی، بیزاری...... اکتاہٹ...... اسے اپنے آپ پر حیرت ہو رہی تھی کہ وہ کبھی محسوس ہی نہ کر پائی کہ ارشد کی جھنجھلاہٹ اور بیزاری کا سبب گھر سے دوری اور کاموں کی زیادتی نہیں، بلکہ خود اس کا اپنا اَن چاہا وجود تھا۔ آنٹی کا رویہ، سندس کا روکھا پن...... کبھی کبھی نظر آنے والا انکل کا اظہارِ شرمندگی...... پزل کے سب حصّے اپنی جگہ درست بیٹھ گئے تھے، اور جو تصویر بن کر سامنے آئی تھی، اس کا سامنا کرنے کی اس کے اندر ہمّت نہیں تھی۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اچانک ہی کسی بھیانک خواب میں گر گئی ہو...... ابھی کل تک تو سب ٹھیک تھا، اور آج...... اس کی دنیا ہی الٹ گئی تھی۔

اور عبد اللہ...... اچانک خیال آنے پر اس نے عبد اللہ کی تلاش میں ہاتھ مارا۔ پھر یاد آیا کہ اسے تو صولت بیگم اپنے ساتھ لے گئی تھیں۔ وہ تو اسے بھی اکیلا چھوڑنا نہیں چاہ رہی تھیں، مگر وہ آنکھیں بند کر کے سوتی بن گئی تو وہ مجبوراً کمرے کی لائٹ بند کرتے ہوئے باہر چلی گئی تھیں۔ ارشد تو اتنا پیار کرتا تھا عبد اللہ سے...... جب وہ یہاں ہوتا تو ایک پَل بھی اسے عبد اللہ سے دور رہنا گوارا نہ ہوتا...... پھر کیسے...... شدتِ غم سے اس نے اپنی آنکھیں زور سے بھینچ لیں۔ گرم گرم آنسو ایک بار پھر اس کے گالوں پر بہہ نکلے۔

’......وہ کہتا ہے کہ وہ نسرین کو چھوڑ سکتا ہے مگر سٹیفنی کو نہیں......!‘، ایک مختلف آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔ کھٹاک سے کمرے کی لائٹ آن ہوئی تھی۔ ’جانتی ہیں کیوں؟......‘۔ نبیلہ بستر پر اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ وہ نہیں جانتی تھی...... وہ جاننا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اس نے بیزاری سے نبیلہ کی طرف سے کروٹ بدلی اور چبھتی ہوئی روشنی سے بچنے کے لیے اپنا بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔ ’اس لیے کیونکہ اس کے اندر اتنی ہمت نہیں ہے۔ سٹیفنی بھی ایک عورت ہے...... ایک عام سی عورت۔ مجھے یقین ہے کہ شکل، صورت، دولت، سٹیٹس...... کسی بھی چیز میں آپ اس سے کم نہیں ہیں...... مگر اس نے ارشد کو اس کی اوقات میں رکھا ہوا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اگر وہ سٹیفنی کے ساتھ وہ کچھ کرے جو اس نے آپ کے ساتھ کیا ہے تو سٹیفنی اسے مزا چکھا دے گی۔ ڈی پورٹ کروانا یا جیل بھجوانا تو معمولی بات ہے، عدالت کے ذریعے اتنے بھاری بھرکم جرمانے ہوں گے کہ بقیہ عمر کے لیے کنگال کر چھوڑے گی، اس لیے وہ خواب میں بھی اس کے ساتھ کوئی زیادتی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ مگر آپ سے اسے کوئی ڈر نہیں...... کیوں؟! کیونکہ جب سے شادی ہوئی ہے آپ نے اس کی جی حضوری کرنے کے سوا کیا ہی کیا ہے؟ ہر بات پر سر جھکا دیا...... ہر غلطی کی پردہ پوشی کی...... اس کو ہر جگہ ڈیفینڈ کیا...... دیکھا جائے تو اس سارے معاملے میں آپ کا قصور بھی کوئی کم نہیں ہے۔ یہ مصیبت ساری آپ کے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے۔ آپا!! آخر آپ سمجھتی کیوں نہیں ہیں......؟!!‘، اس کی مسلسل خاموشی پر نبیلہ نے جھلّا کر اس کا بازو اس کی آنکھوں پر سے ہٹایا۔

’یہ اکیسویں صدی ہے آپا!...... یہ شریفوں کی دنیا نہیں ہے۔ یہاں اپنا حق دوسرے سے چھیننا پڑتا ہے، ورنہ دوسرا آپ کو تر نوالہ سمجھ کر چبا جاتا ہے اور ڈکار تک لینے کا روادار نہیں ہوتا۔‘

’چاہتی کیا ہو تم......؟‘، نسرین نے بیزاری سے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے پوچھا۔

’میں چاہتی ہوں کہ آپ یہ سوگ منانا بند کریں اور حالات کا بہادری سے سامنا کریں! آپ کب تک اپنی خوشیوں کے لیے دوسروں کی طرف دیکھتی رہیں گی؟ اس دنیا میں بندے کو سب کچھ اپنے لیے خود کرنا پڑتا ہے، کوئی کسی کے لیے کچھ نہیں کرتا۔

(باقی صفحہ نمبر 93 پر)

علامہ محمد اقبالؒ

وطنیت

یعنی وطن بحیثیت ایک سیاسی تصور کے

اس دور میں مے اور ہے ، جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روش لطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے، وہ مذہب کا کفن ہے
یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیب نوی ہے
غارت گرِ کاشانۂ دینِ نبویؐ ہے

بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے، تو مصطفوی ہے
نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملا دے!

ہو قید مقامی تو نتیجہ ہے تباہی
رہ بحر میں آزاد وطن صورت ماہی
ہے ترک وطن سنتِ محبوب الٰہی
دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی

گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشاد نبوتؐ میں وطن اور ہی کچھ ہے
اقوام جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے
تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے

خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوق خدا بٹتی ہے اس سے
قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے

جہاد کے لیے مُسلّح رہنا فرضِ عین ہے !!!

"قرآن مجید میں جس طرح أَقِيمُواْ الصَّلاَةَ اور آتُواْ الزَّكَاةَ دونوں امر کے صیغے ہیں، ان دونوں صیغوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر مسلمان کے ذمے نماز پڑھنا اور زکوۃ ادا کرنا فرضِ عین ہے۔ بعینہ اس طرح وَأَعِدُّواْ لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ الخ کا حکم ہے۔ یعنی ہر مسلمان کو حکم دیا جاتا ہے کہ ہر شخص اپنی توفیق کے مطابق جنگی ہتھیاروں سے مسلّح رہے اور کوئی مسلمان اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ اس لیے اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ ہر مسلمان کو مسلّح ہونے کے لیے سہولتیں بہم پہنچائے نہ یہ کہ الٹا لائسنس کی پابندی عائد کرے اور ہتھیار بنانے یا بنے ہوئے خرید کرنے میں رکاوٹیں پیدا کرے۔

لہٰذا ہر مسلمان کو ہتھیار رکھنے، بنانے اور بنے ہوئے لانے کی آزادی ہونی چاہیے۔ کیونکہ قرآن مجید کا بھی حکم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے تابعدار ہوتے تو مشرقی پنجاب میں سے مسلمانوں کا ایک گاؤں بھی خالی نہ ہونے پاتا۔ اور ۸۰ لاکھ ہجرت کرنے پر کبھی بھی مجبور نہ ہوسکتے۔ اس کی تدبیر یہی تھی کہ اگر سب مسلمان رائفلوں اور سٹین گنوں سے اسلامی تعلیمات کے مطابق مسلّح ہوتے تو پھر کسی بے ایمان سکھ یا ڈوگرے کو مجال تھی کہ مسلمانوں پر فتح پاتا۔ اس مسلّح مسلمان کے مقابلے میں آتے تو وہی خبیث شکست کھا کر جاتے۔ افغانستان پر انگریز ۹۲ سال میں کیوں فتح نہیں پا سکا؟ اس لیے کہ پشتون کے دل میں نورِ ایمان ہے، کمر پر کارتوسوں کا گٹھا اور کندھے پر رائفل ہے۔"

شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ
(از امام لاہوریؒ کے رسائل)